CHAPTERS FROM THE HISTORY OF MADINA

تاریخ مدینہ سے منتخب ابواب

(مسوّدہ)

اردو ترجمہ و اضافی باب

علی حافظ

مترجم: (اردو) مبشر احمد اختر

فہرست

نمبر شمار	باب نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
1		پیش لفظ	18
2		مصنف کے قلم سے	22
3		عرض مترجم	24
4	**باب:1**	**مدینہ کا تاریخی پس منظر**	**29**
5		مدینہ کے ابتدائی باشندے	30
6		مدینہ کی حدود اور مدینہ کے نام	30
7		یہود	32
8		انصار	33
9		نفرت آمیز یہودی جارحیت	34
10		مدینہ......اسلامی دور میں	35
11		مدینہ......خلفائے راشدین کے دور میں	37
12		مدینہ......بنوامیہ کے دور میں	39
13		عین الزرقہ	39
14		حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کی بیعت کرنے سے انکار	40
15		جنگ حرۃ الشرقیہ	40

16		مدینہ......حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن زبیر کے دورِ حکومت میں	41
17		بنوامیہ کی مدینہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوششیں	41
18		مدینہ پر دوبارہ قبضہ کی دوسری کوشش	42
19		بنوامیہ کا مدینہ پر قبضہ	43
20		حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی مدینہ میں تدفین	43
21		مدینہ......عباسی دور میں	44
22		نفس الذکیہ کا قتل	44
23		مدینہ......عثمانیہ دور سے پہلے	46
24		رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ مبارک کو چرانے کی کوشش	46
25		روضہ رسول کی حفاظت	48
26		رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دوصحابہ کرام کے جسد مبارک کی منتقلی کی کوشش	49
27		احمد ذکی پاشا کی رائے	51
28		حجاز میں آتش فشاں	52
29		آتش فشاں تین مہینے جاری رہا	53
30		مسجد نبوی میں آتشزدگی	53
31		مدینہ......عثمانی دور میں	55
32		دیوارِ مدینہ قصر مجیدی	56
33		حجاز ریلوے، مسجد اور کالج	60
34		مدینہ...... ہاشمی اقتدار میں	66

35		مدینہ......سعودی عملداری میں	67
36	**باب:2**	**مسجد نبوی ﷺ 14 سو سالوں میں**	**73**
37		مسجد نبوی ﷺ	74
38		مسجد نبوی ﷺ کا مقام(Location)	74
39		مسجد کی زمین	74
40		رسول اللہ ﷺ کے وقت میں مسجد کی تعمیر	75
41		مسجد کی حدود	75
42		جنوبی دیوار	76
43		شمالی دیوار	76
44		مغربی دیوار	76
45		مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں لگے ہوئے دروازے	77
46		مشرقی دروازہ	77
47		مغربی دروازہ	79
48		جنوبی دروازہ	79
49		شمالی دروازہ	79
50		رسول اللہ ﷺ کے نماز پڑھنے کی محراب	79
51		نبی ﷺ کی مسجد اقصیٰ کی جانب نماز ادا کرنے کی جگہ	81
52		رسول اللہ ﷺ کی ادائیگی نماز کی جگہ (مصلیٰ) ستون سیدہ عائشہ پر	81
53		مسجد نبوی میں تاریخ ساز ستون	83

54		2- ستون سیدہ عائشہؓ	84
55		3- ستون توبہ	84
56		4- نیند (سریر) کا ستون	85
57		5- پہرہ دینے کا ستون	85
58		6- وفود کا ستون	86
59		7- ستون جبرئیل علیہ السلام	86
60		8- ستون تہجد	86
61		رسول اللہ کا منبر	88
62		منبر کی ارتقائی منازل	89
63		منبر کا بعد میں استعمال	90
64		مقدس باغ (ریاض الجنت)	91
65		سلطنت عثمانیہ کے سلطان سلیم نے ریاض الجنت کے ستونوں کی تزئین کرائی	91
66		مینار	92
67		سلطان عبدالمجید کے دور کی تزئین میں بنائے گئے مینار	92
68		1- شامیان مینار	92
69		2- مشرقی مینار	92
70		3- جنوب مشرقی مینار	94
71		4- جنوب مغربی مینار	94

72		5- مغربی مینار	94
73		سعودی دور میں بنائے گئے مینار	95
74		مسجد نبوی کو وسعت دینے والے	97
75		حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے وقت میں مسجد نبوی کی وسعت اور تزئین	97
76		حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے وقت میں مسجد نبوی میں وسعت اور تزئین	97
77		ولید بن عبدالملک کے دور میں مسجد نبوی کی توسیع	98
78		سعید بن مسیّب کی ازواج مطہرات کے کمروں پر رائے	99
79		مہدی عباسی کا توسیعی کام	99
80		اشرف قایتبائے کے وقت کی توسیع	99
81		قایتبائے کی تزئین کا تذکرہ	100
82		مسجد نبوی کے رقبہ میں فرق	101
83		سلطان عبدالمجید کے دور میں تزئین اور وسعت	101
84		شاہ عبدالعزیز کے دور میں توسیع اور تزئین	104
85		مسجد نبوی کی بڑی تعمیر نو اور توسیع	105
86		شاہ فہد نے مسجد نبوی ﷺ کی سب سے بڑی توسیع کروائی	106
86		سعودی تعمیر نو کی ضروری تفصیلات	109
87		اخراجات	110

88		تعمیر نو میں باہمی فرق	110
89		سالوں میں (تقریباً) فرق	110
90		وہ لوگ جنہوں نے مسجد نبوی کی تزئین کی مگر اس کا رقبہ نہیں بڑھایا	111
91		شاہ عبدالعزیز کے فرزندان (بیٹے)	112
92	باب:3	روضۂ رسول ﷺ (بیت النبی ﷺ)	**117**
93		بیت الرسول ﷺ کی بناوٹ	120
94		رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک (روضۂ نبوی ﷺ)	120
95		(الف) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک	121
96		نائف بن ابی نعیمہ کا بیان	121
97		(ب) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک، قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ کا بیان	121
98		(1) نائف کے بیان کے مطابق چارٹ	123
99		(2) قاسم کے بیان کے مطابق چارٹ	123
100		روضۂ رسول میں چوتھی قبر کی جگہ	125
101		روضۂ رسول میں ترامیم کی گئیں	125
102		سیدہ عائشہؓ کی بنائی ہوئی دیوار برائے تقسیم روضۂ رسول	126
103		روضۂ رسول کو منہدم کر کے دوبارہ خلیفہ ولید نے بنوایا	126
104		قبور مبارکہ کی مرمت	126
105		حضرت عمر (بن العزیز) نے روضۂ رسول کو دوبارہ تعمیر کروایا	127
106		بیبرس (حاکم مصر) نے روضہ میں نماز ادا کرنے کی ممانعت کردی	128

107		روضۂ رسول میں پہلے گنبد کی تعمیر	128
108		گنبد کی تزئین و آرائش	129
109		دوسری آتشزدگی کے بعد گنبد کی دوبارہ تعمیر	129
110		سلطان محمود نے گنبد کی مرمت کروائی	129
111		گنبد کو سبز رنگ دیا جانا	130
112		روضۂ رسول کی تزئین و آرائش سعودی عہد میں	130
113	**باب:4**	**تاریخی مساجد**	**131**
114		1- مسجد قباء	132
115		نبی اکرم ﷺ کی مسجد میں جائے نماز	136
116		2- مسجد جمعہ	138
117		مسجد قبلتین	139
118		4- مسجد الفتح	141
119		5- فتح مسجد کے جنوب میں چار مساجد	143
120		5- مصلیٰ مسجد	146
121		6- علی بن ابو طالب مسجد	147
122		مسجد کو یہ نام کیسے دیا گیا؟	148
123		7- مسجد ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق	149
124		مناخہ میں وہ مقامات جہاں رسول اللہ ﷺ نے نمازیں ادا کیں	150
125		8- مسجد عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب	151

126		9- مسجد شجرہ	152
127		10- مسجد فضیخ	154
128		11- مسجد سقیہ	155
129		12- مسجد ابوذر رضی اللہ عنہ	156
130		13- مسجد بنوساعدہ	157
131	**باب:5**	**بقیع الغرقد......شہداء اُحد**	**159**
132		بقیع الغرقد	160
133		اہل بیت، صحابہ کرام اور مومنین	160
134		انصار اور مہاجرین میں سے پہلے دفن ہونے والے صحابہ کرام	162
135		عقیل بن ابوطالب کی قبر	162
136		رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کی قبور	162
137		رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کی قبور	163
138		اہل بیت (رشتہ داروں) کی قبور	163
139		مالک بن انس اور نائف، (عمر رضی اللہ عنہ کے خادم) کی قبور	165
140		عثمان بن مظعون اور دیگر کی قبور	165
141		شہداء حرۃ کی قبور	166
142		حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کی قبر	166
143		حضرت فاطمہ بنت اسد اور سعد بن معاذ کی قبور	166
144		رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ کی قبر	167

145		صحابہ کرام اور اہل بیت کی قبور جو بقیع سے باہر واقع ہیں:	167
146		حضرت اسماعیل بن جعفر صادق کی قبر	167
147		حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی قبر	168
148		رسول اللہ ﷺ کے والد ماجد کی قبر	168
149		نفس الذکیہ (المعروف مہدی) کی قبر	168
150		حضرت مالک رضی اللہ عنہ بن سنان کی قبر	169
151		بقیع ......امیہ دور میں توسیع	169
152		سعودی دور حکومت میں بقیع کی وسعت	170
153		بقیع العمات کا بقیع الغرقد میں مدغم ہونا	170
154		نواحی علاقوں کو شامل کرنا	170
155		حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ...... جنگ اُحد کے شہید	171
156		سید الشہدا کی قبر	172
157		شہداء کی قبریں	173
158		شہداء کی قبور پر حاضری	173
159	باب:6	تاریخی کنویں	**175**
160		1- بضاء کنواں	176
161		2- حاء کنواں	177
162		3- بوصہ کنواں	178
163		4- اریس الخاتم (انگوٹھی) کنواں	179

164		5- غرس کنواں	180
165		6-سقیہ کنواں	181
166		7- رومہ (عثمان) کنواں	182
167		8-اھن یا الیُسر کنواں	182
168	باب:7	**ثقیفہ بنی ساعدہ**	**183**
169		مثلث السلطانیہ	185
170		سقیفہ تاریخی پس منظر میں	185
171		سقیفہ کی طرف سڑک	186
172	باب:8	**اُحد اور اس کی پانچ جنگیں**	**187**
173		کفار کی فوج	188
174		مشاورت اور قریش کی فوج کی نگرانی	189
175		اسلامی فوج	190
176		پہاڑ پر تیر اندازوں کا تقرر	190
177		جنگ کا دن: دونوں فوجوں کا ٹکرانا	192
178		تیر اندازوں کی غلطی اور مسلمانوں کی شکست	192
179		رسول اللہ ﷺ کی شجاعت اور ثابت قدمی	194
180		حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہاں شہادت پائی؟	196
181		پہلا میدان جنگ: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی جگہ رومات کے مغربی طرف	199
182		اُحد کی پانچ لڑائیوں کی جگہیں	200

183		مسلمانوں نے اپنی عزت بحال کر لی	200
184		جنگ اُحد سے کیا سبق حاصل ہوا	201
185	**باب:9**	**غزوۂ احزاب (مشترکہ اتحاد) یا جنگ خندق**	**203**
186		بئرِ معونہ (معونہ کا کنواں)	204
187		متحدہ دشمن کی فوج	206
188		یہود کی جنگ	207
189		رسول اللہ ﷺ کو اس خبر کی اطلاع	207
190		خندق، مقام اور علاقہ	208
191		خندق کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی	209
192		اسلامی فوج	209
193		دشمن کی متحدہ فوج کا پڑاؤ	210
194		غزوۂ احزاب	210
195		بنی قریظہ کی دھوکہ دہی	210
196		رسول اللہ ﷺ کی بنو غطفان سے مصالحت	211
197		نعیم رضی اللہ عنہ ابن مسعود کا کردار	212
198		رسول اللہ ﷺ کی اتحادیوں کے خلاف دعا	213
199		اتحادی جنگ سے اُکتا گئے	214
200		اتحادیوں کی شکست	214
201		دونوں فریقین کے نقصانات	215
202		جنگ کی تاریخ اور محاصرہ کی مدت	215

203		خندق کی موجودہ دور میں جگہ	215
204		مطری اور بشمائیل کے نظریہ پر بحث	217
205		دھوکے باز بنی قریظہ کا اخراج	219
206		جنگ احزاب سے کیا سبق ملتا ہے	219
207	**باب:10**	**مدینہ میں تعلیمی سرگرمیاں**	**221**
208		اسلامی یونیورسٹی	222
209		اسلامی یونیورسٹی کے قیام میں اخبار مدینہ منورہ کا کردار	222
210		یونیورسٹی کے مقاصد	224
211		طلباء کی تعداد	224
212		یونیورسٹی کا صدر مقام	224
213		صحرا میں تعلیمی کوششیں...... مسائجید (Al-Misaijeed) میں صحرائی سکول	225
214		مدینہ میں لائبریریاں (کتب خانے)	228
215	**باب:11**	**مدینہ موجودہ دور میں**	**231**
216		عین الزرقہ۔(نیلا چشمہ)	232
217		آب رسانی کے مقام	232
218		کھارے پانی کو پینے کے قابل بنانا۔ (Desalinated Water)	234
219		مدینہ میں بجلی	235
220	**باب 12**	**مدینہ منورہ میں ترقیاتی منصوبے**	**237**

221		بن لادن کے تکمیل شدہ منصوبے	238
222		1381-1385ہجری (1961-1965ء) میں بلدیہ نے جو منصوبے مکمل کئے	238
223		محکمہ صحت کے منصوبے	239
224		نشرواشاعت کے منصوبے	240
225		القماشہ مارکیٹ میں آتش زدگی	241
226	**باب:13**	**حکومتی دفاتر۔عوامی خدمات**	**243**
227		مدینہ کے علاقہ کی حاکمیت	244
228		سعودی دور میں مدینہ کے گورنر	244
229		محکمہ پولیس	245
230		محکمہ تاراور ٹیلی فون کی خدمات کا مدینہ میں آغاز	245
231		محکمہ ڈاک	246
232		زمینی نقل وحمل(Land Tansport)	247
233		محکمہ حج سعودی دور میں	247
234		محکمہ اوقاف	247
235		تتمہ کتاب......شاہ فہدابن عبدالعزیز کے منصوبوں کی شمولیت	249
236		شاہ فہد کا عظیم اسلامی پراجیکٹ قرآن حکیم پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ	250
237		پراجیکٹ (منصوبہ) کی جگہ (مقام)	251
238		پرنٹنگ پریس کی استعداد	251

239		مسجد نبوی کی سب سے بڑی توسیع شاہ فہد کے دور میں	251
240		اسلام کی سب سے پہلی میونسپلٹی مدینہ تھی	252
241	اضافی: باب	(عرض مترجم میں بیان شدہ نیا باب)	**255**
242		غزوہ بدر	257
243		جنگ بدر کا پس منظر	258
244		مکہ سے ہجرت کی اجازت	261
245		پہلی بیعت عقبہ	262
246		دوسری بیعت عقبہ۔ (بیعت عقبہ کبریٰ)	263
247		قباء میں تشریف آوری	267
248		مدینہ میں داخلہ	267
249		مدنی زندگی	268
250		مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کا ابتدائی مشن	268
251		مسلمانوں کی عسکری حکمت عملی	270
252		جنگ (غزوہ) بدر کی ابتدائی وجہ	274
253		اسلامی لشکر کو مکی فوج کا علم ہونا	277
254		مسلمانوں کا بدر کے چشموں پر قبضہ	280
255		ترتیب لشکر اور شب گذاری	281
256		میدان جنگ میں مکی لشکر کی آمد	283
257		مبارزت	285
258		ابوجہل کا قتل	287

259		مکی لشکر کی مکمل شکست	287
260		جنگ بدر کے چودہ شہدا کے اسماء گرامی	289
261		جنگ بدر کے قیدیوں سے سلوک	291
262		قیدیوں سے درگزر کرنے کے مثبت اثرات	292
263		جنگ بدر کی اہمیت اور اسلامی تاریخ پر اثرات	293
264		رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی اعلیٰ اقدار کے متعلق عالمی شخصیات کی رائے	301
265		رسول اکرم ﷺ کا جنگی سامان	306
266		رسول اللہ ﷺ کے عسکری ہتھیار و دیگر حربی سامان	307
267		تلواریں	307
268		1- الماثور	307
269		2- البتار	308
270		3- ذوالفقار	310
271		4- حتف	311
272		5- المخذم	312
273		6- الرسوب	313
274		7- العضب	313
275		8- القضیب	314
276		9- قلعی	314
277		تیر کمان	315

278		3- نیزے	317
279		زرہ بکتر	318
280		ترکش	318
281		ڈھال	319
282		خُود	319
283		لباس و دیگر حربی سامان	319
284		متفرق سامان	321
285		حرمین برق رفتار ریل	323
286		سیلِ العرم اور انصارِ مدینہ	335
287		وجہ سیلاب اللہ کی ناراضگی	336
288		یمن اوس وخزرج کا آبائی مسکن	337
289		قوم سبا اور اس کی سلطنت	338
290		عروج سبا کی وجہ	345
291		قوم سبا کی عسکری طاقت	352
292		مارب میں جدید ڈیم کی تعمیر	354
293		مصنف کا تعارف	355

پیش لفظ

تاریخ زندہ معاشروں میں دانشوروں کا پسندیدہ موضوع رہا ہے ماضی کی مثبت بنیادوں پر ہی حال کی تعمیر اور مستقبل کے امکانات روشن ہوتے ہیں قومیں اپنے تہذیبی و ثقافتی ورثے سے پہچانی جاتی ہیں۔ جو قومیں اپنی تاریخ کی حفاظت نہیں کرتیں ان کا جغرافیہ بدل جاتا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ، عالمی تاریخ کا ایک خوشگوار باب ہے، رسول اکرمؐ کی قیادت میں صحابہ کرامؓ نے ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جو دنیا کا پہلا فلاحی معاشرہ تھا پیغمبر اسلام کی اسی انفرادیت کی وجہ سے مائیکل ہاٹ نے اپنی کتاب Hundrad Great Men میں باوجود عیسائی ہونے محمد عربیؐ کا نام تاریخ عالم میں پہلے نمبر پر رکھا۔عرب نہ صرف پیغمبر اسلامؐ کے حوالے سے معتبر اور محترم ٹھہرے بلکہ ان مقامات اور شہروں کو بھی عزت ملی جن کا رشتہ ختمی مرتبتؐ کے ساتھ قائم ہوا۔ مدینہ، بلاد اسلامیہ کا ایک شہر ہی نہیں بلکہ مدینۃ الرسولؐ بھی تھا، اس حوالے سے اس شہر کی اہمیت مسلمانوں کے لیے بہت اہم ہے۔علی حافظ صاحب نے رسول اکرمؐ کی عقیدت اور اپنے مولد کی محبت میں سرشار ہو کر اس مشکل اور اہم کام کا بیڑا اٹھایا اور تاریخ مدینہ سے منتخب ابواب کے نام سے مدینہ کی تاریخ مرتب کی۔علی حافظ صاحب سعودی افسر شاہی کے اہم رکن ہونے کے علاوہ ایک صاحب علم مورخ، ذمہ دار منتظم، اور دانشور صحافی بھی ہیں...... اُن کی تصنیف مدینہ کی تاریخ پر ایک معتبر اور مستند کتاب ہے اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ ہے کہ یہ کتاب بیسویں صدی عیسوی کی چھٹی دہائی میں لکھی گئی۔ ماضی کی تمام تحریریں اُن کے پیش نظر رہیں اور 1984ء مصنف نے

دوسرے ایڈیشن میں ''مدینہ'' کے ترقیاتی کاموں کی تفصیل بھی اس میں شامل کر کے کتاب کو زیادہ مفید اور مستند بنا دیا۔ انہوں نے جس لگن محنت اور جانفشانی سے اس تحقیقی کام کو مکمل کیا اس کی وجہ سے یہ کتاب ایک مستند مثالی دستاویز کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ مسلمانوں کے لیے مدینہ...... مدینۃ الرسولؐ ہونے کی وجہ سے محترم اور مقدس ہے۔ یثرب کی ترقی اصل میں عہد نبوی کے بعد سے اسلامی بنیادوں پر شروع ہوئی۔

مترجم جناب مبشر احمد اختر نے اس کتاب کا ترجمہ انگریزی متن سے کیا ہے، ترجمے کے اپنے مسائل ہوتے ہیں لیکن اگر ترجمہ اصل کتاب کے متن کے مطابق ہو تو اسے کامیاب ترجمہ کہا جاتا ہے...... ادب اور شاعری کے مقابلے میں تاریخ اور معاشرتی علوم کا ترجمہ نسبتاً آسان ہوتا ہے کیونکہ اس میں ''خبر اور متن'' میں یکسانیت زیادہ بہتر انداز میں ہوتی ہے اس طرح ترجمہ کرنے والا مصنف کے مافی الضمیر کو کامیابی سے اپنی زبان میں منتقل کر سکتا ہے، زیرنظر ترجمے کو میں نے توجہ سے پڑھا، مبشر صاحب خود ایک صاحب علم شخصیت ہیں پھر عربی متن کے انگریزی ترجمے پر بھی نظر ثانی ایک معروف مترجم اور اسلامی تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے شخص ماجد سرحان نے کی...... اس طرح یہ انگریزی ترجمہ بھی عربی متن کی طرح مستند اور معتبر ہے...... اسی انگریزی ترجمے سے استفادہ کرتے ہوئے مبشر صاحب نے اسے اُردو زبان میں کامیابی سے منتقل کیا ہے۔

ترجمے سے متعلق خود مترجم رقم طراز ہیں:

''کتاب کے متن اور اُسلوب کو ملحوظ رکھتے ہوئے میری یہ کوشش رہی ہے کہ مصنف کے طرز بیان کو ہی قائم رکھوں اور اُردو بیانی (لفاظی اور عبارت آرائی) سے گریز کروں تاہم دو زبانوں کو آپس میں ڈھالنے میں کچھ تفریق تو رہتی ہے میری یہ کوشش بھی رہی ہے کہ تاریخ کے

ہر اہم واقعہ کا من وعن ترجمہ کروں۔ تاہم بعض واقعات جن کا ذکر نہ ہونے سے مدینہ کی تاریخ پر کوئی خاص اثر اندازی نہیں ہوتی اُن کو یا تو مختصر بیان کیا ہے یا حذف کر دیا ہے۔''

مبشر صاحب کے ترجمے کی زبان، سادہ، عام فہم اور رواں ہے، قاری مصنف کے مافی الضمیر سے کامیابی سے آگاہ ہو جاتا ہے...... کتاب اس حوالے سے بھی اہم ہے کہ اس میں مختلف ادوار میں شہر مدینہ کی توسیع یافتہ عمارتیں، شاہراہیں، قبرستان اور خاص طور پر مسجد نبویؐ کی توسیع و تزئین و آرائش کے بارے میں خاصی تفصیل موجود ہے۔ مصنف نے مختلف ادوار میں ہونے والی اہم تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے۔ مدینہ کی قدیم تاریخ سے لے کر بیسویں صدی عیسوی تک کی تفصیل اس کتاب میں موجود ہے، یقیناً یہ کتاب تاریخ کے طالب علم کے علاوہ اُن تمام افراد کے لیے ایک تحفہ کی حیثیت رکھتی ہے جن کی زندگی محبت رسولؐ اور عشق مدینۃ الرسول سے عبارت ہے، عقیدت کی فضا سے ہٹ کر بھی کتاب یقیناً شہر مدینہ کی مکمل اور مسبوط تاریخ ہے...... مترجم نے تشنگان علم کی سیرابی کے لیے اپنی جانب سے جس نئے باب کا اضافہ کیا ہے وہ بھی انتہائی مفید ہے...... خاص طور پر جنگ بدر کی تفصیل سے اس کا پس منظر اور اس کے بعد کی تاریخ کو اپنے نقطہ نظر سے بیان کیا ہے۔

اس کے علاوہ رسول اکرمؐ کے جنگی ساز و سامان کی تفصیل بھی موجود ہے تلواریں، ان کے نام، نیزے، تیر کمان، ترکش، ڈھال، خود اور جنگی لباس سب ہی کا ذکر ہے...... اس کے علاوہ اس کتاب میں قوم سبا اور اس کی تفصیل بھی مترجم نے بیان کی ہے...... مبشر صاحب لکھتے ہیں:

''سبائی سلطنت کی تجارت اور زراعت پر اجارہ داری تمام خطہ میں کئی صدیوں تک قائم رہی ''سورۂ سبا میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن کو ہم نے برکت عطا کی تھی نمایاں بستیاں آباد کر دی تھیں تا کہ ان راستوں میں امن کے ساتھ چلیں

پھریں......'' یعنی ان شہروں سے برکت والے شہروں'' یعنی شام و فلسطین تک متواتر آبادیاں قائم کر دی تھیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم یمنی علاقے سے شام تک کا تمام تجارتی راستہ انسانی آبادیوں سے پر تھا اور ایک غیر آباد علاقے میں غیر یقینی حالت میں سفر کرنے کے برعکس ان راستوں کے مسافر پُر امن طور پر اپنی اگلی منزلوں کا تعین کر سکتے تھے......''

اس اضافہ سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے، اس کے علاوہ اہم مقامات اور عمارات کی تصاویر اور نقشوں نے کتاب کی اہمیت اور حسن میں اضافہ کر دیا ہے۔

میری رائے میں یہ ایک کامیاب ترجمہ ہونے کے ساتھ ساتھ اردو زبان میں ایک مستند تاریخ مدینہ بھی ہے۔

پروفیسر انیس احمد زیدی

ممبر سنڈیکیٹ (سابقہ)

جامعہ کراچی وفیڈرل اردو یونیورسٹی

7 مئی 2018ء

تعارف

مصنف کے قلم سے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمد و نصلی علیٰ رسوله الکریم

تمام تعریف اللہ کے لیے اور ہر طرح کی امان محمد رسول اللہ ﷺ ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حق کے ماننے والوں پر ہو۔

ایک بہت ہی عزیز دوست اور بے شمار قارئین نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ میری کتاب، ''تاریخ مدینہ سے ابواب'' کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا جانا چاہیے۔ بعض نے تو اس حد تک خواہش ظاہر کی کہ اس کتاب کا دوسری زبانوں مثلاً فرانسیسی، ہسپانوی، سواہلی، اردو اور انڈونیشین زبانوں میں بھی ترجمہ کیا جائے۔ جب سے میں نے یہ کتاب لکھی ہے میری بھی یہی خواہش رہی ہے۔

میں نے یہ خیال اپنے بیٹوں ہشام علی حافظ اور محمد علی حافظ کے سامنے پیش کیا اور انہوں نے بھی اس کی نہایت گرم جوشی سے تائید کی۔ تب میں نے اس معاملہ بارے اپنے دوست فاروق لقمان، جو جدہ کے انگریزی روزنامہ عرب نیوز کے مینیجنگ ایڈیٹر ہیں، سے مشورہ کیا اور وہ بے پناہ پر جوش نظر آئے۔ انہوں نے تو دو باصلاحیت مترجم محمد ابراہیم اور عبدالوہاب البشیر کو اس کام کے لیے منتخب بھی کر لیا۔

دونوں مترجمین نے یہ رائے دی کہ کتاب غیر ملکی قارئین کے نقطہ نظر کے مطابق جامع اور مختصر ہونی چاہیئے۔ میں نے اس کتاب کو مختصر انداز میں یوں لکھ دیا کہ اس کا اصل متن متاثر نہ ہو اور دونوں کو ایک ایک کاپی دے دی۔

لقمان صاحب نے ترجمہ پر نظر ثانی کی اور مشورہ دیا کہ مسودہ کی چھپائی کے آخری مرحلہ کی چھان بین کا کام اسلامی تاریخ کا کوئی مستند مصنف ہی کرے جو انگریزی زبان پر مکمل دسترس رکھنے کے علاوہ تالیف کے کام میں بھی مہارت رکھتا ہو۔ اس کام کے لیے ہماری نظرِ انتخاب اخبار اشراق الاوسط لندن آفس کے مترجم ماجد سرحان پر پڑی۔

میں اس جگہ ان تمام دوستوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اپنے قیمتی مشورہ سے مستفیض کیا یا کتاب کو حقیقت کا رنگ دینے میں عملی طور پر حصہ لیا۔

میں یہ کتاب بطور تحفہ مسلم اور غیر مسلم انگریزی قارئین کو پیش کرتا ہوں۔ میں اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کہ یہ کتاب ان کے لیے سود مند ہو اور دینی، علمی اور تاریخی امور میں بصیرت افزاء ثابت ہو، اور مدینہ، محمد رسول اللہ ﷺ کی ہجرت اور اس سرزمین، جو آپ کے جسم اقدس کی امین ہے، کے متعلق ان کے ہر سوال کا تسلی بخش جواب فراہم کرے۔

علی حافظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　نحمد و نصلی علٰی رسولہ الکریم

عرض مترجم

میں سن 2000ء میں حج کی سعادت حاصل کرنے کی غرض سے حجاز گیا۔ فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد اپنے دیرینہ شوق کی تکمیل کی خاطر اسلامی تاریخ پر مستند کتب کی تلاش شروع کر دی تاہم مدینہ پہنچنے پر مکتبہ دارالزمان میں مدینہ ہی کے ایک رہائشی اور بلدیہ مدینہ منورہ کے سابق معتمد اعلیٰ، علی حافظ کی عربی زبان میں لکھی کتاب کا انگریزی ترجمہ چند دوسری تاریخی کتب کے ساتھ نظر آیا۔ اس کا عنوان ''CHAPTERS FROM THE HISTORY OF MADINA'' تھا۔ وہیں کھڑے کھڑے چند منٹ کی ورق گردانی سے ہی یہ اندازہ ہوگیا کہ یہ کتاب مدینہ منورہ کی تاریخ بارے روایتی انداز میں لکھی ہوئی کتب سے ہٹ کر ہے۔ مصنف نے عمدہ پیرائے میں مدینۃ رسول کی تاریخی حقیقت بیان کی ہے۔

اس وقت یہی سوچا کہ میری لائبریری میں ایک اچھی کتاب کا اضافہ ہو جائے گا۔ پاکستان واپس آنے کے کچھ عرصہ بعد اس کتاب کا مختصراً مطالعہ کیا اور پھر اپنی ملازمت کی مصروفیات میں کھو گیا اور کافی عرصہ یہ کتاب مجھ سے اوجھل رہی، تاہم چند سال قبل میں نے اس کتاب کا باریک بینی سے مطالعہ کیا تو خیال آیا کہ کتاب کا اردو ترجمہ کیا جائے تاکہ اس کے مندرجات سے

اردو پڑھنے اور سمجھنے والے قارئین بھی استفادہ کر سکیں، مزید مصنف نے بھی اپنے تعارف میں اسی خواہش کا اظہار کیا ہے۔

اس کتاب میں دیئے گئے واقعات کا بیان ایک طرف تو پڑھنے والے کے لیے تحقیق اور سوچ کے کئی دروازے کھولتا ہے تو دوسری طرف مصنف کی تاریخِ مدینہ پر دسترس اور عبور کو ظاہر کرتا ہے۔ بہت سے ایسے واقعات کا انکشاف اس کتاب کو پڑھ کر ہوتا ہے جو اب تک ہمارے علم سے باہر ہی تھے، مثلاً مصنف نے بتایا ہے کہ مدینہ کے اردگرد یہود کی بستیاں کیسے آباد ہو گئیں اور اس کے رہنے والے کب اور کہاں سے آئے تھے؟ پھر جواب دیتا ہے کہ یہ لوگ یا تو ان یہودی قبیلوں میں سے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حج کی خاطر مکہ آئے تھے اور واپسی پر مدینہ سے گزرتے ہوئے اپنی کتاب تورات میں دی گئی ان نشانیوں کی مماثلت دیکھ کر کہ نبی آخر الزماں کسی ایسے علاقہ ہی میں تشریف لائیں گے، وہ یثرب میں ہی سکونت پذیر ہو گئے۔ اس واقعہ سے یہ قیاس بھی ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں انبیاء علیہ السلام سُنتِ ابراہیمی کی خاطر مکہ حج کے لیے تشریف لاتے تھے۔

مدینہ میں یہود کے آباد ہونے کا دوسرا ذریعہ مصنف نے یوں بیان کیا ہے کہ جب بخت نصر کے ظلم وستم بنی اسرائیل کی برداشت سے باہر ہو گئے تو وہ وہاں سے بھاگ کر مختلف اطراف میں بکھر گئے اور بعض یہودی شام کے راستہ مدینہ پہنچے جس کی مماثلت ان کی مقدس کتاب تورات میں آخری نبی ﷺ کے ظہور پذیر ہونے والے شہر سے متعلق بتائی گئی نشانیوں والے علاقہ سے تھی۔

اسی طرح مصنف نے اوس اور خزرج قبائل جو رسول اللہ ﷺ کے انصار تھے، کے مدینہ میں کب اور کہاں سے آ کر سکونت اختیار کرنے کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی ہے اور بیان کیا ہے کہ دو صدی قبل از مسیح یمن میں ایک خوفناک سیلاب آیا تھا جسے سیل عرم کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس

طوفان نے بہت تباہی برپا کی اور حفاظتی بند کے پشتے بھی تباہ کر دیئے، زراعت کے لیے جو ڈیم بنا ہوا تھا وہ بھی بہہ گیا۔ یمن کے بیشتر قبائل نے ہجرت اختیار کر لی، اوس اور خزرج نے بھی وہیں سے ہجرت کی اور یثرب (مدینہ) میں سکونت پذیر ہوئے۔

میں (مترجم) نے بھی اپنے تحقیقی شوق کی تکمیل میں سیل عرم کے بارے میں سرچ کی تو معلوم ہوا کہ یہ وہ وقت تھا جب قوم سباء وہاں آباد تھی اور یہ قوم بہت ترقی یافتہ تھی۔ انہوں نے اس دور میں بھی آبپاشی کے لیے ڈیم تعمیر کئے ہوئے تھے۔ اس سیلاب کی تباہ کاری اور قوم سبا کی ناشکری کے باعث اس پر اللہ کا طوفان کی شکل میں عذاب کا لانا قرآن حکیم میں سورہ سبا آیات 15 تا 18 میں بیان کیا گیا ہے۔

مصنف نے کتاب میں مدینہ میونسپلٹی کے عنوان ''اسلام کی سب سے پہلی میونسپلٹی مدینہ تھی'' میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے اور یہ واقعہ کتاب ''لسان العرب'' جلد 12 کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ خلیفۃ الرسول حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں مکہ تشریف لائے اور شہر کی گلیوں کے گشت کے دوران گھروں کے مکینوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھروں کے صحن صاف رکھیں۔ ابو سفیان کے گھر کے قریب سے گزرتے ہوئے آپ نے اہل خانہ کو حکم دیا کہ وہ اپنا صحن صاف کریں، ابوسفیان نے جواب دیا کہ جب اس کے ملازمین آئیں گے تو صفائی کر لیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب دوسری بار اس گھر کے قریب سے گزرے تو دیکھا کہ صحن کی صفائی نہیں ہوئی تو انہوں نے اپنی چھڑی سے ابوسفیان کو مارا۔[1]

اس کتاب پر قارئین کے علم اور دلچسپی کی خاطر مصنف نے بہت عرق ریزی کی ہے۔

مصنف نے اس کتاب کے دو ایڈیشن شائع کئے تھے۔ پہلا ایڈیشن پچاس سال پہلے،

1۔ ابوسفیان اسلامی حکومت سے پہلے امیر مکہ تھا۔

1388 ہجری (1968ء) میں اور دوسرا ایڈیشن 18 سال بعد، 1405 ہجری (1986ء) میں شائع ہوا۔ طویل وقت گزرنے کے باعث، کتاب میں دی گئی اکثر تصاویر یا تو دوبارہ استعمال کے قابل نہیں تھیں یا ناپید ہیں، اس لیے میں نے کوشش کی ہے کہ ان مقامات کی موجودہ تصاویر کو کتاب کا حصہ بنا دوں یا پھر اس مقدس شہر سے متعلقہ کوئی دوسری تاریخی تصاویر شامل کر دوں۔ البتہ کتاب کے متن اور اسلوب کو ملحوظ رکھتے ہوئے میری یہی کوشش رہی ہے کہ مصنف کے طرز بیان کو ہی قائم رکھوں اور اردو بیانی سے گریز کروں، تاہم دو زبانوں کو آپس میں ڈھالتے وقت کچھ تفریق تو رہتی ہی ہے، اور قاری کسی کسی جگہ یہ فرق شاید محسوس کرے۔ مترجم کے طور پر میری یہ کوشش بھی رہی ہے کہ تاریخ کے ہر ضروری واقعہ کا من و عن ترجمہ کروں، تاہم بعض واقعات جن کا ذکر نہ بھی ہونے سے مدینہ کی تاریخ پر کوئی خاص اثر اندازی نہیں ہوتی، ان کو یا تو مختصراً بیان کیا ہے یا حذف کر دیا ہے۔ امید ہے قارئین اس کو محسوس نہیں کریں گے۔

مصنف نے اپنی کتاب کا تفصیلی دائرہ شاہ عبدالعزیز کے دورِ حکومت تک ہی محدود رکھا ہے اور اس دور کے بعد کے واقعات مختصراً اپنے دوسرے ایڈیشن میں بیان کئے ہیں جن کے مطالعہ سے ایک قاری کی تشفی نہیں ہوتی کیونکہ مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح میں گزشتہ چالیس یا پچاس سال کے دوران تاریخی اور جغرافیائی لحاظ سے نمایاں تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ ان تبدیلیوں کا مکمل ذکر تو ایک نئی کتاب لکھنے کے مترادف ہوگا، مگر میں نے کوشش کی ہے کہ مدینہ میں ہونے والی کچھ بڑی تبدیلیوں کو ان کی تصاویر کے ذریعہ ہی پیش کروں، تاہم چند معلومات مدینہ کی نسبت سے جن کا ذکر ضمناً مصنف نے کتاب کے شروع ہی میں کیا ہے، کو تفصیل سے بیان کرنے کی خواہش کی تکمیل میں ایک اضافی باب اپنی طرف سے پیش کر رہا ہوں۔ امید ہے قارئین کی دلچسپی اور معلومات کے اضافہ میں شائد یہ باب مد ثابت ہو۔ مسجد نبوی کی تزئین و

آرائش کا ذکر باب نمبر 2 میں شاہ فہد کے دور کی توسیع کے ضمن میں آ چکا ہے اور اس کے بعد کچھ بہت زیادہ تبدیلی نہیں لائی گئی، اس لیے اس پر میں نے مزید لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی، البتہ مسجد نبوی کی کچھ جدید تصاویر اس کتاب کا حصہ بنا دی ہیں۔

میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ مصنف نے جنگ بدر کو تاریخ مدینہ کا حصہ کیوں نہیں بنایا اور اس جنگ کا تفصیلی ذکر دوسری دو جنگوں کی طرح نہیں کیا ہے، تاہم اس کی وجہ مصنف ہی کو معلوم ہو گی۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسلام کی کفار کے خلاف پہلی بڑی اور فیصلہ کن جنگ کا مفصل ذکر کئے بغیر تاریخ مدینہ پر لکھی گئی کوئی بھی کتاب مکمل نہیں سمجھی جائے گی۔ چند دوستوں نے اپنی رائے کا اظہار یہ کہہ کر کیا ہے کہ یہ جنگ مدینہ شہر کے اندر واقع نہ ہوئی تھی بلکہ شہر سے 155 کلومیٹر دور واقع ہونے کی وجہ سے غالباً مصنف نے اسے مدینہ کی تاریخ کا حصہ نہیں سمجھا۔ میں (مترجم) ذاتی طور پر اس رائے سے متفق نہیں ہوں کہ شہر سے فاصلہ کی دوری ہی اس جنگ کو مدینہ کی تاریخ سے علیحدہ کر دے کیونکہ ہجرت کے بعد دوسرے ہی سال یہ فیصلہ کن جنگ وقوع پذیر ہوئی جس میں اسلامی لشکر میں شریک تمام مجاہد اہل مدینہ ہی تھے اور فتح کے بعد مدینہ شہر ہی نے اس جنگ کے تمام ثمرات سمیٹے تھے، مزید اسلام کی مضبوطی اور مدینہ کے مسلمانوں کی مالی حالت میں بہتری اس جنگ کی مرہون منت تھی۔ میرے خیال کے مطابق جنگ بدر تاریخ مدینہ کا انتہائی ضروری جزو ہے، اسی بناء پر میں نے جو باب اس کتاب کے آخر میں اپنی طرف سے لکھا ہے اس کی ابتداء بدر کی جنگ ہی سے کی ہے، تاکہ قارئین کتاب ختم ہونے کے بعد کوئی تشنگی محسوس نہ کریں۔

(مترجم)

باب 1

مدینہ کا تاریخی پس منظر

مدینہ کے ابتدائی باشندے

کہا جاتا ہے کہ مدینہ کے سب سے پہلے باسی جنہوں نے طوفان نوحؑ کے بعد یہاں سکونت اختیار کی وہ غینا بن مہلہ بیل بن عبیل تھے جن کے آباؤ اجداد کی کڑی حضرت نوح علیہ السلام تک جاتی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جنہوں نے مستقل بود و باش رکھی اور فصلیں اور درخت کاشت کئے وہ عمالیق بنو عملاق تھے جو حضرت سام کی اولاد میں سے تھے۔ ان میں جو مدینہ میں سکونت پذیر ہوئے وہ بنو حاف اور بنو متراویل کے بیٹے تھے۔

مدینہ کی حدود اور مدینہ کے نام

مدینہ ایک کھلے اور زرخیز نخلستان میں واقع ہے۔ یہ شہر شمال مغرب کی طرف سے جبل سلع، جنوب میں جبل عیر اور وادی عقیق اور شمال میں جبل احد، جبل ثور اور وادی کنعاء سے گھرا ہوا ہے۔ شہر کے وسط کو دو وادیاں، وادی بطحاء اور وادی رانوناء کاٹتی ہیں۔ مشرق سے شہر کو وادی حارة الشرقیہ (چھوٹی پہاڑیوں کا علاقہ) نے گھیر رکھا ہے اور مغرب میں حارة الغربیہ واقع ہے۔ جبل ثور مسجد نبوی سے 8 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ جبل عیر بھی مسجد نبوی سے 8 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہی ہے۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ دونوں حارے مدینہ کی حدود کے اندر واقع ہیں۔ اس مفروضہ کی تقویت کے لیے رسول کریم ﷺ کے ایک قول کو بنیاد کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو انہوں نے حارة الشرقیہ میں بنی حارث کے لوگوں کو اپنی تشریف آوری کے وقت فرمایا تھا کہ وہ حرم کی حدود کے اندر واقع تھے۔ بعض کا بیان ہے کہ مدینہ کی حدود 16 کلومیٹر تک ہیں۔ جبل ثور اور جبلِ عیر کے درمیان 16 کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ مدینہ سے بحر احمر کا فاصلہ (ینبع) 275 کلومیٹر ہے، جدہ کا فاصلہ 425 کلومیٹر، مکہ 497 کلومیٹر، شام، دمشق، تک فاصلہ 1303 کلومیٹر اور اردن کی حدود

مدینہ کے شمال میں جبل ثور جو مؤرخین کے بیان کے مطابق ایک ٹینٹ کی شکل میں ہے پس منظر میں جبل احد ہے

جبل عیر جو کہ مدینہ کی جنوبی سمت میں واقع ہے

تک فاصلہ 844 کلو میٹر ہے۔ مدینہ موجودہ سڑکوں کے نظام سے مکہ، جدہ اور ینبع کے ساتھ منسلک ہے۔ کچھ ہی عرصہ پہلے تک مدینہ کا دمشق اور اردن کے دارالخلافہ اومان کے ساتھ بذریعہ ریل بھی رابطہ تھا۔ ریلوے کی لائن سلطنت عثمانیہ کے آخری دور میں تعمیر ہوئی اور عربوں کی ترکی کے خلاف تحریک کے دوران تباہ ہوگئی تھی۔

یہ شہر 39 درجہ طول البلد اور 24 درجہ عرض بلد اور 597 میٹر سطح سمندر سے بلند واقع ہے۔

مدینہ کا موسم گرمیوں میں سخت گرم، خزاں اور بہار کا موسم معتدل اور سرما سرد بیان کیا جاتا ہے۔ اس شہر کی آبادی 1345 ہجری (1926ء) میں 50,000 تھی۔ آج کل اس کی آبادی تقریباً 700,000 ہے۔[1]

یہود

ابن منذر بیان کرتا ہے کہ اس نے سلیمان بن عبداللہ بنِ حنظلہ الغسیل اور کچھ دیگر قریشی لوگوں سے یہ کہانی سنی تھی کہ مدینہ کس طرح وجود میں آیا۔ وہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بن عمار بن یاسر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حج کی ادائیگی کے لیے روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ بہت سے اسرائیلی بھی شامل تھے۔ واپسی پر اپنے وطن جاتے ہوئے وہ مدینہ سے گزرے اور اس کی مماثلت تورات میں بیان کئے گئے اس شہر سے پائی کہ جہاں ایک نبی کا ظہور ہوگا جو نبیوں کی مہر ہوگا۔ ان میں سے کچھ لوگ یہاں کے علاقہ سوق القماقہ میں آباد ہوگئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، جو احادیث بیان کرنے میں بہت مشہور ہیں، نے فرمایا کہ جب بنو اسرائیل کی اولاد بخت نصر کی سختیاں اور ظلم برداشت نہ کرسکی تو وہ وہاں سے بھاگے اور چونکہ انہوں نے اپنے صحیفوں میں پڑھ رکھا تھا کہ رسول اللہ حضرت محمد ﷺ عرب کے ایک گاؤں میں جو

[1] مصنف نے یہ کتاب 1388 ہجری (1968ء) میں لکھی تھی۔ (مترجم)

کھجور کے درختوں کی وجہ سے بہت مشہور ہوگا، ظاہر ہوں گے۔ لہٰذا جب انہوں نے شام کو چھوڑا تو وہ شام اور یمن کے بیچ تمام دیہات کو دیکھتے گئے کہ ان کے صحیفوں کے مطابق کونسا دیہہ ان خصوصیات کا حامل ہوسکتا ہے۔ جب انہوں نے یثرب کو دیکھا تو ان میں سے ایک گروہ جو آرون کی اولاد میں سے تھا، مدینہ میں آباد ہوگیا جب کہ ان کے بڑے، رسول اللہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان رکھتے ہوئے وفات پا گئے اور اپنی اولادوں کو وصیت کر گئے کہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں۔ وہ لوگ جن کو رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے کی توفیق ملی وہ بھی آپ پر ایمان نہیں لائے بلکہ انہوں نے ہر طرح کی بے وفائی اور مخالفانہ سازشیں شروع کر دیں اور اسلام کی مخالفت کے ساتھ ساتھ نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ کی جان لینے کے درپے ہوگئے۔ اس حسد کی بناء پر کہ انہوں نے مدینہ میں جو رعب اور اثر ورسوخ حاصل کیا ہوا تھا وہ ان کے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ یہ حرکات انہوں نے اس امر کے باوجود کیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا جس کے مطابق ان کو مذہبی آزادی اور ان کی جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دی گئی تھی۔ اگر انہوں نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کی ہوتی تو وہ (یہودی) مسلمانوں کے ساتھ صلح وآشتی کے ساتھ مل کر رہتے لیکن معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے وہ اپنی ذمہ داریاں نبھانے سے منحرف ہوگئے۔ ان کو ان کے کیے کی سزا رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ کی طرف سے ایسی ملی کہ وہ جس کے مستحق تھے۔ مدینہ میں یہودیوں کے ساتھ جو دوسرے قبائل رہتے تھے، ابن زبالہ کے بیان کے مطابق وہ مدینہ میں شروع وقت سے ہی رہائش پذیر تھے۔ وہ بنو ہائف اور عمالیق کی اولاد تھے۔ یہودی قبائل 20 سے زیادہ تھے اور عربی قبائل 70 سے زیادہ۔

انصار

دوسری صدی قبل از مسیح کے اختتام پر یعنی اسلام کے ظہور پذیر ہونے سے نو صدیاں پہلے ملک یمن میں ایک سخت طوفان سیل عرم (The Arim Floods) نے پانی کے بند (Dam) کے

حفاظتی پشتوں کو توڑ ڈالا تھا اور اس تباہ کاری کی وجہ سے یمن کے قبائل اس علاقہ سے ہجرت کر کے جزیرہ نما عرب کے مختلف حصوں میں آباد ہو گئے تھے[1]۔ اوس اور خزرج قبائل نے مدینہ میں آباد ہونے کو پسند کیا۔ (اوس اور خزرج رسول اکرم ﷺ کے انصار یا ماننے والے تھے)۔ یہ حارث بن ثعلبہ بن امر بن عامر بن ماء السماء کی اولاد میں سے ہیں۔ مؤرخین نے کہا ہے کہ ان کا شجرہ قحطان تک جاتا ہے۔

اوس اور خزرج مدینہ میں آنے کے بعد شہر کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ ان میں سے بعض یہود کے قرب میں ہی رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ اس وقت یہودی مدینہ کی معیشت اور تجارت پر پوری طرح حاوی تھے۔ انہوں نے یہودیوں کی مخالفت سے بچنے کے لیے ان کے ساتھ معاہدے کر لیے۔ اوس اور خزرج مالی طور پر مضبوط ہوئے اور اپنے اثر ورسوخ کو نمایاں کرنے میں بہت کامیابی حاصل کر لی جس کی وجہ سے یہودی ان دونوں سے خائف رہنے لگے اور ان کے ساتھ کیے گئے معاہدے منسوخ کر دیئے، اس خوف سے کہ کہیں یہودی ان کو مدینہ سے خارج نہ کریں، اوس اور خزرج نے اپنے آپ کو بدترین حالات کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا۔

نفرت آمیز یہودی جارحیت

یہودیوں کے مدینہ پر تسلط کے دوران اوس اور خزرج کی نو بیاہتا دلہنیں اپنے شوہروں کے ساتھ اس وقت تک نہیں رہ سکتیں تھیں تا آنکہ وہ پہلے یہود کے بادشاہ ''فیطون'' کے پاس رہیں اور وہ ان کی پاک دامنی کو داغدار نہ کر دے۔ یہ رسوا کن اور نیچ کام اب برداشت سے باہر ہو گیا تھا۔ جب مالک بن عجلان خزرجی کی بہن کی شادی ہوئی تو وہ اپنی تلوار اپنے کپڑوں میں چھپا کر عورتوں کے گروہ میں شامل ہو گیا اور جب وہ عورتیں یہودی بادشاہ کی رہائش گاہ میں داخل ہوئیں

1۔ قرآن مجید میں سورۂ سبا آیات 14 تا 17 میں قوم سبا کی ترقی اور پھر خدا کی نافرمانی اور عذاب الٰہی جو طوفان کی صورت میں نازل ہوا تھا کا مفصل ذکر آیا ہے۔ نیز ویب سائٹ پر بھی اس قوم کی ترقی اور طوفان کی تفصیل ملتی ہے۔ مترجم نے اس کتاب کے اختتام پر ایک اضافی باب لکھا ہے جس میں سیلِ العرم اور قوم سبا سے متعلق صفحہ 335 پر تفصیلی مضمون دیا ہے۔ (مترجم)

تو وہ خاموشی سے اندر چلا گیا اور اس کو قتل کر دیا۔ اوس اور خزرج کو یہ ڈر ہوا کہ یہودی اس قتل کا بدلہ ضرور لیں گے تو انہوں نے اپنے رشتہ کے عزیزوں سے، جو شام میں رہتے تھے، مدد طلب کی جنہوں نے آ کر یہود کو شکست دی اور اس کے بعد سے یہود کی طاقت کا اختتام ہو گیا۔ یہ کہانی یاقوت حموی نے اپنی کتاب ''معجم البلدان'' میں بیان کی ہے۔[1]

تاہم جوں ہی اوس اور خزرج قبائل کا اثر و رسوخ بڑھا اور وہ مالی طور پر مضبوط ہو گئے تو ان دونوں قبائل کی باہمی دشمنی و بدلہ بازی بڑھ گئی اور آپس کی جنگوں کا آغاز ہو گیا۔ یہ جنگیں اسلام کے آنے تک جاری رہیں اور تب کل کے دشمن بھائی بھائی بن گئے۔

مدینہ......اسلامی دور میں

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت 622ء میں کی اور انصار (اوس اور خزرج) کے ساتھ ایک معاہدہ کیا کہ وہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی حفاظت اور مدد کریں گے۔ انہوں نے اس کو پورا کیا اور مذہب کی حفاظت کی خاطر بہت قربانیاں دیں۔

مدینہ تب اسلام کا محور اور محفوظ قلعہ بن گیا، جہاں سے اسلام کی روشنی تمام دنیا میں پھیل گئی۔

ہجرت کے دوسرے سال (624ء) میں رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں اسلامی لشکر نے بدر کی طرف کوچ کیا جہاں مسلمانوں نے کفار کے ساتھ پہلی جنگ کی۔ اس جنگ میں کفار کو شکست ہوئی اور ان کے 70 آدمی مارے گئے اور ان میں ابوجہل بھی شامل تھا۔ دشمنوں کے 70 آدمی قید بھی ہوئے۔

1۔ مصنف لکھتا ہے کہ ''اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں اس نے لکھا ہے کہ حسن عواد نے اس کہانی کو کتاب میں شامل کرنے پر بحث کی ہے اور کہا ہے کہ یہ معاملہ واقعہ نہیں ہوسکتا اور اس کی تصدیق کمزور ہے۔ مگر یہ واقعہ یاقوت حموی نے اپنی کتاب کے صفحہ 85 اور سمہودی نے اپنی کتاب ''وفا الوفا'' کے صفحہ 178 اور احمد ابن عبدالحمید عباسی نے اپنی کتاب ''امدات الاخبار فی مدینۃ المختار''، صفحہ 35,34 پر بیان کیا ہوا تھا۔ تاہم یہ رپورٹس اس کہانی کو غیر مستند ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں۔ لیکن یہودیوں نے اپنے دور میں جس قسم کا جور و ستم روا رکھا تھا اس سے یہ بعید از قیاس نہیں۔

مدینہ کے قریب ہی اسلام کو دو متواتر جنگوں میں کفر کے خلاف فتح نصیب ہوئی جب کہ کفار کے پاس زیادہ آدمی اور اسلحہ تھا۔ یہ دو جنگیں مندرجہ ذیل ہیں:

1- جنگ اُحد جو مدینہ سے 4 کلومیٹر کے فاصلہ پر لڑی گئی۔ اس جنگ میں رسول اکرم ﷺ کے 70 صحابہ کرام شہید ہوئے۔ ان میں 64 انصار اور 6 مہاجرین تھے۔ یہ جنگ ہجرت کے تین سال بعد واقع ہوئی۔ (625ء)

2- جنگ خندق...... یہ جنگ مدینہ سے ½ 2 کلومیٹر باہر جبل سلع کے شمال مغرب میں 5 ہجری (627ء) کو وقوع پذیر ہوئی۔

8 سن ہجری (630ء) میں اسلامی فوج نے اللہ کے رسول ﷺ کی سربراہی میں مکہ کی طرف کوچ کیا اور شہر میں فاتح کے طور پر داخل ہوئے۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ اسی سال جنگِ حنین واقع ہوئی۔ پہلے تو مسلمانوں کو شکست ہوئی لیکن پھر انہوں نے سنبھل کر اپنے آپ کو مستحکم کر لیا اور مشرکوں پر ایک بڑی فتح حاصل کر لی۔

رسول کریم ﷺ اور مسلمان فوج کی مدینہ میں واپسی کے بعد اہل عرب نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا اور لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے۔ قریش میں اب نئے مذہب (اسلام) کی مخالفت کرنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی اور مدینہ اب عرب قبائل کو اسلام میں داخل ہوتے دیکھ رہا تھا۔

جب مسلمانوں نے یہ فتوحات حاصل کر لیں تو پھر ان پر اور ان کے مضبوط قلعہ مدینہ پر کسی کو بھی حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اسلامی افواج نے اب ہر سمت آگے بڑھنا شروع کر دیا تھا اور دین کو پھیلانے اور اسلامی تعلیم کی بنیادوں کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ مکہ سے ہجرت کرنا نہ صرف مدینہ کی تاریخ کا بلکہ پوری دنیا کے لیے ایک بہت بڑا واقعہ ہے۔ اس

کے اثرات صرف مدینہ شہر اور جزیرہ نما عرب پر ہی نہیں بلکہ تمام دنیا پر مرتب ہوئے ہیں۔

ایک نئی تہذیب جو انصاف اور علم کی بنیاد پر وجود میں آئی وہ اسی ہجرت ہی کی مرہون منت ہے۔

مدینہ……خلفائے راشدین کے دور میں

رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ منتخب ہوئے۔

یہ تقرر اس کے بعد ہوا جب مدینہ کے مسلمانوں نے اپنی وفاداری اُن کے ساتھ منسوب کر دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب ثقیفہ بنی ساعدہ میں 11 ہجری (633ء) کو ہوا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ ذمہ داریاں نئے مذہب کی حفاظت، مرتد لوگوں اور زکوۃ دینے سے منحرف لوگوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے قبول کی تھیں۔ ان کے دورِ حکومت میں اسلام کی بنیاد جزیرہ نما عرب میں بہت مضبوط ہوگئی تھی۔ انہوں نے اسلام کے پھیلاؤ کے لیے عراق اور شام میں اسلامی افواج روانہ کیں۔

13 سن ہجری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت سنبھالی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام دور دور تک پھیل گیا اور اسلامی افواج جزیرہ نما عرب کی حدود سے آگے نکل گئیں اور فارس و روم کی سلطنتوں کو فتح کر لیا۔ اسلامی افواج عدل و امن کا پیغام اور پاکیزگی کی تعلیم لے کر مصر تک پہنچ گئیں۔ ان فتوحات کی خبریں مدینہ میں خوشی اور مسرت کے ساتھ سنی گئیں اور اہل مدینہ نے ان خبروں کو جزیرہ نما عرب کے کونے کونے تک پھیلا دیا۔

مدینہ اس وقت تک نئی اسلامی حکومت کا دارالخلافہ مانا جا چکا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طرز حکمرانی، ریاستی نظم و نسق اور مالی امور پر اصول وضع کیے جو اس اسلامی ریاست میں لاگو ہونے تھے۔ یہ اصول اسلامی تعلیم اور اصولوں پر مبنی تھے۔ انہوں نے جو فوجی چھاؤنیاں اور فوجی اڈے

بنوائے، وہ پر رونق شہروں میں تبدیل ہو گئے اور علم حاصل کرنے کے مراکز بن گئے۔ ان میں کوفہ، بصرہ اور فسطاط شامل ہیں۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال بھی قائم کیا۔ ان کے دور میں مسلمان آبادی کی مردم شماری بھی کی گئی اور اس کی وجہ سے سوشل سیکیورٹی کا نظام قائم ہوا۔

حضرت عمرؓ نے اسلامی تعلیمات کی اس طرح تقلید کی کہ وہ عوام کی نظر میں ایک مثال بن گئے اور عوام نے اس نئے مذہب کا خیر مقدم کیا اور برضا و رغبت اسے قبول کیا تا کہ اس کے انصاف، نیک نامی اور بردباری کا فائدہ حاصل کر سکیں۔ انہوں نے اسلامی افواج کو حکم دیا کہ بوڑھے لوگوں، عورتوں، بچوں اور دشمن کے مذہبی علماء کو قتل نہ کیا جائے۔ انہوں نے اپنی افواج کو یہ ہدایات بھی دیں کہ عمارتوں اور گرجا گھروں کو مسمار نہ کیا جائے۔ یہ احکام رسول اکرم ﷺ کی ان ہدایات کی تعمیل میں تھے جو حضور ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارث کو شمال کی طرف جنگ موتہ کی لڑائی کے لیے بھیجے جانے کے وقت دی تھیں۔

تیسرے خلیفہ حضرت عثمان ؓ بن عفان کو ایک مشاورتی کونسل جسے حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے پہلے 24 ہجری (646ء) میں نامزد کیا تھا، نے منتخب کیا۔ اسلامی فتوحات حضرت عثمان ؓ کے عہد میں بھی جاری رہیں اور بحیرہ روم تک پھیل گئیں اور مسلمانوں نے قبرص کو فتح کر لیا۔ حضرت عثمان ؓ کو ایک باغی گروپ نے مسجد نبوی کے قریب ان کے گھر پر 36 ہجری (657ء) میں شہید کر دیا۔

حضرت علیؓ بن ابو طالب نے اپنی خلافت اس وقت سنبھالی جب مسلمانوں نے مدینہ میں ان کی بیعت کر لی، لیکن جس بے یقینی اور شورش کی وجہ سے حضرت عثمان ؓ کی شہادت پیش آئی تھی وہ دوسرے علاقوں میں بھی پھیل گئی۔ خلیفہ بننے کے تھوڑا ہی عرصہ بعد جنگِ جمل کا واقعہ عراق میں پیش آیا جس میں ام المومنین سیدہ عائشہؓ نے حضرت علی ؓ کے خلاف فوج کی کمان

کی۔اس جنگ کے بعد متواتر چند جنگیں حضرت علیؓ اور ان کے مخالف معاویہؓ بن ابوسفیان اور حضرت علیؓ اور خارجیوں کے درمیان ہوئیں۔ خارجی دراصل حضرت علیؓ کے ہی ماننے والے تھے لیکن بعد میں انہوں نے ان کے خلاف بغاوت کر دی۔ حضرت علیؓ 40 ہجری (661ء) میں کوفہ میں شہید کر دیئے گئے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد کوفہ کے لوگوں نے ان کے بیٹے حضرت امام حسینؓ[1] کی بیعت کر لی جنہوں نے مسلمانوں میں خونریزی سے اجتناب کرتے ہوئے امیر معاویہؓ سے صلح کا معاہدہ کرلیا۔

مدینہ...... بنوامیہ کے دور میں

ان شورشوں کے دوران ہی، معاویہؓ نے ربیع الاول 41 ہجری (662ء) میں حکومت سنبھال لی اور اپنا دارالخلافہ دمشق میں منتقل کرلیا، حضرت علیؓ کے عراق میں دارالخلافہ کی تبدیلی اور شام میں امیہ خاندان کی دارالخلافہ کی تبدیلی نے مدینہ کی سیاسی حیثیت کم کر دی تاہم اس شہر نے اپنا مذہبی مقام اور اپنی شہرت قائم رکھی۔

عین الزرقہ

حضرت معاویہؓ کے دورحکومت میں مدینہ کے گورنر مروان بن حکم نے مدینہ کے مشہور چشمہ جسے عین الزرقہ (نیلا چشمہ) کہا جاتا ہے، کو دوبارہ جاری کروایا جس کی تفصیل اس کتاب میں اگلے ابواب میں آئے گی۔ اسلامی دور سے پہلے اور اسلامی دور میں اہل مدینہ نے بہت سے کنویں اور نہریں کھود رکھی تھیں تاکہ پینے اور زراعت کے لیے تازہ پانی دستیاب ہو سکے۔اُس وقت کے مشہور کنوؤں میں سے برالسقہ ، بضاعہ، عریص، رومہ، غرس

[1] بعض مؤرخین کی رو سے یہ بیعت حضرت امام حسنؓ کی، کی گئی تھی (مترجم)

اور بوصۃ شامل ہیں۔ امیہ دور میں عین الزرقہ چشمہ کے دوبارہ جاری ہونے کا واقعہ بہت اہمیت کا حامل تھا۔

حضرت امام حسینؓ کا یزید کی بیعت کرنے سے انکار

بنی امیہ کے دور میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کی بیعت نہ کرنا ایک اہم واقعہ تھا جسے اس کے والد نے اپنا وارث نامزد کر دیا تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ چلے گئے۔ بعد میں وہ عراق چلے گئے جہاں اہل کوفہ نے ان کے سفیر مسلم بن عقیل بن ابو طالب کے ذریعہ انہیں خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ 61 ہجری (682ء) میں یزید کی افواج کے ساتھ جنگ میں شہید ہو گئے۔

جنگ حارۃ الشرقیہ

سن 63 ہجری (684ء) میں اہل مدینہ نے یزید کی خلافت کو ان الزامات کی بنیاد پر کہ وہ شرابی ہے اور اسلام میں ممنوع دوسری برائیوں کا بھی مرتکب رہتا ہے، رد کر دیا۔ انہوں نے عبداللہ بن مطعی قریشی جو مہاجرین میں سے تھے اور عبداللہ بن حنظلہ جو انصار میں سے تھے، کو اپنا سردار مقرر کر لیا۔ اس وجہ سے ان کی یزید کے ساتھ جنگ ہوئی جسے جنگ حرۃ الشرقیہ کہا جاتا ہے۔ یزید نے مسلم بن عقبہ المنزل غرافانی جو ایک مجرمانہ ذہنیت کا بوڑھا شخص تھا، کی قیادت میں فوج بھجوائی۔ یہ فوج شام، اردن، فلسطین اور قنسرین کے سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ انہوں نے مدینہ پر مشرقی سمت سے حملہ کیا اور ایک سخت جنگ ہوئی۔ دشمن کی زیادتی اور ہتھیاروں کی کمی کی وجہ سے نئے سرداروں کو شکست ہوئی اور یزیدی فوج تین دن تک قتل و غارت، لوٹ مار اور جائیدادوں کو تباہ کرتی رہی۔ انصار اور مہاجرین کے سات سو اشخاص شہید ہوئے جب کہ 1,000 اہل شہر لڑتے ہوئے ہلاک ہو گئے۔

مدینہ......حضرت عبداللہ بن زبیر کے دورِ حکومت میں

مدینہ کی بغاوت کو کچلنے کے بعد مسلم بن عقبہ کی فوج نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کی خاطر مکہ کا رخ کیا۔ بنوامیہ کی فوج نے اس بابرکت شہر کا محاصرہ کرلیا۔ تاہم یزید کے وفات پانے کے سبب فوج کو محاصرہ اٹھا کر شام واپس جانا پڑا۔ یزید کا جانشین معاویہ بنا مگر وہ ایک کمزور شخصیت کا مالک تھا۔ وہ اپنی وفات سے چالیس دن قبل ہی مستعفی ہو گیا اور اپنا کوئی جانشین نامزد نہ کیا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے بلاشرکت غیرے لیڈر بن کر ابھرے اور ان کو حجاز، کوفہ، بصرہ، خراسان، مصر اور شام کی حمایت حاصل تھی۔ انہوں نے اپنے بھائی عبید اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا گورنر مقرر کر دیا لیکن ان کے ماننے والوں کے درمیان جو بے یقینی اور بد اعتمادی پیدا ہو گئی تھی اس سے ان کی پوزیشن کو دھچکا لگا۔ وہ علاقے بھی جنہوں نے پہلے ان کی حمایت کی تھی، بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ 64 ہجری (685ء) میں عبدالمالک بن مروان شام میں خلیفہ نامزد ہو گیا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حامی ریاستوں اور بنو امیہ کی حمایت کرنے والی ریاستوں کے درمیان لڑائی شروع ہو گئی۔ اس وقت تمام اسلامی دنیا انتشار کا شکار تھی اور بنوامیہ کی حکومت، ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے حامیوں، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بدلہ لینے والوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب سے علیحدہ ہونے والوں کے مابین جنگیں ہوتی رہیں۔

بنوامیہ کی مدینہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوششیں

اس نازک وقت میں کہ جب دنیائے اسلام انتشار کا شکار تھی، مدینہ بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ عبدالمالک بن مروان نے طاقت حاصل کر لینے اور اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے بعد اپنی توجہ باغی ریاستوں کو اپنا مطیع بنانے پر مبذول کر دی۔

اس نے ایک فوج حبیش ابن دلجہ کی قیادت میں ترتیب دی تا کہ مدینہ پر دوبارہ قبضہ کیا

جائے اور دوسری فوج عراق کی بغاوت کچلنے کے لیے روانہ کی۔ جب حبیش پہنچا تو مدینہ کا گورنر جابر بن اسور مدینہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور بنوامیہ کی فوج نے مدینہ میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لیا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے بصرہ سے جو ابھی تک ان کے تسلط میں تھا، فوج بھیجی کہ بنوامیہ کی فوج سے نبرد آزما ہو کر مدینہ پر دوبارہ قبضہ کر لے۔ انہوں نے اس فوج کو عباس بن سہل بن سعد کے تحت فوج کی کمک سے مزید مضبوط کیا۔

بنوامیہ کی فوج ابن دلجہ کے ماتحت اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی فوج عباس بن سہل کے ماتحت مدینہ کے باہر ٹکرائیں اور جنگ میں ابن دلجہ کو ایک شخص جس کا نام زید بن سعیہ تھا، نے قتل کر دیا۔ بنو امیہ کی فوج کو شکست ہوئی اور بیشتر لوگ قید کر لیے گئے اور بقیہ شام کی طرف بھاگ گئے۔ بنو امیہ کے 500 فوجیوں نے شہر کے اندر مورچہ بندی کر لی لیکن بعد میں عباس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے جس نے انہیں قتل کروا دیا۔

ابن سعیہ کا اہل مدینہ نے ایک فاتح کے طور پر استقبال کیا کہ اس نے بنوامیہ کی فوج کے سپہ سالار کو 65 ہجری (686ء) میں قتل کیا۔

مدینہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی دوسری کوشش

عبدالمالک کی مدینہ پر قابض ہونے کی پہلی کوشش ناکام ہوگئی۔ اس نے دوسری بار کوشش کی اور اپنے چچا زاد بھائی عبدالمالک بن حارث کی قیادت میں مدینہ پر قبضہ کرنے کے لیے دوسری فوج روانہ کی۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے مختار سے مدد حاصل کرنے کی درخواست کی جو اس وقت کوفہ پر قابض تھا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بدلہ لینے کا جواز پیش کیا۔ مختار نے ابن زبیرؓ کے ساتھ مل کر بنوامیہ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے ایک فوج روانہ کی لیکن اس کی اصل نیت مدینہ شہر پر قابض ہو کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر آخری ضرب لگانے کے لیے مکہ کی

طرف جانا تھا۔ تاہم ابن زبیرؓ کو بھی اس کی وفاداری پر شک تھا اور عباس بن سہل کی قیادت میں انہوں نے مدینہ کی حفاظت کے لیے ایک فوج روانہ کر دی۔ ابن سہل نے مختار کی فوج سے جو مدینہ کے قریب الرخیم کے مقام پر خیمہ زن تھی، رابطہ کیا۔ اس نے اس فوج کے سردار کو قتل کر دیا اور بہت سے سپاہیوں کو گرفتار کر لیا۔ باقی ماندہ کوفہ کی طرف بھاگ گئے اور مختار کی صحیح نیت کا انکشاف ہو گیا۔ مدینہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش 66 ہجری (687ء) میں ناکام بنا دی گئی۔

بنوامیہ کا مدینہ پر قبضہ

عبدالمالک بن مروان 72 ہجری (692ء) تک مدینہ پر قبضہ نہ کر سکا۔ اب اس نے حجاج بن یوسف کے تحت ایک بہت بڑی فوج عبداللہ بن زبیرؓ سے جو مکہ میں تھے، جنگ کرنے کے لیے روانہ کی۔ اس فوج نے مدینہ سے کترا کر عراق سے آنے والی مشرقی سڑک کے راستہ سے مکہ کا رخ کیا اور عبداللہ بن زبیرؓ کا محاصرہ کر لیا۔ انہوں نے خانہ کعبہ میں اپنے آپ کو بند کر لیا۔ تاہم بعد میں وہ قتل کر دیئے گئے اور ان کی نعش کو لٹکا دیا گیا۔ تب اہل مدینہ نے عبدالمالک بن مروان کے حق میں ہتھیار ڈال دیئے۔ اس وقت مدینہ کے گورنر طلحہ بن عبداللہ بن عوف مقرر ہوئے۔

حضرت ابن زبیرؓ کی مدینہ میں تدفین

کہا جاتا ہے کہ جب ابن زبیرؓ کو مار دیا گیا تو حجاج نے حکم دیا کہ ان کو یہودیوں کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ ان کو اسی جگہ پر حجون میں دفن کر دیا گیا، جہاں ان کی لاش کو لٹکایا گیا تھا اور ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ نے ان کو غسل دیا اور اسلامی شعار کے مطابق دفن کیا۔ ان کی نماز جنازہ پڑھائی گئی اور پھر ان کی والدہ انہیں مدینہ لے آئیں اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی زوجہ ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حی بن اخطب کے

گھر میں دفن کر دیا۔ یہ گھر بعد میں مسجد نبوی کی توسیع کے وقت مسجد میں داخل کر دیا گیا تھا۔

بنو امیہ کے دور کے آخر تک مدینہ ان ہی کے ماتحت رہا۔ اس سلطنت کے استحکام کے ساتھ ساتھ یہ شہر علم و ادب کا گھوارہ بن گیا اور نمایاں معاشی اور سماجی ترقی کر گیا۔

مدینہ......عباسی دور میں

بنو امیہ کے دور کے خاتمہ پر، مدینہ پر بنو عباس نے حکومت کرنا شروع کی۔ یہ دور 132 ہجری (751ء) سے شروع ہوا۔ تاہم مدینہ شہر سیاسی اور نفسیاتی ہیجان کا شکار بنا رہا جیسا کہ بنو امیہ کے دور میں تھا۔ اس شہر کا عدم استحکام اس وقت تک قائم رہا جب تک عباسیوں نے بنو امیہ کے تمام حامیوں کو مدینہ میں چن چن کر ختم نہیں کر دیا اور محمد بن عبداللہ بن حسن جو کہ نفس الذکیہ کے نام سے جانا جاتا تھا، کو قتل نہیں کر دیا۔

نفس الذکیہ کا قتل

عباسیوں کو مدینہ میں بنو امیہ کے حامیوں کی موجودگی کا علم ہوا تو وہ فکر مند ہوئے اور غالباً دشمنی اور بدلہ لینے کے لیے شہر میں موجود ان کے ہر حامی کو 133 ہجری (752ء) میں قتل کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ عباسی سلطنت کے بانی خلیفہ سفاح کے ایک چچا زاد بھائی جس کا نام داؤد تھا، نے مدینہ کو بنو امیہ کے ہر شخص سے پاک کرنے کی مہم شروع کی۔

حضرت علیؓ بن ابو طالب کے وفادار اپنے آپ کو قانونی حکمران تصور کرتے تھے اور انہوں نے عباسیوں کو اپنی وفاداری کا حلف دینے کے باوجود بھی اپنی کوششیں ختم نہ کیں۔ محمد نفس الذکیہ اور اس کا بھائی ابراہیم مدینہ سے باہر چلے گئے اور مسلمانوں سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کرنے کے علاوہ اقتدار حاصل کرنے کے صحیح وقت کا انتظار کرنے لگے۔ عباسیوں نے انہیں گرفتار کرنے کی ناکام کوشش کی لیکن ان کے حامیوں اور ہمدردوں نے ان کو حفاظت سے رکھا۔ تب عباسیوں

نے ایک اور چال چلی اور ان کے والد عبداللہ کو جیل میں بند کر دیا جہاں وہ تین سال تک رہے۔ عباسیوں نے حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ کی تمام اولاد کو گرفتار کرلیا اور انہیں ہتھکڑیاں پہنا کر عراق کی ایک جیل میں ڈال دیا اور وہ وہیں پڑے رہے۔ ان کے بزرگ جیل ہی میں وفات پا گئے۔

اپنے خاندان کے لوگوں سے یہ سلوک دیکھتے ہوئے، نفس الذکیہ اور اس کے بھائی ابراہیم نے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے خلاف جنگ کر دی اور نفس الذکیہ نے مدینہ پر قبضہ کرلیا اور خود خلیفہ بننے کا اعلان کر دیا۔ ماہ رجب 145 ہجری (763ء) میں اس نے وہاں ایک خودمختار ریاست قائم کر دی اور اپنے وزراء برائے قانون، انصاف اور عدل، صحابہ کرام کی اولادوں میں سے مقرر کر دیئے۔

منصور نے اپنے چچا زاد بھائی عیسیٰ بن موسیٰ کی قیادت میں ایک مضبوط فوج روانہ کی۔ یہ فوج مدینہ سے ایک میل باہر قیام پذیر ہوئی، جہاں نفس الذکیہ نے اپنے آپ کو ایک خندق کھود کر مورچہ بند کرلیا تھا اور شہر اور عباسی فوج کو علیحدہ کر دیا تھا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے وقت خندق کھودی تھی۔ تاہم یہ خندق آسانی کے ساتھ عبور کر لی گئی اور دونوں فوجوں میں تصادم ہوا۔

یہ لڑائی صبح سے شام تک جاری رہی لیکن نفس الذکیہ کے حامی تعداد اور جنگی حکمت عملی میں مات کھا گئے۔ اپنے ساتھیوں کو پسپا ہوتے دیکھ کر نفس الذکیہ نے اپنے گھوڑے کی ٹانگوں کو باندھ دیا اور اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ جنگ کرتا رہا یہاں تک کہ ابوموسیٰ کے بہت سے سپاہیوں کو مار کر وہ بھی مارا گیا۔ یہ واقعہ ماہ رمضان 145 ہجری (763ء) کا ہے۔ اس کے بھائی ابراہیم نے بصرہ میں عباسیوں کے خلاف بغاوت کر دی اور وہ بھی مارا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ نفس الذکیہ جبل سلع کے مشرق میں اور عین الزرقہ کے شمال کی طرف دفن

ہوا۔ دوسرے بیانات کے مطابق اس کی بہن اور بیٹی نے اس کو جنت البقیع میں دفن کیا۔ اس کے بعد مدینہ میں استحکام ہو گیا اور شہر دوبارہ پرسکون ہوا اور یہ حالت عباسی خاندان کے زوال تک جاری رہی۔[1]

عباسی دور میں مدینہ کی تاریخ کا ایک خاص واقعہ خلیفہ مہدی کا 161-165 ہجری (779-783ء) میں مسجد نبوی کو توسیع دینا ہے۔

مدینہ......عثمانیہ دور سے پہلے

عباسی سلطنت نے اپنے آخری دور میں خلافت کو ٹوٹتے ہوا دیکھا۔ بغداد میں خلیفہ بے اختیار تھا۔ صوبوں کا حال بھی بہتر نہ تھا۔ جو طاقت ور ہوتا وہی حکومت چلاتا۔ یہی حال صوبہ جات مصر، شام، اردن، حجاز اور حلب کا تھا۔ اس وقت مدینہ کا حاکم اشرف حسینیون (حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا معتبر وارث) تھا۔ 335 ہجری (948ء) میں عباسی سلطنت اپنی کمزوری کی انتہا پر تھی۔ اس دور میں مدینہ میں بہت سے تاریخی واقعات رونما ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ مبارک کو چرانے کی کوشش

557 ہجری (1164ء) میں کہا جاتا ہے کہ عیسائیوں نے ایک منصوبہ بنایا جس کے تحت خفیہ طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد خاکی کو چوری کر کے آپ کی قبر مبارک سے منتقل کر دینا تھا۔ (نعوذ باللہ)، انھوں نے دو شخص مراکشی باشندوں کے بھیس میں روانہ کئے اور وہ یہ بتاتے تھے کہ وہ اندلس کے رہنے والے ہیں۔ ان دو اشخاص نے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی ایک گھر کرایہ پر لیا۔

دونوں آدمیوں نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ بہت نیک ہیں، باقاعدہ نمازیں پڑھنی شروع کیں، غریب و نادار لوگوں کو کھانا کھلاتے اور مسجد نبوی کی زیارت کرتے اور جنت البقیع

[1] دیکھیں، باب 5، بقیع الغرقد۔ صفحہ 166۔

جاتے جہاں رسول کریم ﷺ کے بہت سے صحابہ اور ماننے والے مدفون تھے۔ انہوں نے خفیہ طور پر ایک سرنگ کھودنی شروع کی جو کہ روضۂ رسول ﷺ میں جا کر ختم ہونی تھی۔ وہ کھودی ہوئی مٹی کو اپنے گھر میں بنے ہوئے ایک کنویں میں پھینک دیتے اور بعض اوقات وہ یہ مٹی ایک چمڑے کے تھیلے میں بھر کر جنت البقیع میں پھینک دیتے تھے۔ وہ یہ حرکت کچھ عرصہ تک اس خیال سے کرتے رہے کہ اب وہ اپنی منزل کے قریب ہی ہیں مگر یہ بھول گئے کہ اللہ ان کے تمام کام دیکھ رہا تھا اور جلد ہی ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا تھا۔

سلطان نور الدین محمود بن زنگی نے ایک خواب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں جن کے بھورے بال تھے، کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''او محمود! مجھے ان سے بچاؤ''۔ سلطان گھبرا کے اٹھا، نماز پڑھی اور پھر سو گیا۔ لیکن یہ خواب اس رات تین بار آیا۔ سلطان نے اپنے وزیر جمال الدین موصلی جو ایک نیک اور عقلمند شخص تھا، کو بلایا اور یہ خواب بیان کیا۔ اس نے سلطان کو مشورہ دیا کہ مدینہ کے سفر کی تیاری کریں۔ سلطان اور اس کا وزیر مدینہ کے لیے ایک بہت بڑے قافلہ کی شکل میں روانہ ہوئے جسے ایک تاریخ دان مجد الدین مطری بیان کرتا ہے کہ یہ قافلہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا۔ انہوں نے شام سے مدینہ کا سفر 16 دن میں طے کیا۔ سلطان سیدھا مسجد نبوی میں گیا، نماز ادا کی اور وہیں بیٹھ کر سوچنے لگا کہ آگے کیا کیا جائے۔ وزیر نے سلطان سے پوچھا کہ اگر اس نے ان دونوں اشخاص کو دیکھ لیا تو کیا ان کی شناخت کر سکے گا؟ اور جب سلطان نے ہاں میں جواب دیا تو وزیر نے اہل مدینہ کو بلایا اور کہا کہ وہ تمام ضرورت مندوں کے نام دیں تا کہ سلطان ان کی مالی معاونت کریں۔

ان تمام لوگوں میں سے جو امداد وصول کرنے آئے تھے سلطان کو وہ دو آدمی جو اس نے خواب میں دیکھے تھے، نظر نہ آئے۔ اس کو بتایا گیا کہ صرف دو غیر ملکی مراکش کے باشندے امداد

لینے کے لیے نہیں آئے۔ اس نے حکم دیا کہ ان دو آدمیوں کو اس کے سامنے حاضر کیا جائے اور ان کو دیکھتے ہی سلطان نے انہیں فوراً پہچان لیا کہ یہی اس کے خواب میں نظر آئے تھے۔ جب ان سے پوچھ گچھ کی گئی تو انہوں نے بتایا کہ وہ مراکش کے باشندے ہیں اور یہاں حج کرنے کی غرض سے اور مسجد نبوی کی زیارت کے لیے آئے ہیں اور ان کا مدینہ میں ایک سال ٹھہرنے کا ارادہ ہے۔ ان دونوں کو اپنے آدمیوں کے پاس چھوڑ کر سلطان اس گھر میں گیا جہاں وہ رہتے تھے اور اس نے کوئی ایسی چیز وہاں نہ دیکھی کہ ان پر شک کیا جا سکتا۔ پھر وہاں سے بڑی تعداد میں نقدی ملی۔ تلاش جاری تھی کہ اس کو ایک لکڑی کے تختہ سے ٹھوکر لگی۔ جب اس تختہ کو اٹھایا گیا تو اس نے ایک خندق کا آغاز دیکھا جو روضۂ رسول ﷺ کی طرف جا رہی تھی۔ یہ خندق مسجد نبوی کی دیوار کے نیچے سے جاتی تھی۔ اہل مدینہ اس خبر کو سن کر حیران رہ گئے کیونکہ وہ ان دونوں مراکشی لوگوں کو دیندار سمجھ رہے تھے۔ دونوں آدمیوں کو کوڑے مارے گئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنا گناہ تسلیم کر لیا۔ انہوں نے مان لیا کہ وہ عیسائی تھے اور ان کے بادشاہ نے انہیں یہاں بھیجا تھا اور وہ مراکشی زائرین کا بھیس بدل کر یہاں مقیم تھے، انہوں نے بتایا کہ انہیں بہت بڑی رقم مہیا کی گئی تھی اور حکم دیا گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا جسد خاکی روضۂ مبارک سے نکال کر اپنے ساتھ لائیں۔ ان کو موت کی سزا دی گئی اور ان کے جسم جلا دیئے گئے۔

روضۂ رسول ﷺ کی حفاظت

سلطان نور الدین نے روضۂ رسول کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا اور اس میں سیسہ بھروا دیا تاکہ آئندہ دیواروں کو توڑ کر اندر جانے کی کوشش نہ کی جا سکے۔

یہ کہانی تاریخ دان جمال الدین مطری اور جمال الدین اسنوی نے بیان کی تھی اور اس کا ذکر سمہودی اور برزنجی نے بھی کیا ہے۔ اس رپورٹ کو اس لیے رد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ سنگین جرم

عیسائیوں نے کیا تھا۔ اگر یہ کسی سلطان یا مسلمان بادشاہ کی سازش کہلائی جاتی تو یہ خیال کیا جاتا کہ یہ خبر اس کے کسی دشمن نے اڑائی ہوگی تاکہ اسے بدنام کیا جائے کیونکہ وہ زمانہ بدلہ بازی اور ناجائز مقابلہ بازی کا تھا۔ جہاں تک کہ عیسائی بادشاہ یا بادشاہوں کے نام ظاہر نہ کرنے کا سوال ہے، جنھوں نے اس مکروہ کام کا حکم دیا تو ان کے نام ظاہر کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ اس کے محرک کو ان دو مجرموں سے بھی راز ہی رکھا گیا ہوگا۔ اگر وہ یہ نام بتا دیتے تو تاریخ کا حصہ بن جاتے۔ اس واقعہ کو یہیں ختم کر دینا چاہیے اور یہ تعجب کرنا چاہیے کہ عیسائی کس جرأت سے ایسا کام کر لیتے تھے اور یہ بات بھی سوچنے کے قابل ہے کہ کیا اس وقت مسلمان اتنے کمزور تھے کہ ان کے خلاف اس قسم کی جرأت بھی کی جا سکتی تھی؟

تاہم اس واقعہ کو ایک خودکشی کے مترادف سمجھنا چاہیے اور اس کا انجام منطقی طریقہ سے ہوا جس میں مجرموں کو ان کے گناہ کے مطابق جائز سزا سلطان نورالدین کے ہاتھوں ملی۔ اللہ اس کی روح کو سکون دے۔

رسول اللہ ﷺ اور ان کے دو صحابہ کرام کے جسد خاکی کی منتقلی کی کوشش

دو اور واقعات جو اس وقت مسلمانوں میں افراتفری، کمزوری اور انتشار کی غمازی کرتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے دو صحابہ کرام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جسد خاکی کو مدینہ سے مصر منتقل کرنے کی کوششیں تھیں۔

پہلے واقعہ کے متعلق سمہودی اپنی کتاب خلاصۃ الوفا میں ابن نجار کی ''تحریکِ بغداد'' کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ چند بے دین لوگوں نے مصر کے سلطان عبیدی کو مشورہ دیا کہ وہ رسول اکرم ﷺ اور ان کے دو صحابہ کرام کے جسدِ خاکی مدینہ سے مصر منتقل کر لے تاکہ لوگ ان کی زیارت کے لیے یہاں آیا کریں۔

عبیدی نے خفیہ طور پر ایک شخص کو جو ابوالفتح کے نام سے جانا جاتا تھا، ابتدائی جانچ پڑتال کے لیے بھیجا۔ لیکن جب اہل مدینہ کو اس کے ارادے کا علم ہوا تو وہ اس قدر طیش میں آ گئے کہ ابو الفتح اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنا چاہا، تب انہوں نے اپنے ارادہ سے اجتناب کیا۔

سمہودی نے دوسرے واقعہ کے متعلق مسجد نبوی کے متولی شمس الدین ثواب الاماٹی کے حوالہ سے بتایا کہ کچھ لوگ شام کے شہر حلب (Aleppo) سے مدینہ آئے اور یہاں کے امیر یا گورنر کو ایک خطیر رقم کی پیشکش کی کہ روضۂ رسول ﷺ کو کھول دے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے جسد خاکی نکالنے دے۔

امیر ان کی بات پر راضی ہو گیا اور مسجد کے متولی کو حکم دیا کہ روضۂ رسول ﷺ کی طرف جانے والے دروازے کھول دو۔ چالیس آدمی ہاتھوں میں کدال پھاوڑے، بیلچے، روشنی کے چراغ اور کھدائی کے لیے دوسرا سامان لے کر مسجد میں داخل ہوئے لیکن روضۂ رسول ﷺ تک پہنچنے سے پہلے ہی زمینی تودہ گرنے سے تمام وہیں دفن ہو گئے۔ متولی کو جب ان مجرموں کا ارادہ معلوم ہوا تو ان کو مسجد میں داخلہ کی اجازت دینے پر بہت متاسف ہوا۔

حلب (Aleppo) کے رہائشی شیعہ تھے اور اس زمانہ میں مدینہ کے امیر بھی شیعہ ہی ہوتے تھے۔ اس حکایت کے بیان کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور اس کے مستند ہونے میں اختلاف ہے۔ میں نے یہاں اس لیے لکھا ہے، کیونکہ اسے سمہودی نے بیان کیا ہے۔

عبیدیوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب کی اولاد میں سے تھے۔ لیکن بعض مؤرخین نے اس پر اختلاف کیا ہے اور اُن کے مطابق وہ یہودی یا مجوسی (آتش پرست) تھے۔ تاریخ دانوں نے بھی عبیدیوں کو زندیق یا ملحد کہا ہے جو عقیدہ تناسخِ روح (آواگون) کا پرچار کرتے تھے۔ ان کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ اپنے وقت کے انتہائی جابر، بد

خصلت اور فاسد فطرت کے حامل حکمران تھے۔

احمد ذکی پاشا کی رائے

الہلال رسالہ نمبر 1920 جلد 27 میں ایک مضمون میں احمد ذکی پاشا جس کو شیخ العرب کہا جاتا ہے، نے لکھا ہے کہ:

تاریخ دان جمال الدین مطری اور جلال الدین اسنوی نے اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جنہوں نے نور الدین اور ان کے ہم عصر لوگوں کے متعلق لکھا تھا یا ان کے بعد کے لکھنے والوں نے باوجودیکہ یہ نہایت اہمیت کی کہانی تھی، اس کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا۔ وہ اس واقعہ کو من گھڑت، خیالی اور جھوٹا تصور کرتے ہیں۔

میری رائے میں واقعات کا یہ تسلسل تاریخی لحاظ سے بہت اہم ہے۔ مدینہ میں ایک شاہراہ ہے جو ''ثقیفۃ الرصاص'' یا سیسہ پلائی سڑک کہلاتی ہے۔ یہ مسجد نبوی کے جنوب مغرب میں باب السلام کے قریب ہی واقع ہے۔ ایک اور مقام جو دارالضیافت یا مہمان خانہ کہلاتا ہے اور یہ مسجد نبوی کے شمال کی طرف واقع ہے اور مجیدی گیٹ سے زیادہ دور نہیں ہے، میں یہ دونوں جگہ پہچانتا ہوں اور آسانی سے ان دونوں کا موقع شناخت کر سکتا ہوں گو آج کل ان کو شہر کی سڑکوں کی توسیع کی خاطر اپنی جگہ سے ختم کر دیا گیا ہے۔

اہل مدینہ کے علم میں ہے کہ ثقیفۃ الرصاص وہ جگہ ہے جہاں اس خندق کے اندر جس نے روضۂ رسول ﷺ کو گھیر رکھا ہے سیسہ اُنڈیلا گیا تھا۔ دارالضیافت غریب اور نادار لوگوں کی دیکھ بھال کرنے کے لیے بنائی ہوئی جگہ ہے، یہاں سلطان نور الدین نے دونوں مراکشی باشندوں کی شناخت کے لیے اہل مدینہ کو اکٹھا کیا تھا۔

احمد ذکی پاشا، اپنی رپورٹ میں ان واقعات کا تسلسل برقرار نہیں رکھ سکا۔ اس بات کو رد نہیں

کیا جا سکتا کہ اس واقعہ کو خفیہ رکھا گیا ہوگا اور جن لوگوں نے نور الدین کے متعلق کچھ لکھا ہے وہ بھی اس واقعہ سے ناواقف ہوں گے۔ مطری اور اسنوی کی تحریروں میں جو فرق آیا ہے وہ قدرتی امر ہے کیونکہ ہر تاریخ دان کا واقعات کے لکھنے کا انداز دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

حجاز میں آتش فشاں

مدینہ کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ 654 ہجری (1258ء) کا آتش فشاں ہے جو حارۃ الشرقیہ میں پھوٹا تھا۔ اس زلزلہ کا ذکر رسول کریم ﷺ نے کیا تھا جو دو احادیث کی کتب میں درج ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت سے پہلے حجاز میں ایک بہت بڑی آگ بھڑکے گی جو اونٹوں کی گردنوں کو روشن کردے گی۔

رافع بن بشر سلمی نے اوبایہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آگ حبث نامی جگہ سے اٹھی تھی، جو رات کو بھڑکتی تھی اور دن میں ختم ہو جاتی تھی۔

یہ آتش فشاں نہایت زور سے پھٹا اور تاریخ دان کہتے ہیں کہ یہ ایک زلزلہ سے پہلے رونما ہوا تھا جس کے بعد ایک دن میں 18 جھٹکے ہوئے اور عمارتوں کو ہلا دیا اور وہ اس زور کے تھے کہ مسجد نبوی کی چھت کو بھی نقصان پہنچا۔

قسطلانی کے مطابق آتش فشاں ایک جمعہ کے روز دوپہر کے وقت پھوٹا اور اس میں سے لاوا گہرے دھویں کے ساتھ بہنا شروع ہوا جو تمام ماحول پر چھا گیا۔ جب رات ہوئی تو دھاکوں اور آگ کے زور سے تمام شہر روشن ہو گیا۔

قرطبی نے بیان کیا کہ حجاز میں مدینہ کے قریب بدھ کی رات ایک آگ بھڑک اٹھی جس کے بعد شدید زلزلہ آیا۔ یہ تین جمادی الاول 654 ہجری (1258ء) کا واقعہ تھا۔ یہ آگ جمعہ کے روز دوپہر کے قریب ختم ہوگئی۔ وہ بیان کرتا ہے کہ چشم دید گواہان کا بیان ہے کہ یہ آگ بہت دور

سے دیکھی جاسکتی تھی یہاں تک کہ مدینہ سے پانچ روز سفر کے فاصلہ پر بھی دیکھی جا سکتی تھی۔ دوسرے لوگوں نے بتایا کہ وہ مکہ سے بھی نظر آتی تھی اور تیما[1] میں رہنے والے لوگ اس آگ کی چمک اور روشنی سے لکھ سکتے تھے۔

العماد بن کثیر کا بیان ہے کہ چیف جسٹس صدر الدین الہتا کی نے بتایا کہ اس کے والد نے کہا تھا کہ بدو لوگ کہتے تھے کہ انہوں نے اس آگ کی روشنی میں اپنے اونٹوں کی گردنیں بھی دیکھی ہیں۔

آتش فشاں تین مہینے جاری رہا

یہ آتش فشاں تین ماہ وقفے وقفے سے جاری رہا اور پھر یہ خشک اور ختم ہو گیا۔ لاوہ آتش فشاں سے نکل کر نیچے حارۃ الشرقیہ میں بھر گیا اور متواتر بہتا ہوا جبل رایہ (Jabal Al Raya) کے دامن میں اکٹھا ہو گیا۔ یہ وادی کنعان ''حمزہ'' کے بیچ میں سے بہتا ہوا جبل احد کے متوازی مشرقی طرف سے حارۃ العریض میں جم گیا۔ قسطلانی کہتا ہے کہ لاوہ جبل رایہ تک پہنچ گیا تھا اور وادی شزا میں بہتے ہوئے مسجد کے قریب جم گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا بہاؤ ایک راستہ کی شکل میں 14 میل لمبا اور 4 میل چوڑا اور ½1 میٹر گہرا تھا۔ اس نے وادی رایہ کو بند کر دیا اور ایک بہت بڑا بارش کے پانی کا ذخیرہ بن گیا۔ اس ذخیرہ کی جگہ کو، اقول کہا جاتا ہے اور یہ مدینہ سے 22 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ جبل معقد متیر پر کھڑے ہو کر جہاں ایک پانی کا پمپ مدینہ شہر کو تازہ پانی مہیا کرتا ہے، کوئی بھی شخص پگھلی ہوئی چٹانوں کو دیکھ سکتا ہے۔

مسجد نبوی میں آتشزدگی

مسجد نبوی میں دوبار آتشزدگی تاریخ مدینہ کے اہم واقعات میں شامل ہے۔ جمادی اول

1۔ تیما سعودی عرب کے شمال مشرق میں اس حصے میں واقع ہے جہاں مدینہ منورہ اور جوف کے راستے نفود صحرا سے گزرتے ہیں۔ تیما تبوک سے 264 کلومیٹر جنوب مشرق میں اور مدینہ منورہ سے 400 کلومیٹر شمال میں واقع ہے۔ (مصنف)

654 ہجری (1258ء) میں حجاز میں آتش فشاں پھٹا، اسی سال ماہ رمضان میں مسجد نبوی میں اس کے سامان رکھنے والے کمروں سے اٹھنے والی آگ نے مسجد کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہاں کا سٹور کیپر مسجد کے شمال مغربی حصہ میں بنے ہوئے سامان رکھنے کے کمروں میں سے ایک کمرہ میں قندیلیں لینے کے لیے داخل ہوا اور اپنے ساتھ لائی ہوئی جلتی موم بتی ایک بکس کے اوپر رکھ دی۔ اس بکس کو آگ لگ گئی اور اس نے تمام سامان یعنی قالین، نماز پڑھنے والی چٹائیاں وغیرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ بیچارہ اس آگ کو بجھانے میں ناکام رہا اور آگ کمرہ کی چھت سے ہوتے ہوئے مسجد کے باقی تمام حصوں یعنی محراب، مال خانہ، چبوتروں، قرآن اور دیگر دینی کتب تک پہنچ گئی۔ مدینہ کے گورنر آگ بجھانے کی کوششوں میں خود شامل ہوئے اور مدینہ کی بیشتر آبادی نے بھی اس کام میں حصہ لیا۔ آگ نے مسجد کی دیواروں پر لگی سجاوٹوں کو بھی ختم کر دیا اور صرف کمرہ کے درمیان واقع گنبد ہی بچا رہا۔ یہ گنبد مصر کے سلطان ناصر لدین اللہ نے 576 ہجری (1182ء) میں بنوایا تھا تاکہ مسجد کی بیش قیمت اشیاء جن میں عثمانی قرآن اور بہت سی نوادرات کے صندوق جو 300 ہجری (914ء) تک محدود تھے کو حفاظت سے رکھا جا سکے۔ مسجد کے ستون جن پر عمارت کھڑی تھی، کھجور کے جلے ہوئے تنوں کی مانند ہو گئے تھے۔ مسجد کی شاندار عمارت کو جسے آگ لگ گئی تھی، بنوامیہ اور عباسی خلفاء نے دوبارہ تعمیر کیا۔

دوسری بار مسجد کو 886 ہجری (1484ء) میں آگ لگ گئی۔ رمضان کے ایک ابر آلود دن کو جب کہ مؤذن مسجد کے مینار کے اوپر کھڑے ہو کر نماز کے لیے پکار رہا تھا تو مینار پر بجلی گری اور مؤذن فوراً ہلاک ہو گیا اور چھت پر آگ لگ گئی۔ مسجد کے دروازے مکمل طور پر کھول دیئے گئے تاکہ لوگ داخل ہو کر آگ بجھانے میں مدد کر سکیں جو اس وقت تک مسجد کے مشرقی حصہ کو جلانے کے بعد شمالی اور مغربی حصہ کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔ بہت سے لوگ جو آگ بجھانے کے

لیے دوڑے آئے تھے، مسجد کی چھت سے گرے اور ہلاک ہو گئے، لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی، کل دس آدمی آتشزدگی کی وجہ سے وفات پا گئے اور مسجد کو بری طرح نقصان پہنچا۔ آگ نے محراب، مینار، منبر اور دروازوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ آگ نزدیکی گھروں تک پہنچ گئی تھی اور اس کے مکینوں نے گھبراہٹ میں بھاگ کر جان بچائی۔

پہلی آگ کے بعد بہت سے مسلمان بادشاہوں اور امراء سلطنت نے مسجد نبوی کو دوبارہ بنانے میں حصہ لیا لیکن دوسری آتشزدگی کے بعد سلطان قایتبائی نے اسے خود دوبارہ تعمیر کیا۔

مدینہ......عثمانی دور میں

سلطنت عثمانیہ کے فرمانرواؤں اور مدینہ کے لوگوں کے بیچ پہلا تعلق 922 ہجری (1519ء) میں عثمانی سلطنت کے سلطان سلیم کا مصر فتح کرنے کے بعد ہوتا ہے۔

اس وقت شریف (فرمانروا) مدینہ، شریف برکات تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو دونوں متبرک عبادت گاہوں کی چابیاں سلطان کے حوالے کرنے کے لیے مصر بھیجا۔ اس کے بدلہ میں سلطان نے شریف برکات کو مکہ اور مدینہ کا فرمانروا قائم رکھا اور اس کا بیٹا اس کا نائب مقرر ہوا۔

مدینہ میں، عثمانی ترکوں نے نظم ونسق اور دینی امور چلانے کے لیے چار محکمے قائم کئے تھے۔

1- قانون شریعت کا محکمہ۔

2- محکمہ پولیس، جو اندرونی حفاظت کا ذمہ دار تھا۔

3- ملٹری گورنر کا محکمہ جو بیرونی سیکورٹی کا ذمہ دار تھا۔ اس کے سربراہ کو شہر کا میئر (Mayor) کہا جاتا تھا۔

4- مسجد نبوی کے متولی (شیخ) کا محکمہ جو سب سے افضل اور برتر محکمہ تھا جو تمام دوسرے محکموں کا نگران بھی تھا۔ سلطنت عثمانیہ کے سلطان (بادشاہ) کے ساتھ اس کا براہ راست رابطہ رہتا

تھا۔ قاضی یا چیف جسٹس کا ترک ہونا لازمی تھا۔ اس کی تعیناتی ایک سال کے اضافہ کے بعد ختم ہو جاتی تھی۔ شیخ مسجد (امام) کا ایک مشہور دینی عالم ہونا، قانون شریعت میں مہارت اور دینی امور میں وسیع تجربہ رکھنا ضروری تھا۔ مزید یہ کہ اس کو اسلامی مملکت، استنبول میں کام کرنے کا تجربہ حاصل ہونا شامل تھا۔[1]

ہر جمعہ کے روز مسجد نبوی کے متولی جنہیں شریف کہا جاتا تھا، اپنی مجلس شوریٰ سے ملتے تھے جو شہر کے میئر، اسلامی مکتبہ فکر کے چاروں فقہاء اور شہر کے مشہور شہریوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ یہ مجلس عوام کی مشکلات اور ان کی شکایات کا جائزہ لیتی اور انہیں دور کرنے کی کوشش کرتی تھی۔

عثمانی ترکوں نے اہل مدینہ کے ساتھ نیکی اور فیاضی کا سلوک روا رکھا اور وہ ان کو انعامات، تحائف اور نقدی سے نوازتے تھے جس کی وجہ سے شہر میں استحکام ہونے کے علاوہ علم و ادب کے گہوارے بھی ترقی پانے لگے۔

دیوارِ مدینہ

ترکوں کے دور حکومت میں مدینہ کی بڑی دیوار بنائی گئی۔ اس دیوار کو بنانے کی ابتداء سلطان سلیمان بن سلطان سلیم نے کی۔ اس کام کو 937 ہجری (1533ء) میں شروع کیا گیا اور یہ 948 ہجری (1544ء) میں مکمل ہوا۔ سلطان نے دیوار کے ساتھ ملحق ایک قلعہ بھی بنوایا۔ اس کا مینار جبل سلع سے شمال مغرب کی طرف پھیلا ہوا تھا۔ یہ دیوار 2,304 میٹر لمبی تھی۔

بعض لوگوں نے اس کی لمبائی 3,000 میٹر بتائی ہے۔ سمہودی نے اس کی لاگت

---

1. سلطنت عثمانیہ نے اپنے دور حکومت میں دینی علماء اور امام مساجد کو بہت اہمیت دی تھی اور ان کی امامت کے معیار کی بلندی کی ایک جھلک سلطان سلیمان کے دور (1566-1520ء) میں استنبول کی سب سے بڑی مسجد کے امام کی تعیناتی کے لیے اس کی اہلیت کے متعلق دیئے گئے ایک اشتہار سے عیاں ہے جو مصر کے مشہور اخبار الاہرام نے اپنی اشاعت 22 ستمبر 1986ء میں عوام الناس کے علم کی خاطر شائع کیا تھا جس کی نقل قارئین کی دلچسپی کی خاطر یہاں پیش کر رہا ہوں۔ (مترجم)

Job Vacancy During Year 1520 - 1566

Here's a job advertisement for the position of Imam of the Grand Mosque in Istanbul at the time of Sultan Suleyman (Khaleefa) who ruled the Ottomon Empire from 1520 - 1566:

- ☞ To have mastered the language of Arabic, Latin, Turkish and Persian.
- ☞ To have mastered the Qur'an, the Bible and Torah.
- ☞ To be scholar in Shari'ah and Fiqh.
- ☞ To have mastered Physics and Mathematics up to teaching standard.
- ☞ To be Master of Chivalry, Archery, Dueling and the Arts of Jihad.
- ☞ To be of handsome countenance.
- ☞ To have a strong melodious voice.

(Source: Al-Ahram newspaper 22nd September 1986, Egypt)

ترجمہ:

(1566-1520 عیسوی میں خالی آسامی کے لئے اشتہار)

ترک سلطان سلیمان (خلیفہ) جنہوں نے سلطنت عثمانیہ پر (1520-1566) میں حکمرانی کی، کے دور حکومت میں استنبول کی جامع (گرینڈ) مسجد کے امام کی تعیناتی کے لئے جو اشتہار دیا گیا، اس میں مندرجہ ذیل قابلیت ضروری تھی:

- ☜ عربی، لاطینی، ترکی اور فارسی زبانوں پر عبور حاصل ہو۔
- ☜ قرآن، بائیبل اور تورات پر عبور حاصل ہو۔
- ☜ قانون شرعیہ اور فقہ کا عالم ہو۔
- ☜ طبیعات اور ریاضی کے علوم پر تدریسی معیار تک عبور حاصل ہو۔
- ☜ جانبازی، تیراندازی، تلوار بازی اور فن جہاد میں ماہر ہو۔
- ☜ وجیہہ وخوبرو ہو۔
- ☜ مظبوط اور خوش الحان آواز کا مالک ہو۔

ماخذ: (اخبار الاہرام، مورخہ 22 ستمبر 1986ء مصر)

مدینہ شہر کی قلعہ نما بڑی دیوار جو ترکوں کے دور 937 تا 948 ہجری میں سلطان سلیمان بن سلطان سلیم نے بنوائی
(یہ فوٹو 1330 ہجری میں لی گئی)

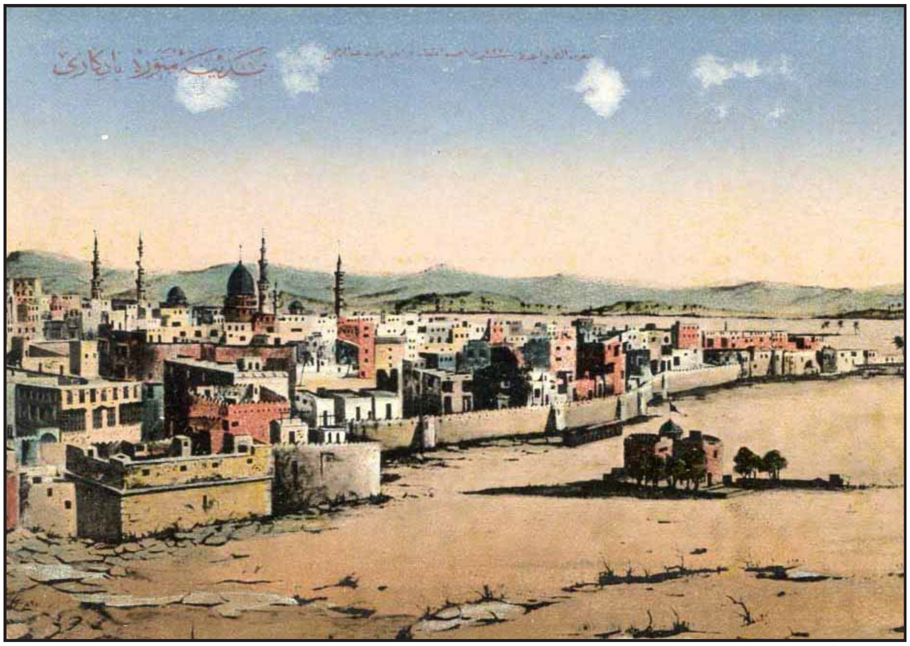

دوسری فصیل مدینہ۔ جو گھر بڑی دیوار سے باہر رہ گئے تھے ان کو شہر کی حدود میں شامل کرنے کی خاطر بنائی گئی

100,000 دینار بتائی تھی۔ عمر بن محمود مدنی اپنی کتاب تاریخ عباسی میں جعفر حسین ہاشم کے مطابق اس کی تعمیر کا خرچ 70,000 دینار بتاتا ہے، 14000 بشل[1] (Bushels) گیہوں، چاول، لوبیا اور جو کے علاوہ ایک بڑی تعداد میں لکڑی، فولاد اور رنگ روغن بیان کرتا ہے۔

اس دیوار کے چار دروازے تھے۔ باب جمعہ جو جنت البقیع کی طرف ہے، باب قلعہ جسے باب شامی بھی کہتے ہیں جو جرف گلی اور حمزۃ کی طرف کھلتا ہے، باب صغیر جس کا رخ مناکہ اور باب مصری کی طرف ہے۔ بعد میں چار اور دروازے دیوار میں سے نکالے گئے باب مجیدی کا حاء کنویں کی طرف رخ ہے، یہ دروازہ سلطان عبدالمجید کے عہد میں کھولا گیا۔ باب حمام، عوالی سٹریٹ کو رخ کرتا ہے، باب بصری اس کا رخ حسامی سٹریٹ کی طرف اور باب قاسمیہ کا رخ وادی شوانا کی طرف ہے۔

باب حمام کا افتتاح بافاکیہ نے اور باب قاسمیہ کا افتتاح مدنی نے کیا تھا۔ یہ دیوار پتھر کی بنی ہوئی ایک عالیشان عمارت تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک اونچا پہاڑ نیچے شہر کو دیکھ رہا ہے۔

ایک دوسری دیوار ان گھروں کو جو اس بڑی دیوار سے جو سلطان سلیمان نے بنوائی تھی، باہر رہ گئے تھے، شہر میں شامل کرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ دوسری دیوار بقیع کے جنوبی طرف سے قباء، عنبریہ اور قلعہ سے ہوتے ہوئے بڑی دیوار میں مل جاتی تھی۔ اس دیوار میں پانچ گیٹ تھے۔ دو بقیع میں جن کا نام باب اول اور باب سد تھا۔ دوسرے تین گیٹ باب قباء جو قباء مسجد کی طرف تھا، باب عنبریہ جس کا رخ جدہ اور مکہ کی طرف تھا اور باب قومہ جو قلعہ کے مغرب میں واقع تھا۔

شہر مدینہ بہت عرصہ تک ان دیواروں کے اندر ہی رہا تا آنکہ جدید موٹر کاروں اور طیاروں کا

---

1. بشل (Bushel) غلہ ناپنے کا پیمانہ ہے، (ایک بشل 36 سیر کا ہوتا ہے۔) (مترجم)

اس مملکت میں تعارف ہو گیا۔ سعودی دور میں ان دیواروں کی ضرورت ختم ہو گئی اور جدید کھلی سڑکوں کو بنانے کے لیے ان کو مسمار کر دیا گیا۔

حجاز ریلوے، مسجد اور کالج

ترکوں نے حجاز ریلوے لائن بچھائی جس کی دمشق سے مدینہ تک توسیع کی گئی تھی۔ اس لائن نے مدینہ کو بیرونی دنیا سے ملا دیا، خاص طور پر استنبول کے ساتھ۔ یہ کام 1326 ہجری (1908ء) میں مکمل ہوا۔ اس کو اس ارادہ سے شروع کیا گیا تھا کہ اسے بعد میں مکہ اور پھر جنوب کی طرف یمن سے منسلک کر دیا جائے گا۔ نو سال تک ریل دمشق اور مدینہ کے درمیان چلتی رہی اور حاجیوں کو شام، اردن، فلسطین، عراق، ترکی اور یورپ سے ارض مقدس لاتی رہی۔ ریلوے کے شروع ہونے سے مدینہ نے فوری طور پر تجارتی لحاظ سے ترقی کرنی شروع کر دی۔

عرب کے انقلاب نے 1335 ہجری (1917ء) میں اس ریل کا بیشتر حصہ تباہ کر دیا۔ جب

مدینہ میں عنبریہ کے علاقے میں ریل کا بڑا اسٹیشن جو ترکوں نے 1325 ہجری (1907 عیسوی) میں تعمیر کیا

حجاز ریلوے کا انجن مدینہ میں کھڑا ہے

عنبریہ اسٹیشن پر ریل کا ڈبہ کھڑا ہے (جواب ریلوے میوزیم میں تبدیل ہو چکا ہے)

پہلی ریلوے ٹرین عرب میں داخل ہوئی تو اس نے 1303 کلومیٹر کا فاصلہ دمشق سے مدینہ تک طے کیا۔ اردن سے مدینہ تک 844 کلومیٹر کا فاصلہ طے ہوا۔ حال ہی میں ان تمام حکومتوں نے جہاں سے یہ ریلوے لائن گزرتی تھی، یہ فیصلہ کیا کہ اس کو دوبارہ جاری کیا جائے۔ یہ ممالک سعودی عرب، اردن اور شام ہیں۔

دمشق اور مدینہ کے درمیان ریلوے کے بہت سے اسٹیشن قائم کئے گئے۔ مدینہ میں

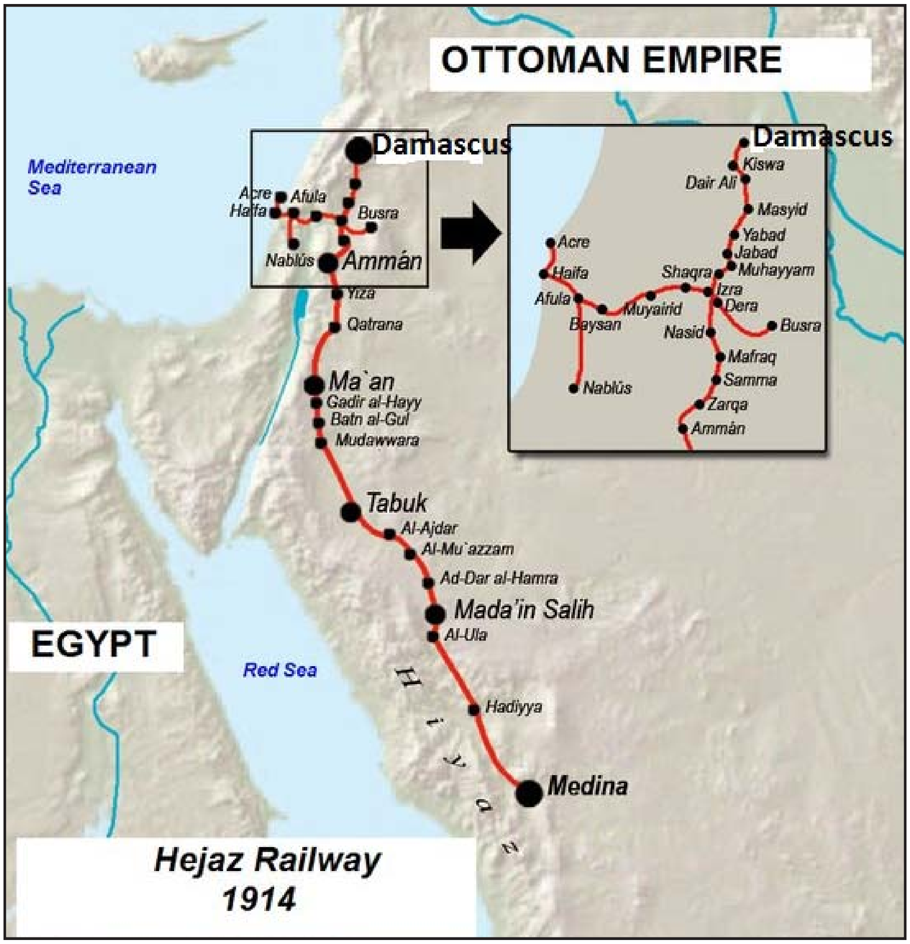

سلطنت عثمانیہ کے دور میں حجاز ریلوے کے روٹ کا نقشہ

حجاز ریل

ریلوے کا بڑا اسٹیشن عنبریہ چوک پر واقع تھا۔ یہ 1325ء ہجری (1907ء) میں مکمل کیا گیا۔ اس اسٹیشن کے عقب میں ایک مسجد 1326 ہجری (1908ء) کو بنائی گئی۔

اسی سال اسلامک کالج کی تعمیر کا کام شروع ہوا لیکن اس عمارت کی تعمیر مکمل نہ ہوسکی۔ سعودی دور میں اس عمارت کی پہلی منزل کی تعمیر مکمل ہوگئی لیکن اس بلڈنگ کو ثانوی (سیکنڈری) سکول میں تبدیل کر دیا گیا تھا اور اب تک یہ (سکول) کام کر رہا ہے۔

حسبہ: میونسپلٹی کے سربراہ

عثمانی ترکوں نے 1328 ہجری (1910ء) میں مدینہ کے علی رضا پاشا کی گورنری کے دور میں بلدیہ (میونسپلٹی) کا نظام رائج کیا۔ مدینہ کے پہلے میئر شیخ محمد حسن ثمان مقرر ہوئے۔ انہوں نے میونسپلٹی کے نئے دفاتر بنوائے جو بعد میں سعودی حکومت کے مدینہ شہر کو جدید بنانے والے منصوبہ کے تحت ختم کر دیے گئے۔ اب مناخہ ضلع میں محکمہ پولیس اور ٹیلی فون کے دفاتر کے مشرقی

(نوٹ مترجم) مصنف نے اس جگہ ترک، اشرف اور سعودی دور حکومت میں مقرر کیے گئے محتسبوں کے ناموں کی تفصیل درج کی ہے مگر مترجم نے اختصار کی خاطر ان کا ترجمہ نہیں کیا کیوں کہ تاریخ مدینہ پر اس کا کوئی نتیجہ خیز اثر نہیں پڑے گا۔

طرف ایک جدید اور کشادہ میونسپلٹی بلڈنگ واقع ہے۔

میئر جسے پہلے محتسب اور اس کے فرائض کو حسابہ کہا جاتا تھا اب بھی وہی فرائض سرانجام دیتا ہے اور یہ فرائض موجودہ زمانہ کے میئر سے مختلف نہ تھے۔ علاوہ ازیں اس کے فرائض میں مزید اضافہ یوں کر دیا گیا کہ وہ نیک کاموں کے لیے حکم دے اور برائیوں کو روکے۔ اس کو اختیارات دیئے گئے تھے کہ وہ تحقیقات کر سکے۔ جرائم کرنے والوں پر فیصلہ صادر کرے...... وہ فوجداری مقدمات اور اخلاقی رویوں کے خلاف معاملات پر سزا کا فیصلہ دے سکتا تھا۔ وہ مجرموں کو دُروں (کوڑوں) اور قید کی سزا بھی دے سکتا تھا۔

ترکوں کے دور حکومت میں مدینہ کا محاصرہ

مدینہ کی تاریخ کا ایک نمایاں واقعہ عرب انقلاب کے دوران شہر کا دو سال تک محاصرہ ہے۔

عمر فخری پاشا ملٹری گورنر مدینہ

ترکوں نے اپنے مفاد کو بچانے کی خاطر جزیرہ نما عرب کے عین درمیان میں واقع شہر مدینہ کو ایک فوجی اڈہ میں تبدیل کر دیا تھا۔ انہوں نے عمر فخری پاشا کو شہر کا ملٹری گورنر مقرر کیا اور اپنی افواج کو مضبوط بنانے کی خاطر مزید فوجی دستوں اور ساز و سامان سے لیس کر دیا۔ کھانے پینے کی اشیاء صرف اسمگلنگ

کے ذریعہ ہی سے دستیاب تھیں۔ جو لوگ اس طرح خرید وفروخت کرتے ہوئے پکڑے جاتے ان کو سخت سزائیں ملتی تھیں۔ یہ محاصرہ 1336 ہجری (1917ء) اور 1337 ہجری (1918ء) میں اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا۔

مدینہ شہر کی حفاظت اور نظم وضبط کو یقینی بنانے کے لیے اور بھوک وقحط کے خلاف شورش کو دبانے کے لیے فخری پاشا نے مدینہ کی آبادی کو شام، لبنان اور ترکی میں بے دخل کرنا شروع کر دیا۔ اس کی ان سرگرمیوں کی وجہ موجودہ فوجی صورت حال سے نمٹنا تھا۔ شروع میں ترک شہر کی آبادی کے انخلاء کی حوصلہ افزائی کے لیے ان کی پسند کے ملک میں بھجوا دیا کرتے تھے مگر بعد ازاں ان کا جبری انخلاء کیا جانے لگا۔ شہر کو اس کی رہائشی آبادی سے خالی کرانے کے لیے ایک منظّم اور بھر پور تحریک سوچی گئی تھی۔ لوگوں کو زبردستی ریل گاڑیوں کے ذریعے نکالا جانے لگا۔ خوراک کی ابتر حالت کی وجہ سے عوام مدینہ شہر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور چشم دید گواہان کے مطابق محاصرہ کے دوران اس حد تک ظلم برپا ہوا کہ لوگ بلیاں اور کتے تک کھانے پر مجبور ہو گئے بلکہ بعض اوقات وہ مجبوراً انسانی مردہ لاشوں تک کو کھا جاتے تھے۔ جن لوگوں میں کوئی خوف خدا نہ تھا وہ ان مجبور لوگوں کو یہ خوراک فروخت کرتے تھے۔ بعض لوگوں کو اس بہانہ سے شہر بدر کیا گیا کہ وہ اشرف خاندان سے مل گئے تھے۔ ترکوں نے بحر حال شہر چھوڑنے والوں کے لیے ایک رقم مختص کر دی۔ عوام الناس کے اس انخلاء کے دوران بہت سے لوگ وفات پا گئے اور جو بچ رہے ان کی زندگی ایک دردناک عذاب میں تبدیل ہوگئی۔

محاصرہ کے دوران ظلم وستم کو دیکھ کر بعض لوگوں نے اپنا گھر ایک بوری غلہ کے عوض بیچ ڈالا۔ ہم اس وقت چھوٹے بچے تھے، اور میرے والدین اس سے پہلے کہ محاصرہ کے نتائج اور زیادہ سنگین ہوتے پہلے گروپ ہی کے ساتھ شام منتقل ہو گئے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے مرحوم والد

(اللہ ان پر اپنی رحمت فرمائے) نے کچھ غلہ انتہائی مہنگی قیمت پر خریدا۔ اس غلہ کو ہمارے گھر ہی میں ایک مقامی شخص نے پیسا اور میرے والد نے اس آٹے کو ایسی جگہوں پر چھپایا کہ اگر حکومت کے لوگ گھر کی تلاشی لیں تو یہ نظر نہ آسکے۔

روز بروز حالات کے سنگین ہونے پر ترک حکومت نے فخری پاشا کو حکم دیا کہ وہ مدینہ چھوڑ کر شام چلا جائے اور اپنے پیچھے اتنی فوج چھوڑ دے جو شہر کی حفاظت کر سکے۔ اس نے انکار کر دیا اور محصور شہر کے اندرونی حصہ پر قبضہ جاری رکھنے پر مصر ہوا اور مسجد نبوی میں پناہ لے لی۔ جمادی اول 1337 ہجری (1918ء) میں اس کو سوتے ہوئے اسی کے سینئر افسران نے چھاپہ مار کر گرفتار کر لیا۔ بعد میں اسے امیر علی بن حسین کے حوالے کر دیا گیا۔

اس محاصرہ کی وجہ سے ترک فوجیوں کی ایک بڑی تعداد بھی بھوک اور بیماری سے ہلاک ہوئی۔

مدینہ...... ہاشمی اقتدار میں

شعبان 1334 ہجری (1915ء) میں مکہ کے شریف حسین بن علی نے ترکوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی ''الاتحاد'' اور ''الترقی'' تنظیمیں بن گئیں۔ ''یونین'' اور ''پروگریس'' جن کا مقصد عرب سرزمین کو آزاد کروانا اور طاقت کے بل پر عربوں کو ترک بنانے کے منصوبہ کی مزاحمت کرنا تھا کیونکہ یہ عربوں کو ترکی اور ترکوں کو عرب میں آباد کرنے کا منصوبہ تھا۔ عرب انقلاب کی وجہ سے ترک باشندوں میں جو حجاز، شام، لبنان، اردن اور فلسطین میں مقیم تھے خوف و ہراس پھیل گیا تا آنکہ انہوں نے عربی سرزمین کو خیر باد کہہ دیا۔ جنگ عظیم اول کے دوران انقلابی انگریزوں کے ساتھ مل گئے تا کہ فتح حاصل کر سکیں۔ اس وقت تک عربوں کے پاس ضروری طاقت اور تجربہ نہ تھا کہ وہ ترکوں کو اپنی سرزمین سے باہر نکال سکیں۔ انگریزوں نے عربوں سے وعدہ کیا کہ وہ عرب سرزمین کو آزاد کروا دیں گے، لیکن متحدہ فوجوں کی ترکوں اور جرمنی کے خلاف فتح

کے بعد انگریز اپنے وعدہ سے منحرف ہو گئے۔ متحدہ ملکوں نے عرب سرزمین کو تقسیم کر کے اپنی نو آبادیاں بنالیں۔ یورپ والوں نے عراق، شام، لبنان، اردن، اور فلسطین کو اپنی نو آبادیاں بنالیا۔ مصر اس وقت تک پہلے ہی انگریزوں کے ماتحت تھا۔ لیبیا، تیونس اور الجیریا، اٹلی اور فرانس کی نو آبادیاں بن گئے۔

اہل مدینہ کی واپسی

عثمانی دورِ اقتدار میں جو اہل مدینہ اپنے گھر چھوڑ کر محاصرہ کے دوران پناہ گزین ہو گئے تھے وہ واپس اپنے گھروں میں آ گئے۔ ہاشمی حکومت نے واپس آنے والوں کی مدد کی اور ان کو ماہوار مالی امداد فراہم کی۔ ان لوگوں نے باوجود کمزور سکت اور غربت کے ایک نئی زندگی کا آغاز کیا۔ ترکوں کی حکمرانی کے آخری ایام میں مدینہ کی کل آبادی 80,000 تھی اور 15,000 مزید واپس شہر میں آ گئے۔

امیر علی بن حسین نے مدینہ کی حکمرانی کی تا آنکہ وہ جدہ کے بادشاہ بنا دیئے گئے۔ مدینہ کے نائب حاکم امیر احمد بن منصور تھے۔ اشرف کے پورے دور حکومت میں مدینہ میں ان کا نائب (Regent) شریف بنی حسین رہے۔

مدینہ......سعودی عملداری میں

مدینہ میں اشرف کی حکومت زیادہ دیر نہ چل سکی اور جلد ہی شاہ حسین بن علی اور شاہ عبدالعزیز السعود کے مابین ایک علاقہ جو دو دیہاتوں 'خرما' اور 'تربا' پر منحصر تھا کی حاکمیت پر جھگڑا ہو گیا۔ ان دو دیہاتوں کا امیر، اشرف کے دور میں خالد بن لوئی تھا۔ وہ بعد میں شاہ عبدالعزیز کے ساتھ مل گیا اور دونوں دیہات سعودی مملکت میں شامل کر دیئے گئے۔ دونوں بادشاہوں کے درمیان کوئی معاہدہ طے نہ پایا تھا، جس طرح معاہدہ کے لیے گفت وشنید ہوئی تھی اور شاہ حسین

نے نجد کے لوگوں پر حج کرنے کی پابندی عائد کر دی تھی شاہ عبدالعزیز اس پر خوش نہ تھے۔ اس ایک بناء پر شاہ عبدالعزیز کی فوجوں نے اس علاقہ پر قبضہ کرلیا۔ مکہ 14 ربیع الاول 1343 ہجری (1924ء) کو فتح ہو گیا اور اس کے بعد جدہ 4 جمادی الثانی 1343 ہجری (1925ء) کو فتح کرلیا گیا۔ جب مدینہ کا محاصرہ لمبا ہو گیا تو اہل مدینہ نے ایک وفد جو شیخ مصطفیٰ عیدل اور شیخ زائد ناصر پر منحصر تھا، نامزد کیا۔ یہ وفد ریاض میں شاہ عبدالعزیز سے ملا اور کہا کہ اہل مدینہ آپ کے کسی بھی بیٹے کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار ہیں۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے محمد کو شہر مدینہ کا کنٹرول حاصل کرنے کے لیے نامزد کیا تاکہ اس وقت کے گورنر شریف احمد بن منصور اور اس کی چھاؤنی کے کمانڈر عبدالمجید پاشا سے قبضہ حاصل کرے۔ یہ تقریب 19 جمادی الاول 1344 ہجری (1925ء) کو منعقد ہوئی۔ جب شہر میں امن و امان بحال ہو گیا تو شہزادہ محمد، ریاض واپس چلے گئے لیکن وہ مدینہ کے گورنر ہی رہے۔ مدینہ میں نائب گورنر نامزد ہوتے رہے جن کو گورنر کے مکمل اختیارات نظم و نسق چلانے کے لیے دیئے گئے تھے۔

مدینہ میں علماء اور اسلامی فقہا

مدینہ منورہ اسلامی تعلیم اور اسلامی علم فقہ کے لاتعداد ابتدائی ذرائع سے بھرا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سب سے بڑے استاد اور رہبر تھے اور پھر ان کے گراں قدر صحابہ کرام۔

انصار اور مہاجرین انتہائی مخلص اور دیانتدار طالب علم واقع ہوئے تھے۔ جن علماء، فقہاء اور خدام نے نبی ﷺ کے سکول سے اسناد حاصل کیں ان میں بے شمار مومن مرد اور خواتین شامل ہیں۔ کوئی بھی عالم جو قران اور سنت کی سختی سے پیروی کرے گا وہ اسی سکول کا طالب علم ہی جانا جائے گا۔

نبی ﷺ نے جو شمع روشن کی تھی اس نے علم، ایمانی حقیقت اور ہدایت کے نور سے مدینہ کو

بقع نور بنا دیا، پھر یہ نور مدینہ سے نکل کر جزیرہ نما عرب اور تمام دنیا میں پھیل گیا۔ یہ نور دائمی ہے اور اللہ کے فضل سے بڑھتا ہی رہے گا اور دنیا کی کوئی طاقت اس کو ختم نہیں کر سکتی۔

نبی کریم ﷺ کے شاگردوں کے پہلے گروپ میں حضرت مصعبؓ بن زبیر تھے جن کو حضور ﷺ نے ہجرت سے پہلے مدینہ بھیجا کہ وہاں کی آبادی کو دینی شعار کی تعلیم دے سکیں۔ ان کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ صدیق، عمرؓ بن خطاب، عثمانؓ بن عفان، علیؓ بن ابو طالب، معاذؓ بن جبل، زیدؓ بن ثابتؓ، عبداللہؓ بن سلام، ابوہریرہؓ، ابوذر غفاریؓ، عبداللہؓ بن عباس، عبداللہؓ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ بنت ابوبکرؓ صدیق (ام المومنین)، حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ بن خطاب (ام المومنین) اور ان کے دوسرے فقیہ اور عالم ساتھی شامل ہیں۔ ان کے بعد دو سے چھ گروپ بنتے ہیں وغیرہ۔ ان میں یہ شامل تھے:

عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ، محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس، محمد بن علی بن حسین، عامر بن عبداللہ بن زبیر، سعید بن مصعب، محمد بن عبدالرحمان بن مغیرہ، مالک بن انس مالکی فقہ کے بانی، امام مالکؒ کے بے شمار شاگرد تھے جنہوں نے ان کے خیالات کو اندلس اور مغرب میں متعارف کروایا۔ امام مالکؒ نے مدینہ منورہ میں تعلیم حاصل کی اور ماسوائے حج ادا کرنے کے وہ کبھی بھی مدینہ سے باہر نہیں گئے تھے۔ وہ 94 ہجری (714ء) میں ذوالمروہ کے مقام پر جو مدینہ کے شمال میں واقع ہے پیدا ہوئے۔ ان کی وفات 176 ہجری (794ء) میں ہوئی اور ان کو مدینہ میں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ ان کے شاگردوں میں سے ایک امام شافعیؒ بھی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی تمام زندگی مسلمانوں کی تعلیم و تربیت میں صرف کر دی تا کہ وہ اسلام کو پھیلانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ ان کے ماننے والوں نے بھی پوری کامیابی کے ساتھ ان کے

اس پیغام کو پھیلایا۔ انہوں نے پوری دیانت اور لگن سے نہ صرف اسلام کی اشاعت کی بلکہ اس کی بنیادوں کو مضبوط بنایا۔ مدینہ نے اپنی تاریخ میں لاتعداد مفکر، عالم اور مبلغ پیدا کئے اور اس کی آبادی دینی علم کے مختلف شعبوں کی وارث بن گئی۔

مسجد نبوی ایک عالیشان اسلامی یونیورسٹی کے طور پر اپنا کردار ادا کرتی رہی جہاں تمام دنیا کے طالب علم اکٹھے ہو کر علم حاصل کرتے اور فقہ (قانون شریعت) کے مشکل اور دقیق مسائل پر تجزیہ نگاری و بحث کرتے تھے۔ علماء دین کے گھر کالج بن گئے تھے جہاں طلباء ابن ھرمز اور ابن شہاب کے لیکچر سنا کرتے تھے۔ امام مالک ھرمز کے شاگرد تھے اور وہ ان کی جماعت میں رات دیر تک حاضر رہتے۔

شاگرد بڑی تعداد میں علماء کی جماعتوں میں حاضر ہوتے تھے اور جماعت شروع ہونے سے بہت پہلے ہی انتظار کرتے رہتے تھے۔ امام مالکؒ نے اس وقت تک فتویٰ دینا شروع نہیں کیا تھا جب تک 70 علماء نے ان کے لیے ایسا کرنے کی سفارش نہیں کی تھی۔ ابن شہاب ان چند بڑے علماء میں شامل ہیں جنہوں نے احادیث نبوی لکھیں اور اس شعبہ کے بنیادی نقاط کی تشریح کی۔ علماء کی ایک بڑی تعداد مدینہ سے دوسرے اسلامی ممالک میں چلی گئی تاکہ عوام کو اسلام کی صحیح تعلیم کے متعلق رہنمائی دے سکیں۔

علماء اور فقہاء کے علاوہ اس یونیورسٹی نے منصفوں (جج) مبلغوں، سیاستدانوں اور ریفارمرز کو بھی اسناد دیں۔ ان لوگوں نے اسلامی تہذیب کی بنیادوں کو بہت مضبوط بنا دیا تھا۔ اس یونیورسٹی نے مصنفوں، دانشوروں اور ان صاحب قلم احباب کو بھی اسناد عطا کیں جنہوں نے اس کائنات کے مخفی رازوں سے پردہ اٹھانے کی خاطر اپنی تحقیق اور کاوشوں پر ضخیم کتابیں لکھیں۔ ان کاموں نے ایک ایسی اسلامی سوسائٹی بنانے میں مدد کی جو اسلام کے ان دشمنوں کے لیے رشک

کا باعث بنی جو اس مذہب کو ختم کرنا چاہتے تھے۔

گزشتہ 1300 سال میں مختلف رکاوٹوں کے باوجود شہر مدینہ نے اپنی علمی فضیلت کو قائم رکھا ہوا ہے۔ یہ شہر آج بھی علم و دانش کا مرکز ہے۔

مسجد نبوی اب بھی ایک عظیم دانش گاہ کے طور پر اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔ دنیا کے مختلف علاقوں سے طلباء حصول علم کی خاطر مسجد نبوی میں آتے ہیں اور دینی علوم، عربی زبان، ریاضی، فلکیات، تاریخ اور دوسرے شعبہ جات میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ جب ہم سکول میں پڑھا کرتے تھے اس وقت بھی یہ تمام علوم تقریباً 20 کلاسوں میں پڑھائے جاتے تھے۔ ممتاز عالم دین بطور معلم یہاں کام کرتے تھے۔ درس و تدریس کا عمل صبح بعد نماز فجر شروع ہوتا تھا اور رات عشاء کی نماز کے بعد تک چلتا تھا۔

جنگ عظیم دوم کے بعد، یونیورسٹیوں کے قیام اور پرائمری و سیکنڈری تعلیم کے آغاز کی وجہ سے مسجد نبوی میں تدریسی عمل ماند پڑ گیا۔ دینی تعلیم میں کمی کو پورا کرنے کی خاطر حکومت نے مدینہ میں ایک اسلامی یونیورسٹی قائم کی جس میں مختلف اسلامی ملکوں کے رہنے والوں کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ ریاض میں بھی ایک اسلامی یونیورسٹی کا قیام کیا جا چکا ہے۔ سعودی عرب کی سلطنت میں مختلف علاقوں میں دینی تعلیم کے مدارس کھول دیئے گئے ہیں۔

باب 2

مسجد نبوی ﷺ

1400 سالوں میں

مسجد نبوی ﷺ

رسول اکرم حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کو صرف تین مساجد میں جانے کے لیے سفر کرنا چاہیے، میری مسجد، مسجد الحرام اور مسجد اقصیٰ۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میری مسجد میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازیں ادا کرنے سے بہتر ہے ماسوائے مسجدِ الحرام کے۔ یہ بات مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کی فضیلت کی تصدیق کرتی ہے۔

مسجد نبوی ﷺ کا محل وقوع

مسجد نبوی ﷺ خطِ عرض بلد کے 0.35 درجے، زمین کے 24 ڈگریز، 28 منٹ پانچ سیکنڈ اور خط طول بلد کے 0.61 درجے، زمین کے 31 ڈگریز، 36 منٹ ایک سیکنڈ پر واقع ہے۔

یہ مسجد سطح سمندر سے 597 میٹر اونچائی پر ہے اور مدینہ کے عین وسط میں ایک چمکتے چاند اور دمکتے زیور کی طرح واقع ہے۔ یہ اسلام کی روشنی اور نور افشانی کا ایک ذریعہ ہے۔

مسجد کی زمین

مسجد نبوی کی زمین کا قطعہ جس پر یہ بنائی گئی تھی شروع میں اسے کھجوریں خشک کرنے کے کام کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اور یہ دو یتیم بھائیوں جن کے سرپرست (حضرت) اسدؓ بن ذرارہ انصاری تھے، کی ملکیت تھی۔ وہ سہیل اور سہل تھے جو نافع بن عمر بن ثعلبہ نجار کے بیٹے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مسجد بنانے کے لیے ان کی یہ زمین خرید لی تھی۔

یہ جگہ کھجور کے درختوں سے بھری پڑی تھی اور یہاں مشرکین کی قبریں اور کھنڈرات تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ درخت کاٹ دیئے جائیں، قبریں اکھاڑ دی جائیں اور

کھنڈرات ہٹا دیئے جائیں۔ یہ کام کرنے کے بعد زمین کو اس حد تک ہموار کیا گیا کہ وہاں تعمیری کام ہو سکے۔

رسول اللہ ﷺ کے وقت میں مسجد کی تعمیر

رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں مسجد کی دو بار تعمیر ہوئی۔ پہلی بار، پہلے ہجری سال میں (622ء) میں، تب اس کا رقبہ 850.5 مربع میٹر اور اونچائی 2.9 میٹر تھی۔

دوسری بار سات ہجری میں خیبر کی فتح کے بعد۔ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے مسجد کی توسیع کی ضرورت پیش آئی تاکہ زیادہ نمازیوں کے لیے گنجائش پیدا ہو سکے۔ اس بار مسجد کی وسعت 2025 مربع میٹر ہو گئی تھی۔ اس کی بنیاد پتھروں سے رکھی گئی، دیواریں اینٹوں کی اور ستون کھجور کے درختوں کے تنوں سے بنائے گئے۔ اونچائی بھی 4.06 میٹر کر دی گئی تھی۔

چھت کھجور کے درختوں کی ٹہنیوں کو گارے سے مضبوط کر کے بنائی گئی تھی اور ڈھلان دی گئی تاکہ برسات کے موسم میں پانی کا اخراج ہو سکے۔

رسول اکرم حضرت محمد ﷺ نے خود بھی تعمیر کے کام میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حصہ لیا۔ وہ پتھر اور اینٹیں ڈھوتے تھے۔

مسجد کی حدود

مسجد میں آنے والے آج کے شخص کے لیے بعد میں ہونے والی بہت سی توسیعات اور تعمیری مرمتوں کی وجہ سے بہت مشکل ہے کہ وہ نبی ﷺ کے وقت کے بنے ہوئے حصہ کی شناخت کر سکیں۔ تاہم میں کوشش کروں گا کہ قارئین صاحبان اور زائرین کو رسول اکرم ﷺ کے وقت کی حدود مسجد کی دیواروں کی تشریح کر کے بتا سکوں۔

جنوبی دیوار

یہ دیوار جہاں رسول اکرم ﷺ محراب[1] میں نماز پڑھا کرتے تھے، سے آدھا میٹر فاصلے پر واقع ہے۔ موجودہ زرد رنگ کے چھوٹے ستون جو مشرق سے مغرب کی طرف جاتے ہیں اور چبوترے (Dais) سے آدھے میٹر کے فاصلے پر رکھے گئے ہیں، یہ رسول اللہ ﷺ کے وقت میں صحیح جنوبی دیوار تھی۔

شمالی دیوار

رسول اللہ ﷺ کے وقت کی پرانی تعمیر شدہ شمالی دیوار کو سلطنت عثمانیہ کے سلطان عبدالمجید کے عہد میں کی گئی تزئین کے دوران جونئی شمالی دیوار بنائی گئی تھی، اس میں شامل کر لیا گیا تھا۔ یہ دیوار مشرق سے مغرب کی طرف موجودہ مسجد کے دروازہ جسے مستورات کا دروازہ کہتے ہیں، کی توسیع ہے۔

مشرقی دیوار

یہ دیوار چبوترے کے مشرقی حصہ کے دائیں جانب پانچویں ستون سے 1.8 میٹر پر واقع ہے۔

مغربی دیوار

یہ دیوار شمال سے جنوب میں واقع ان ستونوں پر منحصر ہے جن کے اوپر عربی زبان میں لکھا ہوا ہے کہ ''مسجد نبوی کی حدود کا اختتام''۔

یہ نبی ﷺ کے وقت میں بنائی گئی مسجد کی حدود ہیں۔ احادیث صحیحہ کے مطابق اب بھی پوری مسجد نبوی ﷺ کو مسجد (مسجد نبوی) ہی کہا جائے گا خواہ اس کو کتنا ہی بڑھا دیا گیا ہو۔ ایک حدیث میں جو ابن شیبہ اور یحیٰی دیلمی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ ''اگر یہ مسجد صنعاء (شمالی یمن) تک بھی بڑھا دی جائے تب بھی یہ میری ہی مسجد ہو گی۔''

1. اسی کتاب میں ہی بتایا گیا ہے (صفحہ 78) کہ رسول اللہ ﷺ اور چاروں خلفائے راشدین کے وقت میں مسجد نبوی میں کوئی محراب نہ تھی اور پہلی بار محراب حضرت عمر بن عبدالعزیز گورنر مدینہ کے دور میں بنائی گئی (مترجم)

ان دونوں اشخاص نے ہی ابن ابی عمرؓ سے ایک دوسری حدیث میں روایت کیا ہے کہ ''اگر ہم اس مسجد کو قبرستان تک بڑھا دیں تب بھی یہ مسجد نبوی ہی ہوگی''[1]

مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں لگے ہوئے دروازے

جو دروازے اب ہم دیکھ رہے ہیں یہ وہ نہیں ہیں جو پرانی تعمیر میں لگے تھے۔ ان کی جگہ بھی تبدیل ہو گئی ہے۔ تاہم میں کوشش کروں گا کہ بتا سکوں کہ اس عمارت میں وہ پرانے دروازے کس جگہ واقع تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے پہلی بار اپنی مسجد کی تعمیر کی، نماز کا رخ شمال کی طرف القدس (یروشلم) میں مسجد اقصیٰ کی طرف تھا۔ مسجد (نبوی) میں صرف تین دروازے تھے۔ جو مشرق، مغرب اور جنوب میں کھلتے تھے۔

جب قبلہ مکہ میں کعبہ کی طرف تبدیل ہوا تو ایک نیا دروازہ مسجد کے شمالی حصہ میں کھولا گیا اور جنوبی دروازہ بند کر دیا گیا۔

مشرقی دروازہ

اس دروازہ کو مختلف نام دیئے جاتے رہے تھے جن میں باب عثمان اور باب نبی شامل ہیں (کیونکہ نبی ﷺ اسی دروازہ سے مسجد میں داخل ہوا کرتے تھے)۔ یہ دروازہ اب باب جبرائیلؑ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اگر کوئی زائر اس دروازہ سے داخل ہو کر سیدھا مغرب کی طرف چلے تو وہ زرد رنگ کے چھوٹے ستونوں تک پہنچ جائے گا، جو اغوات چبوترہ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں، پھر وہ فانوس جو کہ وہاں لٹک رہا ہے، کے نیچے کھڑا ہو تو بالکل اس جگہ پر ہوگا جہاں رسول اللہ ﷺ کے وقت

---

1. قبرستان مسجد کے مشرقی طرف وہ جگہ ہے جو بقیع کہلاتی ہے اور اہل مدینہ اپنے وفات یافتہ لوگوں کی تدفین کرتے ہیں اور تقریباً 10,000 صحابہ کرام یہاں دفن ہیں۔

باب جبرائیل

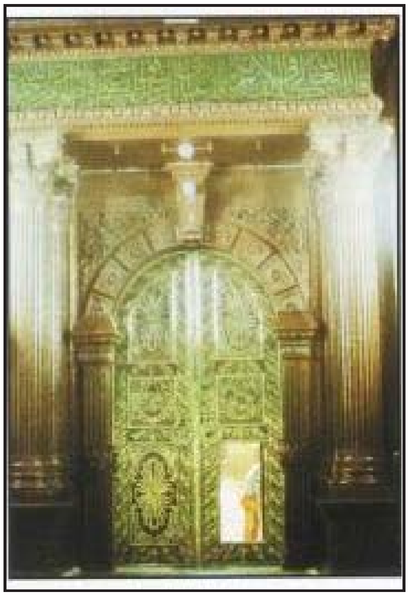

باب رحمت

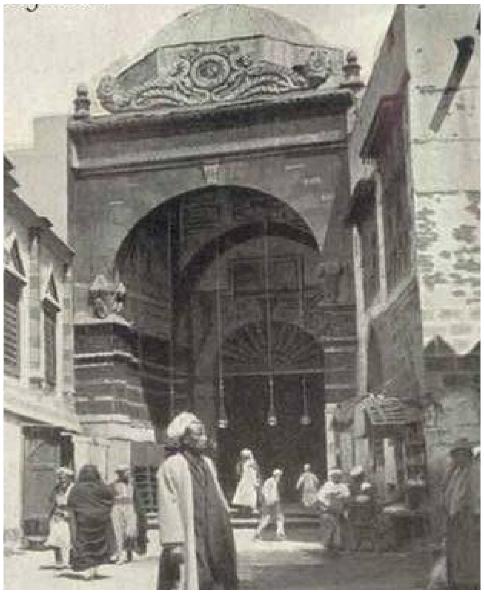

باب السلام

کا بنا ہوا مشرقی دروازہ تھا۔

مغربی دروازہ

پرانے وقتوں میں اس کو باب عتیقہ کے نام سے پکارا جاتا تھا لیکن اب اس کا نام باب رحمت ہے۔ جب کوئی زائر اس دروازہ سے داخل ہوتا ہے اور مشرق کی طرف چلتا ہے اور پھر آخری ستون پر کھڑا ہوتا ہے جس کے اوپر عربی میں لکھا ہے کہ ''مسجد نبوی کا اختتام'' تو وہ عین اس جگہ پر کھڑا ہے جہاں رسول اکرم کے وقت میں مغربی دروازہ لگا ہوا تھا۔ موجودہ مغربی دروازہ عین نبی ﷺ کے بنائے ہوئے دروازہ کے مقابل ہے۔

جنوبی دروازہ

یہ دروازہ اب باب عمر کے نام سے جانا جاتا ہے اور جنوبی دیوار کی مشرقی طرف واقع ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ اور روضۂ رسول ﷺ کے درمیان واقع ہے۔ اس کو اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ روضۂ رسول کی کھڑکی کے جنوب مغربی زاویہ پر ہے۔

یہ دروازہ بند کر دیا گیا تھا اور ایک نیا دروازہ شمال کی طرف اس وقت کھول دیا گیا تھا جب قبلہ مسجد اقصیٰ سے تبدیل ہو کر کعبہ کی طرف ہو گیا تھا۔

شمالی دروازہ

یہ دروازہ نبی اکرم ﷺ نے شمالی دیوار میں پرانے جنوبی دروازہ کے متوازی کھولا تھا جب کہ قبلہ کی مسجد اقصیٰ سے کعبہ کی طرف تبدیلی کی وجہ سے اس کو (پرانے جنوبی دروازہ کو) بند کر دیا گیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے نماز پڑھنے کی محراب

مسجد اقصیٰ سے خانۂ کعبہ کی طرف قبلہ تبدیل کر دیا گیا جیسا کہ سورۂ نمبر 2 (البقرہ) آیت نمبر 144 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''ہم تمہارے چہرہ کو (رہنمائی کے لیے) بار بار

آسمان کی طرف مڑتے دیکھ رہے ہیں! اب ہم تمہیں کعبہ کی طرف موڑ دیں گے جو کہ آپ کو خوش کر دے۔ اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف موڑ دو: جہاں کہیں بھی تم ہو، اپنا چہرہ اس طرف (جہت) موڑ دو۔''

رسول اکرم ﷺ اور چاروں خلفاء کے وقت میں نماز کے لیے کوئی محراب موجود نہ تھی۔ اس کا سب سے پہلے آغاز حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بنو امیہ کے عہد میں کیا جب حاکم وقت ولید بن عبدالملک نے 88-91 ہجری (708-711ء) میں مسجد نبوی کی توسیع اور تزئین کا کام کیا۔

موجودہ محراب، شریف قایتبائے[1] کے وقت کی گئی تزئین کے آثار ہیں۔ جس جگہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کی جانب نماز پڑھا کرتے تھے وہ محراب کا مغربی حصہ ہے۔

اگر کوئی زائر محراب کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھے اور پھر چبوترے (Dias) سے چھ میٹر دور کھڑا ہو جائے تو وہ عین اس جگہ کھڑا ہوگا جہاں نبی اکرم ﷺ نماز پڑھاتے وقت کھڑے ہوا کرتے تھے۔

چبوترے (Dias) کے اوپر لکھا ہوا ہے ''یہ رسول اللہ ﷺ کی نماز ادا کرنے کی جگہ ہے۔'' پس ایک زائر کو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اللہ کے سامنے اپنی سپردگی پیش کرنی چاہیے۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں تو کہو کہ میں ان کے بہت قریب ہوں: میں اپنے ہر بندے کی دعا سنتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے۔ میرے بندوں کو بھی چاہیے کہ وہ دل سے میرے احکام کو مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں۔ (سورۂ بقرہ آیت 186)

1۔ حاکم مصر۔

اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے: ''کہ مجھے بلاؤ تو میں تمہاری دعا کا جواب بھی دوں گا''۔ (سورۂ مومن (غافر):40 آیت:60)

نبی ﷺ کی مسجد اقصیٰ کی جانب نماز ادا کرنے کی جگہ

نبی اکرم حضرت محمد ﷺ 16 یا 17 ماہ مسجد اقصیٰ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ جب تک کہ ان کو قبلہ، کعبہ کی طرف تبدیل کرنے کا حکم نہیں ملا، جو جنگ بدر سے دو ماہ پہلے دیا گیا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں ''رسول اللہ ﷺ نے قبلہ تبدیلی کے بعد پہلی نماز جس مسجد میں ادا کی وہ مسجد قبلتین (دو قبلوں والی مسجد) کہلاتی ہے جو مدینہ میں بنی سالم کے محلّہ میں واقع ہے۔ یہ تبدیلی نماز عصر کے وقت آئی۔

اس مسجد میں ایسی کوئی نشانی نہیں ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کے قبلہ کی تبدیلی سے پہلے مسجد اقصیٰ کے رخ نماز پڑھنے کی جگہ کا تعین کیا جا سکے۔ میں یہاں کوشش کروں گا کہ اس جگہ کے متعلق جس قدر ممکن ہو بتا سکوں۔

اگر آپ مسجد میں داخل ہو کر سیدہ عائشہؓ کے ستون سے گزر جائیں اور وہ آپ کے پیچھے رہ جائے اور پھر آپ سیدھا شمال کی طرف چل کر باب جبرائیل کے متوازی آ جائیں تو آپ اس جگہ پر ہوں گے جہاں رسول اللہ ﷺ مسجد اقصیٰ کی طرف نماز ادا کیا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی ادائیگی نماز کی جگہ (مصلیٰ) ستون سیدہ عائشہؓ پر

رسول اللہ ﷺ اپنی محراب میں مستقل طور پر نماز پڑھنے سے پہلے (جو جگہ میں نے پیچھے واضح کر دی ہے)، کافی دن نماز کی امامت سیدہ عائشہؓ ستون پر فرماتے رہے۔ میں اس جگہ کی تشریح بعد میں کروں گا۔

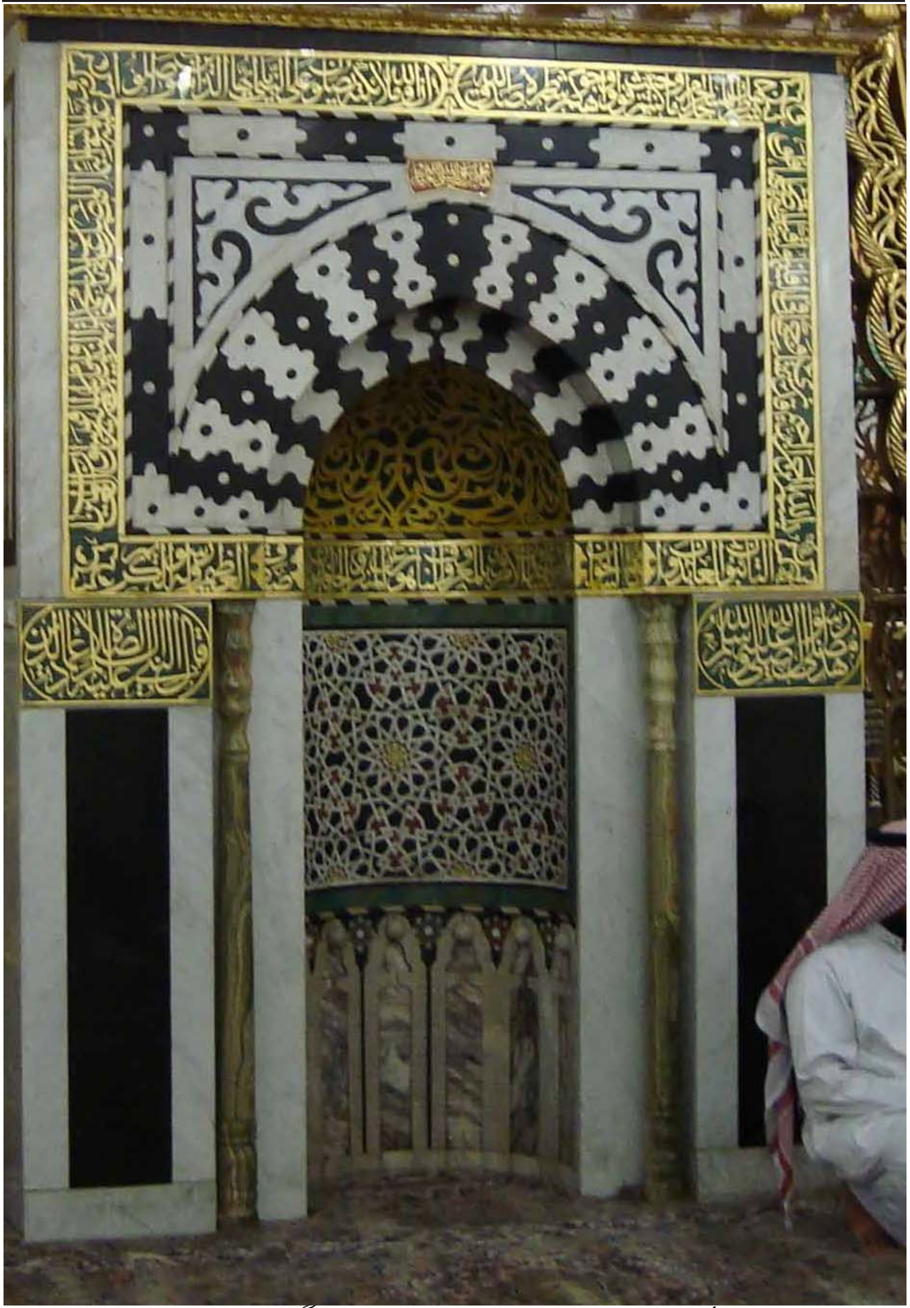

محراب، جس کی دائیں جانب کی سیاہ پٹی وہ جگہ ہے جہاں رسول اللہ ﷺ ادائیگی نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے
(اس کے اوپر عربی زبان میں تختی آویزاں ہے)

مسجد نبوی میں تاریخ ساز ستون

مسجد کے جنوبی حصہ میں جو ستون نظر آتے ہیں وہ سلطنت عثمانیہ کے حاکم سلطان عبدالحمید کے وقت تزئین کے دوران بنائے گئے تھے۔ یہ ستون رسول اکرم ﷺ کے بنائے ہوئے کھجور کے تنوں سے بنے ستونوں کی جگہ تھے۔

یہ آٹھ ستون ہیں جن کی خاص اہمیت ہے اور اس طرح یہ تاریخی بھی ہیں۔ وہ یہ ہیں:

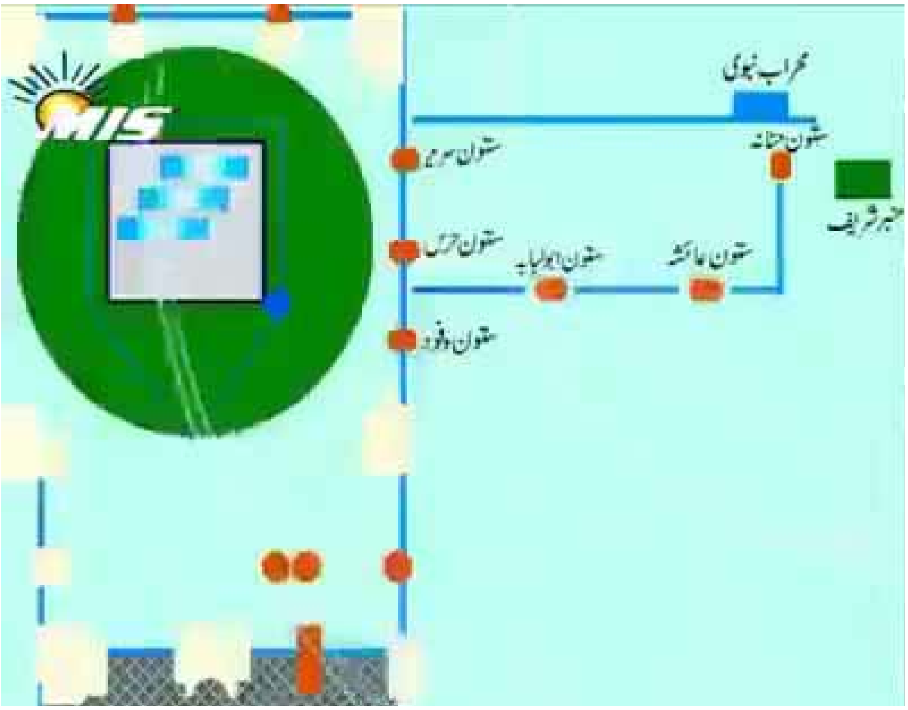

1- یہ وہ ستون ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی جائے عبادت پر ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے اسے خوشبو (حناء) کا ستون بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت مسلمہؓ بن اقوعہ جو رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے کو اکثر اس ستون کے پاس نماز پڑھتے دیکھا جاتا تھا۔ جب ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ یہاں نماز ادا کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ امام مالک نے بھی فرمایا کہ

نوافل ادا کرنے کے لیے سب سے بہترین جگہ ستون خوشبو ہی ہے۔

یہ ستون قدرے قبلہ کی سمت میں ہے اور اس کا کچھ حصہ محراب میں داخل ہونے کے لیے بنایا گیا تھا۔

2- ستون سیدہ عائشہؓ

یہ ستون منبر سے تیسرا ہے اور روضۂ رسول ﷺ سے تیسرا اور تیسرا ہی مسجد میں قبلہ سے ہے۔ اس کو ستون مہاجرین بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ یہاں اکٹھے ہوتے تھے۔

اس ستون کا تیسرا نام ستون قرعہ بھی ہے۔ طبرانی اپنی کتاب الاوسط میں سیدہ عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری مسجد میں ایک جگہ ایسی ہے کہ اگر لوگوں کو اس کی فضیلت کا علم ہو جائے تو وہ وہاں اس قدر تعداد میں دعا کے لیے اکٹھے ہو جائیں کہ اس جگہ پر نماز پڑھنے کے لیے قرعہ اندازی کرنی پڑے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ نے وہ جگہ بتانے سے گریز کیا لیکن یہ خیال ہے کہ انہوں نے خاموشی سے اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بتا دیا تھا۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے بہت سی فرض نمازوں کی امامت قبلہ کی تبدیلی (مسجد اقصیٰ سے خانہ کعبہ کی طرف) سے پہلے اسی جگہ پر ادا کی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عامر بن عبداللہ رضوان اللہ عنہم نے بھی اسی ستون پر نماز پڑھی ہے۔

3- ستون توبہ

یہ ستون منبر سے چوتھا، روضۂ رسول ﷺ سے دوسرا اور قبلہ سے تیسرا ہے۔ اس کو ابی لبابہؓ ستون بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ حضرت ابولبابہؓ نے خود کو سزا دینے کی خاطر اس ستون کے ساتھ باندھ لیا تھا۔ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کا ایک راز اپنے پرانے اتحادی بنو قریضہ کے یہودیوں پر

افشا کیا تھا۔ وہ اپنے اس فعل پر پشیمان ہوئے اور اپنے آپ کو اس ستون کے ساتھ باندھ لیا اور کئی روز بغیر کھائے پیئے بندھے رہے اور قسم کھائی کہ وہ اس جگہ سے نہیں جائیں گے جب تک رسول اللہ ﷺ خود ان کو نہ کھولیں گے۔

ان کی صاحبزادی ان کو نماز ادا کرنے یا رفع حاجت کے لیے کھولتی تھیں اور پھر باندھ دیتی تھیں۔

آخر رسول اللہ ﷺ نے ابولبابہؓ کو اس وقت کھول دیا جب اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ان کی سچی توبہ کی قبولیت کا اعلان کر دیا۔

حضرت ابولبابہؓ کے متعلق دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے خود کو اس وجہ سے ستون کے ساتھ باندھ لیا تھا کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک میں نہیں جا سکے تھے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے نوافل اس ستون کے پاس پڑھتے تھے۔ وہ فجر کی نماز کے بعد اس ستون کے پیچھے بیٹھتے تھے اور غریب و ناتواں لوگوں کے ساتھ اور نومسلموں کے ساتھ باتیں کرتے تھے اور انہیں گزشتہ شب کی آمدِ وحی کے متعلق بتاتے تھے۔

4- نیند (السریر) کا ستون

یہ وہ ستون ہے جو روضۂ رسول ﷺ کی کھڑکی کے ساتھ اور ستونِ توبہ کے آگے مشرقی سمت پر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک بستر کھجور کے پتوں کا بنا ہوا[1] گاہے بگاہے نیند کرنے کے لیے اس ستون کے ساتھ رکھوایا تھا۔ اس وجہ سے اس ستون کو یہ نام دیا گیا ہے۔

5- پہرہ دینے کا ستون

یہ ستون، توبہ کے ستون کے پیچھے شمال کی طرف واقع ہے۔ یہ ستون حضرت علیؓ بن ابو

1. غالباً چٹائی ہوگی (مترجم)

طالب کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی نمازیں یہاں ادا کیا کرتے تھے۔ وہ (حضرت علیؓ) اس ستون کے اس حصہ کی طرف جو رسول اللہ ﷺ کے گھر کے دروازہ کے ساتھ واقع تھا پہرہ کی خاطر بھی بیٹھتے تھے۔

مدینہ کے بعد کے حاکم بھی یہاں عبادت کیا کرتے تھے۔

6- وفود کا ستون

یہ ستون شمالی جانب پہرہ دینے والے ستون کے عقب میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس ستون پر تشریف رکھا کرتے تھے اور قبائل کے وفود کو بھی یہاں ہی ملتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ کے بہت سے صحابہ کرام اکثر یہاں بیٹھا کرتے تھے۔

7- ستون جبرائیل علیہ السلام

یہ ستون حضرت جبرائیل علیہ السلام کے نام سے جانا جاتا ہے اور روضۂ رسول ﷺ کے مغربی جانب واقع ہے۔ اکثر مؤرخین کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی اور خلیفہ رسول حضرت علیؓ بن ابو طالب کی بیوی حضرت سیدہ فاطمہؓ کا گھر اس ستون کے سامنے تھا[1]

8- ستون تہجد

یہ ستون سیدہ فاطمہؓ کے گھر کے شمالی حصہ کے پیچھے ہے۔ اس کی ایک محراب بھی ہے۔ اگر کوئی شخص اس ستون کے ساتھ کھڑا ہو تو مسجد کا باب جبرائیل اس کے بائیں ہاتھ پر ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس نماز کے لیے ایک پتوں کی بنی ہوئی چٹائی تھی جو وہ رات کے پچھلے پہر نکال کر حضرت سیدہ فاطمہؓ کے گھر کے پیچھے ڈال کر نماز (تہجد) پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔

1۔ بعض دوسری کتب میں لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اسی جگہ سے رسول اللہ ﷺ کو ملنے کے لیے داخل ہوتے تھے۔ اب یہ ستون عام لوگ نہیں دیکھ سکتے۔ (مترجم)

حضرت علیؓ سیدہ فاطمہ الزہراؓ کے گھر کے اصل دروازہ کا مقام، نشان

خاتون جنت حضرت فاطمہؓ کی شادی پر لی گئی اوڑھنی (VEIL) جو کلمہ طیبہ لکھے جزدان میں رکھی گئی ہے۔ یہ نادر تبرک اس وقت استنبول (ترکی) کے تاریخی میوزیم توپ کاپی (Topkapi) میں فہرست نمبر 480-21 کے تحت درج شدہ ہے (مترجم)

اس نماز کو تہجد یا رات کے پچھلے پہر کی خود اختیاری (Voluntary) نماز کہا جاتا ہے۔ جب ایک رات آپ کے صحابہ نے آپ کے ساتھ شمولیت کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک خود اختیاری نماز ہے جو وہ ان کو نہیں بتانا چاہتے تھے مبادا یہ نماز لوگوں کے لیے فرض بن جائے۔

رسول اللہ ﷺ کا منبر

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔'' انہوں نے مزید فرمایا ''میرا منبر جنت کے ایک تالاب پر کھڑا ہے۔''

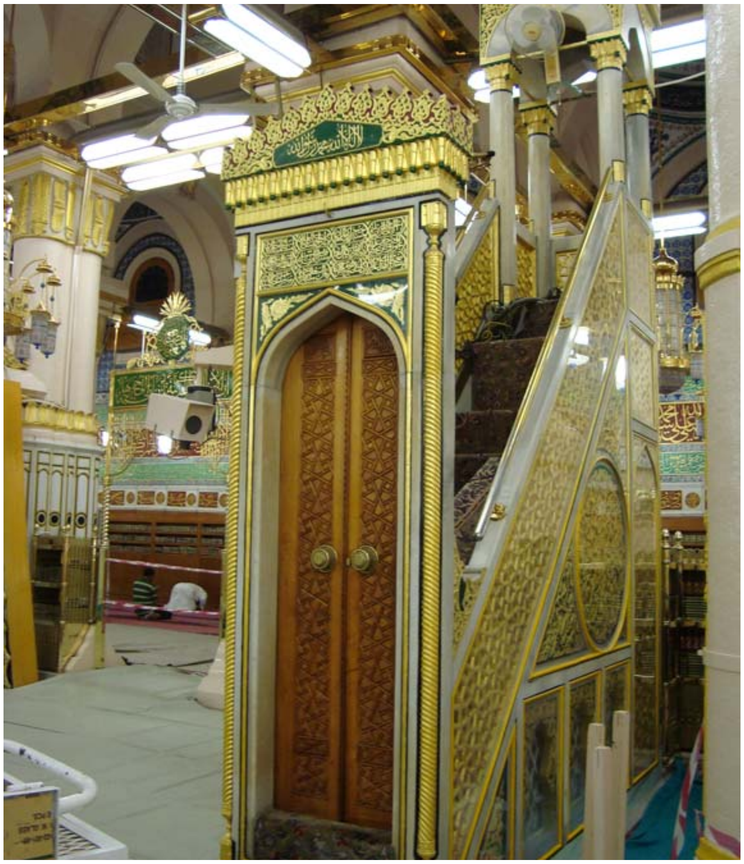

منبر رسول ﷺ (موجودہ)

نسائی جو احادیث بیان کرنے والے معتبر شخص ہیں، نے ایک حدیث کا ذکر کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ''کوئی شخص بھی اگر میرے منبر کے پاس کسی مسلمان کا پیسہ ناجائز طور پر حاصل کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائے گا اس پر اللہ، اس کے فرشتے اور سب لوگ لعنت بھیجیں گے۔''

اسی قسم کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ''اگر کوئی بھی شخص میرے منبر کے پاس اپنے چھوٹے سے گناہ کو بھی چھپانے کے لیے جھوٹی قسم کھائے گا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔''

منبر کی ارتقائی منازل

رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ مسجد میں ایک کھجور کے درخت کا تنا رکھوایا تا کہ جب کبھی خطبہ دیتے ہوئے وہ تھک جائیں یا کمزوری محسوس کریں تو اس کا سہارا لے سکیں۔ مدینہ کے ایک مسلمان شخص نے جب آنحضرت ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ میں رسول اکرم ﷺ کے لیے اس سے بہتر منبر بنا سکتا ہوں جس پر بیٹھا بھی جا سکتا ہو۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس شخص کو کہا کہ وہ اپنی اس تجویز پر کام کرے۔

اس شخص نے لکڑی کا ایک منبر تیار کیا جس میں تین یا چار سیڑھیاں تھیں۔ رسول اکرم محمد ﷺ نے اس کو آرام دہ پایا کہ خطبہ کے دوران اس پر بیٹھا جا سکتا تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے نئے منبر کا استعمال شروع کیا تو پرانا منبر اس طرح آپ کے لیے چیخ چیخ کر رویا جیسے ایک اونٹنی اپنے بچھڑے بچے کے لیے بلبلاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے محسوس کیا اور اس کو اپنی آغوش میں لے لیا تا آنکہ وہ خاموش ہو گیا۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ ایک گڑھا کھود کر اسے عزت کے ساتھ دفن کر دیا جائے۔ رسول اکرم حضرت محمد ﷺ اپنے خطبہ کے لیے تیسری سیڑھی پر کھڑے ہوا کرتے تھے۔ جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو وہ دوسری سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے اور حضرت عمرؓ بن خطاب پہلی سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے۔

خلیفہ عثمانؓ بن عفان پہلے چھ سال حضرت عمرؓ کی تقلید کرتے رہے پھر وہ رسول اکرم ﷺ

والی سیڑھی پر آ گئے۔

منبر کا بعد میں استعمال

اُمیہ عہد کے حاکم معاویہؓ نے منبر کی سیڑھیوں کا اضافہ کیا اور ان کو چھ کر دیا۔ پہلے وہ تین یا چار تھیں۔ جب 654 ہجری (1258ء) میں مسجد نبوی میں آگ لگنے کی وجہ سے یہ مکمل طور پر جل گیا تو یمن کے حاکم مظفر نے صندل کی لکڑی کا بنا ہوا ایک نیا منبر بھیجا جو دس سال تک استعمال ہوا۔

دس سال بعد 664 ہجری (1268ء) میں مصر کے ظاہر بَیبرس بندہ قاری نے ایک منبر بھجوایا جسے یمنی منبر کی جگہ رکھ دیا گیا۔ وہ 797 ہجری (1397ء) تک استعمال ہوا جب ظاہر برقوق نے ایک دوسرا منبر بھجوا کر اسے تبدیل کر دیا۔

880 ہجری (1478ء) میں مُعید شیخ منبرا نے ایک نیا منبر بھجوا دیا اور جب چھ سال بعد مسجد نبوی جل گئی تو اہل مدینہ نے ایک اور منبر اینٹوں سے تعمیر کیا۔

دو سال بعد 886 ہجری (1486ء) میں اشرف قایتبائے نے ایک سنگ مرمر کا بنا ہوا منبر بھجوایا۔ اینٹوں کا بنا ہوا منبر توڑ دیا گیا اور اس کی جگہ یہ نیا لگا دیا گیا۔

998 ہجری (1593ء) میں سلطنت عثمانیہ کے سلطان مراد نے ایک سنگ مرمر کا بنا ہوا نیا منبر بھجوایا جو اس وقت دنیا کے عجائبات میں سے ایک شمار کیا جاتا تھا۔ یہ منبر جمالیاتی اصولوں اور سونے کی نقاشی پر بنایا گیا تھا۔

قایتبائے والا منبر مسجد قباء اور سلطان مراد کا بھیجا ہوا نیا منبر یہاں (مسجد نبوی ﷺ) میں رکھ دیا گیا تھا۔ دونوں منبر ابھی بھی ان دونوں مساجد میں موجود ہیں۔

مقدس باغ (ریاض الجنت)

ریاض الجنۃ ۔ رسول اللہ ﷺ کے گھر اور منبر کی درمیانی جگہ

رسول اکرم محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ موجود ہے۔ مؤرخین اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ وہ باغ رسول اللہ ﷺ کے گھر جو سیدہ عائشہؓ کا بھی گھر ہے اور منبر کے درمیان واقع ہے۔

سلطنت عثمانیہ کے سلطان سلیم نے ریاض الجنت کے ستونوں کی تزئین کرائی

سلطان سلیم، جو 945ہجری (1541ء) میں وفات پا گئے۔ انہوں نے ریاض الجنت میں ستون تعمیر کرائے جو آدھے سفید اور آدھے سرخ رنگ کے سنگ مرمر سے بنے ہوئے تھے اور ان پر سونے کے پانی کا کام ہوا تھا۔

جب سلطان عبدالمجید نے مسجد نبوی کی تزئین کی تو ریاض الجنت والی چھت ختم کر دی لیکن سنگ مرمر کو بچا لیا گیا اور نئے ستونوں کے بنانے میں استعمال کر لیا۔ بعض ستونوں کا سنگ مرمر

سلطان سلیم جنہوں نے روضہ کے ستونوں پر پتھر لگوایا اور تزئین و آرائش کی

وقت کے ساتھ اکھڑ گیا تھا۔ ایسے ستونوں پر کچھ نقوش بنا دیئے گئے ہیں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ ان پر سنگ مرمر لگا ہوا تھا۔

مینار

رسول اللہ ﷺ اور ان کے بعد چاروں خلفاء جنہوں نے حکومت کی، ان کے ادوار میں مسجد نبوی پر کوئی مینار نہیں بنا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز جو امیہ دور میں مدینہ کے گورنر تھے، نے مسجد نبوی میں پہلی بار جب اس کی 91-88 ہجری (711-708ء) میں تزئین ہوئی، میناروں کو روشناس کیا۔ انہوں نے مسجد نبوی کے چاروں کناروں پر چار مینار بنوائے۔

سلطان عبدالمجید کے دور کی تزئین میں بنائے گئے مینار

جب سلطنت عثمانیہ کے سلطان نے مسجد نبوی کی تزئین کروائی تو پانچ ستون بنائے گئے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

1- شامیان مینار

یہ مینار مسجد کے شمال مغربی حصہ میں بنایا گیا تھا لیکن اس کو بعد میں سعودی حکومت نے مسجد کی تعمیر نو کے وقت گرا دیا تھا۔

2- مشرقی مینار

یہ مینار، سنجاریہ اور عزیزیہ مینار کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔ یہ مسجد نبوی کے شمال مشرقی کنارے پر واقع تھا لیکن اسے بھی سعودی حکومت نے تعمیر نو کے وقت منہدم کر دیا تھا۔

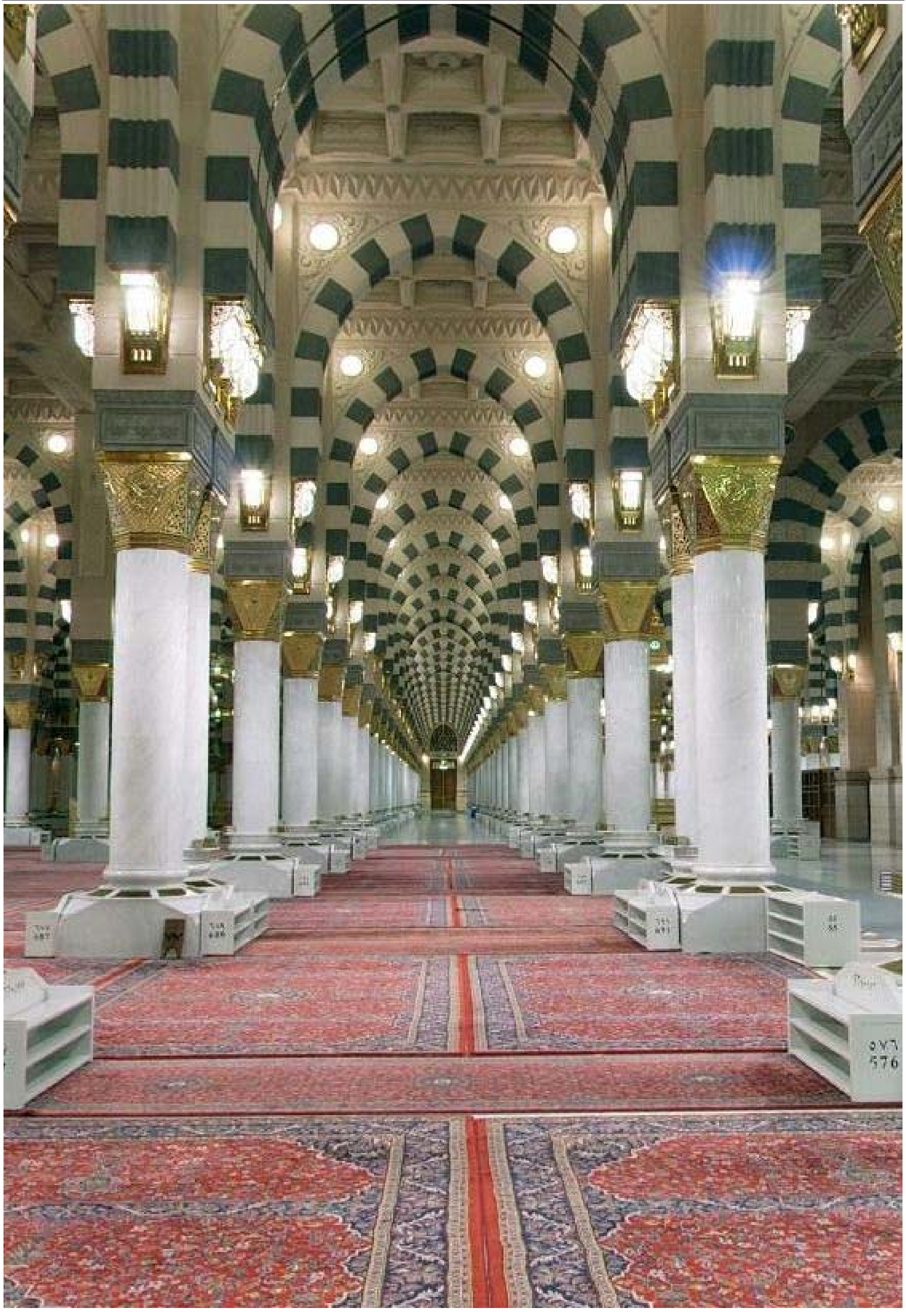

مسجد نبوی میں ریاض الجنۃ کی جانب سے مغرب تا مشرق بنی ہوئی راہداری کا منظر (شاہ فہد کے دور میں)

3- جنوب مشرقی مینار

اس کو بڑا مینار کہا جاتا تھا اور ابھی بھی اسی نام سے بلایا جاتا ہے۔ یہ وہ مینار ہے جو مسجد کے جنوب مشرقی کنارے پر گنبد خضریٰ کے قریب واقع تھا۔

اس کی تین بار تزئین اشرف قایتبائے نے 886, 888 ہجری اور 892 ہجری (1484، 1486 اور 1490ء) میں کروائی۔ اس نے اس کے بنانے کے سامان میں کالے رنگ کے پتھر کا استعمال کیا تھا اور اس کی اونچائی 60 میٹر کر دی تھی۔

اہل مدینہ نے یہ مینار، گنبد خضرا کے ساتھ اپنی علامت کے طور پر بنایا ہے۔ اخبار مدینہ منورہ نے یہی نشان اپنی پہلی اشاعت 1356 ہجری (1937ء) میں جھنڈے کے طور پر اپنایا تھا۔[1]

4- جنوب مغربی مینار

اسے مینار باب السلام (سلامتی کا دروازہ) کہا جاتا ہے، یہ ہی ایک مینار اب تک موجود ہے۔ تاریخ اسلام کے مشہور مؤرخ طبری کے مطابق یہ مینار سلطان نصر محمد بن قلاوون کے وقت کی تزئین، 706 ہجری (1309ء) سے یہاں موجود ہے۔

لیکن اسلامی تاریخ کا ایک دوسرا مؤرخ ابن فرحون کہتا ہے کہ کافور المظفری جو زیادہ تر حریری کے نام سے جانا جاتا ہے، نے یہ مینار دوبارہ بنایا تھا۔

5- مغربی مینار

یہ مینار باب رحمت کے نام سے جانا جاتا تھا اور اس کی تزئین سلطان اشرف قایتبائے نے 888 ہجری (1486ء) میں کی۔ یہ مینار مسجد نبوی کی دیوار سے باہر محمودیہ سکول کے

1۔ اخبار مدینہ منورہ مصنف کا ذاتی اخبار ہے اور مدینہ منورہ سے ہی شائع ہوتا ہے۔

اساتذہ کی رہائش والے گھر پر بنایا گیا تھا۔سعودی حکومت نے تعمیر نو کے وقت یہ مینار اور سکول گرا دیئے تھے۔

مسجد نبوی کے موجودہ پانچ میناروں کا منظر

سعودی دور میں بنائے گئے مینار

سعودی دور[1] میں مسجد نبوی کی تزئین اور وسعت کے وقت شمال مشرقی، شمالی مغربی اور باب رحمت کے تینوں ستون گرا دیئے گئے، ستونوں کی تعمیر نو میں تمام ستون گرا دیئے گئے، ہر ستون کی گہرائی 17 میٹر، اونچائی 70 میٹر ہے اور یہ دور جدید کے فن تعمیر کے مطابق بنائے گئے ہیں۔

مسجد نبوی کے طواف والے حصہ کی طرف وہ مینار جہاں سے اذان کہی جاتی ہے، کو بہت

1۔ مصنف نے سعودی دور کو شاہ عبدالعزیز ابن سعود کے دور تک ہی لیا ہے۔(مترجم)

سعودی دور میں مسجد نبوی ﷺ پر بنے دو میناروں میں سے ایک مینار کا منظر

سے بجلی کے قمقموں نے گھیر رکھا ہے اور ہر مینار کے اوپر کے حصہ کو بقعۂ نور بنا دیا گیا ہے کہ رات کے وقت یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک نورانی ستون آسمان کی طرف اُٹھان کر رہا ہے۔

مسجد نبوی کو وسعت دینے والے

جن حاکموں نے مسجد نبوی کے رقبہ کو وسعت دی اور اس کی تزئین کی ان میں خلیفہ دوم حضرت عمرؓ بن خطاب، خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ بن عفان، بنی امیہ کے ولید بن عبدالملک، عباسی حاکم مہدی عباسی، اشرف قایتبائے، سلطنت عثمانیہ کے سلطان عبدالمجید اور شاہ عبدالعزیز بن سعود شامل ہیں۔[1]

حضرت عمرؓ بن خطاب کے وقت میں مسجد نبوی کی وسعت اور تزئین

سال 17 ہجری (639ء)، میں خلیفہ عمرؓ بن خطاب نے مسجد نبوی کے جنوبی حصہ کو ایک ستون کے فاصلہ کی وسعت دی اور مغرب کی جانب سے دو ستونوں کے فاصلہ کے برابر اور شمال سے 13.5 میٹر لمبائی تک مسجد کو وسیع کیا۔ مسجد نبوی ﷺ کی کل لمبائی 53 میٹر ہو گئی اور اس کی چوڑائی 45.9 میٹر ہو گئی تھی۔

انہوں نے مسجد نبوی کی تعمیر نو رسول اللہ ﷺ کے نمونہ پر ہی کی اور اینٹوں، کھجور کے درختوں کے پتوں اور اس کے تنوں کو استعمال کیا۔ انہوں نے اس کی اونچائی 4.9 میٹر کر دی۔

حضرت عمرؓ نے اندازاً کل 1100 میٹر رقبہ کا اضافہ کیا۔

حضرت عثمانؓ بن عفان کے وقت میں مسجد نبوی میں وسعت اور تزئین

28-30 ہجری (650-652ء) میں مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ بن عفان نے مسجد نبوی کو جنوب اور مغرب کی سمت سے ایک ایک ستون کے فاصلہ سے وسیع کیا اور شمالی

1۔ اس کتاب کے لکھے جانے کے بعد 1405 ہجری تا 1414 ہجری (1984 تا 1994ء) میں مسجد نبوی کی سب سے بڑی اور تاریخی توسیع خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کے وقت میں کی گئی جس کا ذکر مترجم نے صفحہ 93,92 پر مختصراً درج کیا ہے۔

طرف سے 4.5 میٹر کی وسعت دی۔

بعض مؤرخین نے یہ بات غلط کہی ہے کہ حضرت عثمانؓ بن عفان نے شمالی طرف سے مسجد کی 22.5 میٹر توسیع کی تھی۔

انہوں نے ستونوں کی بناوٹ میں کندہ شدہ پتھروں، لوہے اور سیسہ کا استعمال کیا تھا۔ انہوں نے اندازاً 496 مربع میٹر توسیع کی تھی۔

ولید بن عبدالملک کے دور میں مسجد نبوی کی توسیع

بنوامیہ کے حاکم ولید بن عبدالملک نے 91-88 ہجری (711-708ء) میں مسجد نبوی کی تزئین اور اس کے رقبہ میں توسیع کی۔ بعض مؤرخین کے مطابق یہ تزئین 93 ہجری (713ء) میں ختم ہوئی۔

یہ کام اس وقت کے مدینہ کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سرانجام دیا۔ انہوں نے مسجد نبوی میں جو کہ رسول اللہ ﷺ نے تعمیر کی تھی، پہلی بار میناروں کو متعارف کرایا۔ انہوں نے وہاں بالکونیوں کا بھی رواج ڈالا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات (امہات المومنین) کے رہائشی کمروں کو جو پہلے ہی توڑ دیے گئے تھے، مسجد نبوی میں شامل کر لیا۔ انہوں نے مسجد کے مشرقی، مغربی اور شمالی حصوں کو وسعت دی۔

بعض مؤرخین کے مطابق مسجد کی لمبائی اور چوڑائی دونوں اطراف میں 90/90 میٹر تک ہوگئی تھی۔

بنوامیہ کے حاکم ولید بن عبدالملک نے اپنے دور میں مسجد نبوی کی توسیع تقریباً 2369 مربع میٹر تک کی تھی۔

یہ کہا جاتا ہے کہ ولید نے رومی بادشاہ سے مدد مانگی تھی اور بعض اطلاعات خاص طور پر مسلمان

مؤرخ ابن قدامہ (Qodamah) کے مطابق اس نے 40 رومی مزدور اور 40 مصری قبطی قبیلہ (Coptic) کے مزدوروں کے علاوہ سونے اور پچی کاری کے کام کی کافی مقدار بھجوائی تھی۔

اس تزئین میں دیواروں کی اندرونی آرائش سونے۔ سنگ مرمر اور پچی کاری کے کام سے کی گئی۔ دروازوں کی سیڑھیوں پر سونے کا ملمع کیا گیا تھا۔

سعید بن مسیّب کی ازواج مطہرات کے کمروں پر رائے

سعید بن مسیّب کی خواہش تھی کہ ازواج مطہرات کے کمروں کو اسی طرح رکھا جاتا۔ انہوں نے کہا کہ میری یہ تمنا تھی کہ ان کمروں کو توڑا نہ جاتا تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں رسول اکرم ﷺ کی سادہ زندگی کی تقلید کرتیں اور آپ کا دنیاوی عیش و آرام کی طرف راغب نہ ہونا اور اللہ پر توکل کرنے والی زندگی پر گزر بسر کرنا ان کے لیے باعثِ تقلید ہوتا۔

مہدی عباسی کا توسیعی کام

سال 161-165 ہجری (779-783ء) میں عباسی فرمانروا مہدی نے مسجد نبوی کے رقبہ میں شمالی طرف سے 45 میٹر کا اضافہ کیا۔ بعض مؤرخین کے مطابق اس اضافہ سے مسجد کی لمبائی 135 میٹر اور اس کی چوڑائی 48.6 میٹر تک پہنچ گئی تھی۔

اس نے مسجد میں رسول کریم ﷺ کے بعض صحابہ کرامؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، شرجیل بن حسنہ، عبداللہ بن مسعود اور مصور بن مخزومہؓ کے گھروں کو بھی شامل کر لیا تھا۔

اس توسیع کا اندازہ 2450 مربع میٹر ہے۔

اشرف قایتبائے کے وقت کی توسیع

مسجد نبوی دو بار آتشزدگی کی وجہ سے تباہ ہوئی تھی۔ پہلی بار 654 ہجری (1258ء) میں اور دوسری بار 886 ہجری (1484ء) میں۔ پہلی آتشزدگی کے بعد بہت سے مسلمان بادشاہوں اور سربراہان مملکت نے مسجد نبوی کی تعمیر نو میں حصہ لیا۔ ان میں سے سب سے پہلے

عباسی فرمانروا معتصم باللہ تھے جنہوں نے 655 ہجری (1259ء) میں بغداد سے سامان تعمیر اور کاریگر (راج) بھجوائے۔ تعمیر کا کام شروع ہوا اور پھر اسی سال تاتاریوں کے حملہ اور بغداد کی فتح کے سبب بند ہو گیا۔

تب دوسرے مسلمان سربراہان نے تعمیر نو کے کام کو تیز کیا، جن میں یمن کے فرمانروا مظفر شمس الدین اور مصر کے فرمانروا منصور نور الدین علی، ابن معیز ایبک، ظاہر رکن الدین بیبرس، بندہ قاری اصغر محمد بن گلاون، صالحی اشرف قایتبائی، ظاہر جگمگ اور سلطان قایتبائی شامل تھے۔ ان فرمانرواؤں کا تعمیر نو کا کام چند سال جاری رہا لیکن انہوں نے مسجد کے رقبہ میں کوئی اضافہ نہ کیا۔

دوسری آتشزدگی 886 ہجری (1484ء) کے بعد اہل مدینہ نے مصر کے حاکم اشرف قایتبائی کو مدد کے لیے لکھا تو اس نے تمام ضروری سامان، کاریگر (راج) اور رقم تزئین کے لیے بھجوائی۔

مسجد کی چھت کی تعمیر 888 ہجری (1486ء) میں مکمل ہوگئی اور تمام تعمیر نو کا کام 890 ہجری (1488ء) میں مکمل ہوا۔

قایتبائی کی تزئین کا تذکرہ

مؤرخ برزنجی اپنی کتاب ''نزہت الناظرین'' میں سلطان قایتبائی کی تزئین کی تعریف کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ تزئین بعد میں سلطنت عثمانیہ کے فرمانرواؤں نے اپنی ہی ایک تزئین کے ساتھ تبدیل کر دی تھی۔ وہ بیان کرتا ہے کہ اس وقت مسجد نبوی زیادہ تر لکڑی کے تختوں، اینٹوں اور کالے پتھر کے ستونوں پر مشتمل تھی۔ مزید براں لوہے کے ستونوں کو سیسہ اور جپسم (Gypsum) کے ساتھ آپس میں جوڑ دیا گیا تھا۔

مسجد نبوی کے رقبہ میں فرق

برزنجی کہتا ہے کہ مسجد نبوی کی پہلی پیمائشیں اندازاً تھیں جس کی وجہ پیمائش کرنے والے آلہ جات کا آپس میں فرق تھا تا آنکہ قایتبائے نے تزئین کا کام سرانجام دیا اور یہ وثوق تھا کہ جنوبی طرف سے مسجد کی چوڑائی 64.2 میٹر تھی تاوقتیکہ اشرف قایتبائے کے زمانہ تک کوئی وسعت مسجد کو نہ دی گئی تھی اور 886 ہجری (1486ء) میں اس (اشرف قایتبائے) نے گنبد خضرا کی تعمیر نو کے وقت دیوار کا حصہ ایک میٹر سے بڑھا دیا۔ سلطنت عثمانیہ کے سلطان عبدالمجید نے بھی مشرقی جانب سے دو میٹر کا اضافہ کیا۔ برزنجی کا کہنا ہے کہ اس نے خود بھی مسجد کی پیمائش کی تھی اور اگلی طرف سے چوڑائی 78.7 میٹر اور پچھلی طرف سے 60.7 میٹر پائی تھی۔

اس کی (برزنجی کی) شماریات مشہور مسلمان مؤرخ سمہودی کے بیان کے قریب ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ بعض مؤرخین نے صحیح پیمائشوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ انہوں نے مسجد کی مختلف ادوار میں ہونے والی وسعتوں کو مبہم بنا دیا۔ یہ بات عیاں ہے کہ یہ ابہام حضرت عمرؓ بن خطاب کے وقت سے ہی جب انہوں نے مسجد نبوی کی وسعت کی تھی، پیدا ہوا۔

تاہم یہ صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے مسجد نبوی کے جنوب، مغرب اور شمال کے حصوں کو وسیع کیا اور اسی طرح حضرت عثمانؓ بن عفان نے کیا۔ بنو امیہ کے حاکم ولید نے چاروں اطراف سے مسجد نبوی کو وسعت دی جب کہ عباسی حاکموں نے صرف شمال کی طرف سے ہی وسعت دی۔

سلطان عبدالمجید کے دور میں تزئین اور وسعت

سلطان قایتبائے نے مسجد نبوی میں جو دوسری آتشزدگی کے بعد تزئین و تعمیر کی تھی وہ تقریباً 387 سال قائم رہی اور پھر اس میں پرانی ہونے کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ ہونے لگی۔

سلطان اشرف قایتبائی

سلطان عبدالمجید

اس وقت حرم کے نگران، داؤد پاشا نے یہ معاملہ سلطنت عثمانیہ کے سلطان عبدالمجید خان کے ساتھ استنبول میں اٹھایا۔ سلطان نے اس پر بہت سنجیدگی سے غور کیا اور فوری تحقیق کا حکم دیا۔ جب اس کو نقصان کا علم ہوا تو اس نے تعمیر کے ماہر، بڑھئی، راج اور تعمیری سامان روانہ کیا۔

1265 ہجری (1849ء) میں تعمیر نو کا کام شروع ہوا اور 13 سال بعد ختم ہوا۔

مسجد نبوی سرخ پتھروں کی اینٹوں سے بنائی گئی تھی، جو پتھر عموات کے مغرب میں ذوالحلیفہ کے ایک پہاڑ سے نکالے گئے تھے۔

مسجد نبوی کی یہ تزئین و مرمت سب سے بڑی اور خوبصورت تعمیر نو تھی۔ مسجد کا جنوبی حصہ جو سلطان عبدالمجید نے بنوایا تھا وہ سعودی تعمیر نو سے بھی سبقت لے گیا تھا۔ یہ تعمیر آج بھی مضبوط، جدید اور خوبصورت ہے۔ چھت کی بناوٹ گنبد نما ہے اور لکڑی کی بنی ہوئی ہے اور گنبد کے اندرونی حصہ کو قدرتی مناظر، قرآنی آیات اور نبی ﷺ کے ناموں کو سونے کے پانی سے اور عربی خطاطی میں جمالیاتی انداز سے نقش و نگار کے ذریعہ چھت اور دیواروں پر، آراستہ کیا ہے۔

مسجد نبوی کے جنوبی حصہ کے دروازے جو سلطان عبدالمجید نے بنوائے تھے، ابھی بھی موجود ہیں۔ وہ باب جبرائیل، باب سلام اور باب رحمت ہیں۔

جو دروازے سعودی تزئین و تعمیر میں مسجد کے شمالی حصہ سے تبدیل کیے تھے وہ باب مجیدی اور تیل کے سٹور کا دروازہ تھے۔

برزنجی کے مطابق سلطان عبدالمجید نے مسجد کی تعمیر کے لیے 140 تھیلے (توڑے) سونے کے بھجوائے تھے۔ ایک تھیلا میں پانچ مجیدی سونے کے ٹکڑے تھے اور ایک ٹکڑا اس وقت کے

130 پیاسٹر (Piaster)[1] کے برابر تھا۔

سلطان عبدالمجید نے مسجد کے شمالی حصہ میں قرآن پڑھانے کے لیے سکول بنائے اور کچھ گودام بھی بنائے۔ اس نے مشرق کی طرف سے 2.2 مربع میٹر سے مسجد کی توسیع کی یعنی مرکزی مینار سے باب جبرائیل تک۔

مسجد میں سلطان عبدالمجید کی کل توسیع تقریباً 1293 مربع میٹر تھی۔

شاہ عبدالعزیز کے دور میں توسیع اور تزئین

شاہ عبدالعزیز

مسجد نبوی میں عبادت گزاروں کی کثرت کے باعث خاص طور پر حج کے موقع پر جگہ کم پڑ جاتی تھی۔ مزید براں تقریباً 1365 ہجری (1946ء) میں مسجد میں دراڑیں پیدا ہو گئی تھیں خصوصاً اس کے شمالی حصہ میں۔[2]

1۔ پیاسٹر (Piaster) اس زمانے میں ترکی اور اسپین کا چاندی کا سکہ تھا۔

2۔ مصنف لکھتا ہے کہ 1368 ہجری (1949ء) میں اس نے اپنے اخبار کے ذریعہ شاہ عبدالعزیز کو درخواست کی کہ مسجد نبوی کی توسیع کی جائے۔ جس پر شاہ نے فوری معائنہ ٹیم مقرر کی جس کی رپورٹ اور دوسرے معاملات طے ہونے کے بعد 1370-10-05 ہجری (1951ء) میں توسیع کا کام شروع ہوا، اور 5 سال میں ختم ہوا۔ (مترجم)

مسجد نبوی کی بڑی تعمیر نو اور توسیع

مسجد نبوی کی سب سے بڑی تعمیر نو عثمانیہ سلطان عبدالمجید اور شاہ عبدالعزیز بن سعود نے کی تھی لیکن ان میں بھی سب سے بڑی توسیع شاہ عبدالعزیز نے کی ہے۔

یہ دونوں تعمیرات و توسیعات اس وقت بھی موجود ہیں۔ سلطان عبدالمجید کے وقت کی تزئین مسجد کے جنوبی حصہ میں اب بھی دیکھی جا سکتی ہے جب کہ شاہ عبدالعزیز کی توسیع و تعمیر شمالی حصہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

شاہ فیصل بن عبدالعزیز

شاہ فہد نے مسجد نبوی ﷺ کی سب سے بڑی توسیع کروائی[1]

شاہ فہد بن عبدالعزیز

شاہ فہد کے دور کی توسیع کے بعد مسجد نبوی کا رقبہ 82,000 مربع میٹر ہو گیا تھا اور زیادہ سے زیادہ گنجائش 135,000 نمازیوں کی ہوگئی تھی۔

میناروں کی تعداد چھ سے بڑھا دی گئی، جب کہ ہر مینار کی بلندی عمومی 72 میٹر کی جگہ 90 میٹر رکھی گئی تھی۔ درمیانے اور ذیلی دروازوں کے علاوہ سات بڑے دروازے رکھے گئے، مسجد میں داخلہ کی سہولت کی خاطر مزید دروازے بھی رکھے گئے اور 16 راستے کر دیئے گئے تھے۔ اس توسیع سے مسجد کی چھت کے ہموار حصے نماز کی ادائیگی کے لیے استعمال ہوئے اور نمازیوں کی کل گنجائش 240,000 ہوگئی۔ اس توسیع سے مسجد میں ٹھنڈی ہوا (ایئر کنڈیشنگ) دی گئی ہے اور ہوا آنے کا راستہ چھت سے دیا گیا۔

[1] گو مصنف نے اپنی کتاب کو شاہ عبدالعزیز کے دور تک ہی محدود رکھا ہے، لیکن کتاب کے تتمہ میں صفحہ 249 پر مختصراً شاہ فہد بن عبدالعزیز کے دور کی توسیع وتزئین (1405ھ تا 1414ھ) 1984 تا 1994ء، کے متعلق بھی بیان کیا ہے کہ ان کے دور کی توسیع اس وقت تک مسجد نبوی کی تاریخ کی سب سے بڑی توسیع تھی۔ (مترجم)

شاہ فہد کے دور کی تزئین......مسجد نبوی ﷺ کے صحن میں نصب چھتریوں کا خوبصورت منظر

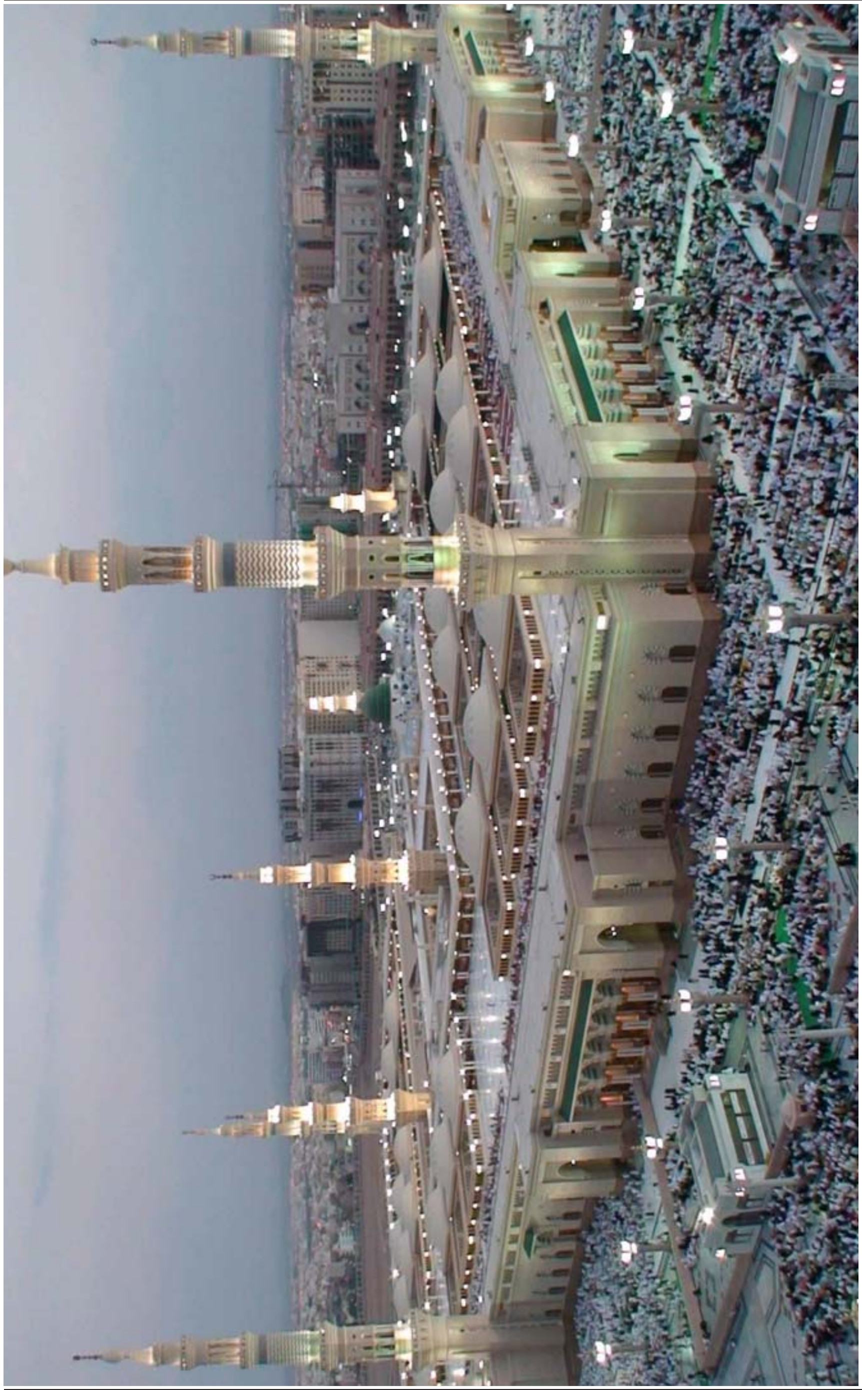

مسجد نبوی ﷺ موجودہ دور میں

سعودی تعمیر نو کی ضروری تفصیلات

سلطنت عثمانیہ اور سعودی حکومت کے دور کی تعمیر نو دونوں ہی ایک دوسرے کی مُمد (مددگار) ہیں۔ عثمانیہ سلطان کے وقت کی کل تعمیر نو کا رقبہ جو سعودی حکومت نے تعمیر و توسیع کے لیے شامل کیا 6,247 میٹر ہے۔ شاہ عبدالعزیز نے جو توسیع مسجد نبوی میں کی اس کا کل رقبہ 6,024 میٹر ہے۔ ان دونوں کو اکٹھا کیا جائے تو کل رقبہ 12,271 میٹر تھا جس پر شاہ عبدالعزیز نے تعمیر نو کی۔

جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ مسجد نبوی کا وہ حصہ جو سلطان عبدالمجید سے تعمیر نو کے کام کے لیے رہ گیا تھا وہ جنوبی حصہ تھا جس کا کل رقبہ 4,058 مربع میٹر ہے۔ اس میں روضۂ رسول ﷺ، گنبد خضرا، منبر، ریاض الجنت، تاریخی ستون، بڑا مینار، باب السلام اور رسول اللہ ﷺ کا مصلیٰ (نماز کی جگہ) تھی۔

مسجد نبوی کی توسیع کے پراجیکٹ کے دفتر نے مختلف ادوار میں رسول اللہ ﷺ کے دور سے لے کر مسجد نبوی میں ہونے والی تاریخی توسیعات کے متعلق اعداد و شمار شائع کیے ہیں جو ذیل میں دیئے جاتے ہیں:

☆...... مسجد نبوی کی توسیع جو نبی اکرم ﷺ نے فتح خیبر کے بعد 7 ہجری میں کی 2475[1] مربع میٹر۔

☆...... حضرت عمرؓ بن خطاب کی توسیع...... 17 ہجری (639ء) میں...... 1100 مربع میٹر

☆...... حضرت عثمانؓ بن عفان کی توسیع 29-30 ہجری (651-652ء)...... 496 مربع میٹر

1۔ مصنف نے صفحہ 73 پر یہ وسعت 2025 مربع میٹر بیان کی ہے۔

☆......ولید بن عبدالملک کی توسیع......91-88 ہجری (711-708ء)......2,369 مربع میٹر

☆......عباسی حاکم مہدی کی توسیع......165-161 ہجری (783-779ء)......2,450 مربع میٹر۔

☆......سلطان عبدالمجید کی توسیع......1,293 مربع میٹر

☆......شاہ عبدالعزیز بن سعود کی توسیع......6,024 مربع میٹر

اخراجات

مسجد نبوی کی توسیع کے پراجیکٹ کے ڈائریکٹر جنرل کے مطابق شاہ عبدالعزیز کے وقت کی توسیع اور تعمیر نو پر 30 ملین (3 کروڑ) سعودی ریال خرچ ہوئے تھے۔ مزید حکومت نے 40 ملین (4 کروڑ) سعودی ریال مسجد نبوی کی توسیع کے لیے جو زمینیں خریدی تھیں ان کا معاوضہ دیا گیا۔

تعمیر نو میں باہمی فرق

سالوں میں (تقریباً) فرق

رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی اور فتح خیبر کے بعد کی تعمیر نو کا فرق:	10 سال
حضرت عمرؓ کی تعمیر نو فتح خیبر کی تعمیر کے بعد ہوئی:	10 سال
حضرت عثمانؓ بن عفان نے جو تعمیر حضرت عمرؓ کی تعمیر کے بعد کی	13 سال
ولید بن عبدالملک کی تعمیر اور حضرت عثمانؓ کی تعمیر میں فرق	62 سال
المہدی حاکم بنی امیہ کی تعمیر کا فرق ولید بن عبدالملک کی تعمیر میں فرق	70 سال
مسجد کی پہلی آتشزدگی اور مہدی کی تعمیر نو میں فرق	74 سال
مسجد کی دوسری آتشزدگی کے بعد حاکم مصر قایتبائے کی تعمیر نو اور پہلی آتشزدگی کے بعد تعمیر	21 سال

سلطان عبدالمجید کی تعمیر اور قایتبائے کی تعمیر نو میں فرق[1]　　387 سال

شاہ عبدالعزیز کی تعمیر اور سلطان عبدالمجید کی تعمیر نو میں فرق　　96 سال

تعمیر نو کے ہر دور میں مسجد نبوی میں بہت سی تبدیلیاں اور بہتریاں رونما ہوئیں۔

وہ لوگ جنہوں نے مسجد نبوی کی تزئین کی مگر اس کا رقبہ نہیں بڑھایا[2]

بہت سے لوگوں نے مسجد نبوی کی مرمت کی، اس کی بہتری کا کام کیا اور اس کی تزئین کی لیکن اس کے رقبہ میں توسیع نہیں کی، ان میں ذیل کے نام آتے ہیں۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ، ناصر الدین اللہ، یمن کے حاکم مظفر شمس الدین، حاکم مصر محمد بن قلاوون صالحی، نور الدین علی بن معیز ایبک، ظاہر بیبرس، علی ظاہر جگمگ بندہ گری، اشرف سراسبائی، اشرف شعبان بن حسین اور سلطنت عثمانیہ کے سلطان سلیم، مراد، سلیمان اور محمود اول۔

---

1. صفحہ 99 میں 387 سال لکھا ہے۔ قایتبائے کی تعمیر 890 ہجری (1488ء) سلطان عبدالمجید کی تعمیر 1278ء ہجری (1862ء) میں مکمل ہوئی۔
2. صفحہ 95 پر ''مسجد نبوی کو وسعت دینے والے'' کے عنوان کے تحت حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے مسجد کا رقبہ بڑھایا تھا۔ (مترجم)

شاہ عبدالعزیز کے فرزندان (بیٹے)

1- شہزادہ ترکی (اول) کویت میں 1316 ہجری (1890ء) میں پیدا ہوئے اور 1337 ہجری (1919ء) میں وفات پائی۔

2- شاہ سعود کویت میں 14-10-1319 ہجری (1902ء) میں پیدائش ہوئی اور 1388 ہجری (1969ء) میں وفات پائی۔

3- شاہ فیصل ریاض میں 14-2-1324 ہجری (9-4-1906ء) میں پیدائش ہوئی اور ربیع الاول 1395 ہجری (1975ء) کو شہید ہوئے۔

4- شہزادہ محمد ریاض میں 1330 ہجری (1910ء) میں پیدائش ہوئی اور 25-11-1988 کو وفات پائی۔

5- شاہ خالد: ریاض میں 1331 ہجری (1913ء) میں پیدائش ہوئی اور 21-8-1402 ہجری (13-6-1982) کو وفات پائی۔

6- شہزادہ ناصر ریاض میں 1337 ہجری (1911ء) میں پیدائش ہوئی اور 1405 ہجری (1984ء) میں وفات پائی۔

7- شہزادہ سعد 1337 ہجری (1915ء) میں پیدائش ہوئی اور 23-07-1993ء کو وفات پائی۔

8- شاہ فہد ریاض میں 1338 ہجری (1921ء) میں پیدائش ہوئی اور 01-08-2005 میں وفات پائی۔

9- شہزادہ منصور 1338 ہجری (1921ء) میں پیدائش ہوئی اور 1370 ہجری (1951ء) میں وفات پائی۔

10- شاہ عبداللہ ریاض میں 1340 ہجری، (10-08-1924ء) میں پیدائش ہوئی اور 23-01-2015ء میں وفات پائی۔

11- شہزادہ بندر 1341 ہجری، (1923ء) میں پیدائش ہوئی۔

12- شہزادہ سلطان 1344 ہجری (1931ء) میں پیدائش ہوئی اور 22-10-2011 کو وفات پائی۔

13- شہزادہ مشعل 1344 ہجری، (1926ء) میں پیدائش ہوئی اور 29-02-2017ء کو وفات پائی۔

14- شہزادہ مساعد 1344 ہجری (1923ء) میں پیدائش ہوئی اور 19-8-2013 کو وفات پائی۔

15- شہزادہ عبدالمحسن 1345 ہجری (1925ء) میں پیدائش ہوئی اور 1405 ہجری (10-05-1985) کو وفات پائی۔

16- شہزادہ مشعاری 1349 ہجری (1932ء) میں پیدائش ہوئی اور 23-05-2000ء میں وفات پائی۔

17- شہزادہ متعب 1350 ہجری (1931ء) میں پیدائش ہوئی۔

18- شہزادہ طلال 1350 ہجری (1931ء) میں پیدائش ہوئی۔

-19 شہزادہ عبدالرحمان 1350 ہجری (1931ء) میں پیدائش ہوئی اور 13-7-2017 وفات پائی۔

-20 شہزادہ بدر 1351 ہجری (1932ء) میں پیدائش ہوئی اور 1-4-2013 کو وفات پائی۔

-21 شہزادہ ترکی (دوم) 1351 ہجری (1934ء) میں پیدائش ہوئی اور 11-11-2016 کو وفات پائی۔

-22 شہزادہ نواف 1352 ہجری (1932ء) میں پیدائش ہوئی اور 29-9-2015 کو وفات پائی۔

-23 شہزادہ نائف 1352 ہجری (1934ء) میں پیدائش ہوئی اور 16-6-2012 کو وفات پائی۔

-24 شہزادہ فواز 1352 ہجری، (1934ء) میں پیدائش ہوئی۔ اور 19-7-2008 کو وفات پائی۔

-25 شاہ سلمان 1355 ہجری، (1935ء) میں پیدائش ہوئی۔

-26 شہزادہ ماجد 1355 ہجری، (1938ء) میں پیدائش ہوئی اور 13-4-2003 کو وفات پائی۔

-27 شہزادہ عبدالالہ 1357 ہجری (1939ء) میں پیدائش ہوئی۔

-28 شہزادہ احمد 1358 ہجری (1942ء) میں پیدائش ہوئی۔

29- شہزادہ سطام 1359 ہجری (1941ء) میں پیدائش ہوئی اور 2013 میں وفات پائی۔

30- شہزادہ ثامر 1359 ہجری (1937ء) میں پیدائش ہوئی اور 7-6-1958 کو وفات پائی۔

31- شہزادہ ممدوح 1360 ہجری (1940ء) میں پیدائش ہوئی۔

32- شہزادہ مشہور 1360 ہجرت (1942ء) میں پیدائش ہوئی۔

33- شہزادہ ہذلول 1360 ہجری (1941ء) میں پیدائش ہوئی اور 29-9-2012 کو وفات پائی۔

34- شہزادہ عبدالمجید 1361 ہجری (1942ء) میں پیدائش ہوئی اور 5-5-2007 کو وفات پائی۔

35- شہزادہ مقرن 1361 ہجری (1945ء) میں پیدائش ہوئی۔

36- شہزادہ حمود 1336 ہجری، (28-10-1947ء) میں پیدائش ہوئی اور 26-2-1994 کو وفات پائی۔

(نوٹ مصنف) میں نے یہ تمام نام ایک سعودی مصنف محمد حسین زیدان کی کتاب ''عبدالعزیز اور بڑا خاندان'' (Abdul Aziz and Great Entity) سے نقل کئے ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ 106 پر ہم نے پڑھا، ''یہ مرحوم شاہ عبدالعزیز کے وہ بیٹے ہیں جو بڑے ہوگئے ہیں۔ لیکن ان کے اور بھائی بھی تھے جو کم سنی ہی میں وفات پا گئے تھے۔''

اسی بات کا علم مجھے ایک اور کتاب ''جزیرہ نما عرب شاہ عبدالعزیز کے دور حکومت میں، (Arab Peninsula at the Reign of King Abdul Aziz) جس کا مصنف خیر الدین زرقالی ہے، کے صفحات 1403 تا 1412 کے پڑھنے پر بھی ہوا۔

میرا تیسرا ذریعہ، شیخ عبدالرحمٰن ابن عبداللطیف شیخ کی لکھی ہوئی کتاب ''آل سعود کا سلسلہ نسب'' (Al Saud Genealogy) ہے اور محمد امین تیمی کا لکھا ایک قلمی نسخہ ہے، جو اب شاہ عبدالعزیز لائبریری، ریاض میں دستیاب ہے۔

باب:3

روضۂ رسول ﷺ (بیت النبی)

روضہ رسول ﷺ کے سامنے ترکوں کے دور کی لگی ہوئی جالی کی پرانی تصویر

روضہ رسول ﷺ کے سامنے لگی ہوئی جالی عہد حاضر میں

روضۂ رسول ﷺ (بیت النبی)

نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

مسلمان عموماً اور اہل مدینہ خصوصاً یہ تسلیم کرتے ہیں کہ روضۂ رسول ﷺ کی جگہ ہی رسول کریم ﷺ کی رہائش تھی جہاں وہ حضرت سیدہ عائشہ بنت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ رہائش پذیر رہے۔ اس جگہ کے متعلق مشہور تاریخ دان سمہودی کا بیان ہے کہ روضۂ رسول ﷺ کی لمبائی مشرق سے مغرب کی طرف 8 میٹر یعنی 26.4 فٹ اور چوڑائی 5.5 میٹر یعنی 18.15 فٹ ہے۔ اندرونی دیوار کی موٹائی تقریباً ایک میٹر یعنی 3.3 فٹ ہے۔

روضۂ رسول ﷺ حضرت سیدہ فاطمہؓ بنت رسول ﷺ کے گھر سے ملحقہ شمالی حصہ میں واقع ہے۔ اس گھر کی دیوار میں ایک خلاء یا کھڑکی تھی جہاں سے رسول اکرم ﷺ حضرت فاطمہؓ کی خیر وعافیت دریافت کیا کرتے تھے۔ ایک رات جب سیدہ عائشہؓ اپنے گھر میں داخل ہو رہی تھیں تو ان کی سیدہ فاطمہؓ کے ساتھ اس خلاء یا کھڑکی کی وجہ سے کچھ تکرار ہوگئی۔ سیدہ فاطمہؓ نے تب رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ اس جگہ کو بند کروا دیں اور وہ بند کروا دی گئی۔ جنوبی طرف ایک شارع عام تھی جو حضرت حفصہؓ بنتِ عمرؓ بن خطاب کے گھر کو بیت النبی سے جدا کرتی تھی۔ ان دو گھروں میں اتنا قریب فاصلہ تھا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ آپس میں اپنے اپنے گھروں کے اندر ہی سے بات چیت کرلیا کرتی تھیں۔ حضرت حفصہؓ کا گھر اس جگہ واقع تھا جہاں اب رسول اکرم ﷺ کے روضۂ کو دیکھنے کے لیے لوگ کھڑے رہتے ہیں۔ اس کا کچھ

حصہ روضۂ رسول ﷺ سے باہر ہے۔ گھر کے مشرقی حصہ کے ساتھ وہ جگہ مخصوص ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ پڑھایا کرتے تھے۔ یہ حصہ اس جگہ میں شامل کر لیا گیا ہے جہاں اب روضۂ رسول کی مشرقی کھڑکی واقع ہے۔

بیت الرسول ﷺ کی بناوٹ

رسول اللہ ﷺ نے اپنا سادہ سا گھر اسی سامان سے بنایا جس سے مسجد نبوی بنائی گئی تھی۔ کچی مٹی کی اینٹیں، کھجور کے تنے اور کھجور ہی کے پتوں سے بنایا گیا تھا۔ اس چھوٹی سی جگہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک کمرہ بنایا جس پر اونی کپڑے کا سایہ کیا گیا تھا۔ اس کی چھت کو ہاتھ بلند کر کے چھوا جا سکتا تھا۔ اس گھر کے دو دروازے تھے۔ ایک دروازہ مغربی سمت میں اس گلی میں کھلتا تھا جو مسجد میں جاتی تھی اور دوسرا دروازہ شمال میں کھلتا تھا۔ دروازوں کی کوئی چوکھٹ نہیں تھی اور سخت کھردری لکڑی کے بنے تھے۔ کسی دروازے پر کنڈی نہیں لگی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک (روضۂ نبوی)

رسول اکرم ﷺ اپنے گھر کے کمرے میں ہی مدفون کیے گئے۔ آپ کا سر مبارک مغرب کی طرف رکھا گیا اور آپ کی ٹانگیں مشرق کی طرف رکھی گئیں۔ چہرہ مبارک کا رخ قبلہ رو تھا۔

جب حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوا تو ان کی تدفین بھی روضۂ رسول میں ہی کی گئی۔ ان کا جسد خاکی رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں ہی دفن کیا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھی، دوست اور ان کے پہلے خلیفہ بھی تھے نے سیدہ عائشہؓ سے روضۂ رسول ﷺ میں دفن ہونے کے لیے کہا اور سیدہ عائشہؓ نے اسے منظور فرمایا۔ ان کا سر مبارک مغرب کی طرف رسول اللہ ﷺ کے کندھے کے نیچے اور پاؤں مشرق کی جانب ہیں۔ چہرہ مبارک کا رخ قبلہ رو ہے۔

(الف) حضرت عمرؓ کی قبر مبارک
(نائف بن ابی نعیمہ کے بیان کے مطابق)

حضرت عمرؓ بن خطاب نے اپنی وفات سے پہلے حضرت سیدہ عائشہؓ سے اجازت چاہی کہ ان کی تدفین بھی ان کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ ہو جائے۔ وہ (سیدہ عائشہ) شروع ہی سے اپنی تدفین بھی روضۂ رسول ﷺ میں ہی کرنے کی خواہش مند تھیں مگر جب حضرت عمرؓ نے یہ درخواست کی تو انہوں نے فوراً ہی اس کو مان لیا۔ جب حضرت عمرؓ کو دفن کیا گیا تو ان کا سر مغرب کی طرف حضرت ابوبکرؓ کے کندھے سے نیچے اور پاؤں مشرق کی جانب تھے۔ ان کا چہرہ مبارک قبلہ رو تھا۔

یہ بیان عام لوگ مانتے ہیں جیسا کہ سمہودی نے بیان کیا ہے۔

(ب) حضرت عمرؓ کی قبر مبارک
(قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ صدیق کے بیان کے مطابق)

القاسم[1] بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ نے بتایا کہ انہوں نے سیدہ عائشہؓ سے کہا کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک دکھائیں۔ جب انہوں نے روضۂ رسول کو کھولا تو انہوں نے تین قبریں دیکھیں۔

1- رسول اللہ ﷺ کا جسد خاکی سامنے تھا۔
2- حضرت ابوبکرؓ کا سر رسول اللہ ﷺ کے کندھوں کے ساتھ تھا۔
3- حضرت عمرؓ کا سر رسول اکرم ﷺ کے پاؤں کے قریب تھا۔

سمہودی اپنی کتاب ''وفا الوفا'' میں کہتا ہے کہ حاکم نے تحقیق کے بعد اس بیان کی تصدیق کی

[1] حضرت ابوبکرؓ صدیق کے پوتے۔

ہے۔ دوسرے مؤرخین نے ان تین قبور کی ترتیب کے متعلق سات مختلف بیانات دیئے ہیں۔

میں (مصنف) قاسم کے بیان کی تصدیق کرتا ہوں اور میری نظر میں یہ نائف کے بیان سے زیادہ معتبر ہے۔ جس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

1- صحیح بخاری میں بیان کیا گیا ہے کہ خلیفہ ولید کے عہد میں روضہ کی ایک دیوار منہدم ہوگئی تھی اور اس کو دوبارہ بناتے وقت وہاں ایک پاؤں نظر آیا۔ لوگ سکتہ کی حالت میں آ گئے کہ کہیں یہ رسول اللہ ﷺ کا پاؤں تو نہیں۔ تب عروہ نے بتایا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کا پاؤں نہ تھا بلکہ حضرت عمرؓ کا پاؤں تھا۔[1]

2- مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ جو دیوار منہدم ہوئی تھی وہ مشرقی دیوار تھی۔

3- جب سیدہ عائشہؓ نے اپنی دیوار بنوائی اس وقت انہوں نے بیت رسول ﷺ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک جنوبی حصہ جن میں قبور مبارکہ واقع تھیں اور دوسرا شمالی حصہ جس میں وہ خود قیام پذیر رہیں۔

اگر ہم پہلے بیان (جو نائف بن ابی نعیمہ کا ہے) کو دیکھیں تو وہ غیر معتبر ہے کہ ایک ٹانگ ہی حضرت عمرؓ کی نمایاں ہوئی۔ کیونکہ قبور کا مشرقی دیوار سے بہت فاصلہ تھا اور حضرت عمرؓ کے پاؤں بھی بہت دور تھے۔

دوسرے بیان پر غور کریں تو یہ قیاس درست ہوگا کہ حضرت عمرؓ کے پاؤں دیوار کی بنیاد کے پاس تھے یا تو اس سے ملحق تھے یا پھر بنیاد ہی کے اندر ہوں گے۔

اس بات کی عبداللہ ابن عبید اللہ نے بھی تصدیق کی ہے اور انہوں نے کہا کہ جب کمرہ میں حضرت عمرؓ کے پاؤں نہ سما سکتے تھے تو کھدائی کر کے انہیں (دونوں پاؤں کو) بنیاد کے اندر

---

[1] تدفین سے تقریباً 80 سال بعد (مترجم)

ہی دفن کر دیا گیا تھا۔ ایک اور بیان بھی ہے کہ روضہ کے اندر ایک چوتھی قبر کے لیے بھی جگہ تھی اور حضرت سیدہ عائشہؓ نے وہ جگہ حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف کو ان کی تدفین کے لیے پیش کی تھی لیکن بنی امیہ کی حکومت نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کی یہاں تدفین کی اجازت نہ دی۔

درج ذیل دو خاکے (چارٹ) دیئے جا رہے ہیں جن سے تینوں قبور کی صورت کا دونوں بیانات کی روشنی میں معلوم ہو جاتا ہے۔ دونوں خاکوں سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ نائف کا بیان قابل قبول نہیں ہے۔

(1) نائف کے بیان کے مطابق چارٹ

- ☆ رسول اکرم ﷺ کے مزار کا جنوبی دیوار سے فاصلہ 20cm (تقریباً 8 انچ)
- ☆ رسول اکرم ﷺ کے مزار اقدس کی چوڑائی 80cm (تقریباً 2.7 فٹ)
- ☆ حضرت ابوبکرؓ کی قبر اور رسول اللہ ﷺ کے مزار اقدس میں فاصلہ (تقریباً 8 انچ)
- ☆ حضرت ابوبکرؓ کی قبر کی چوڑائی 80cm (تقریباً 2.7 فٹ)
- ☆ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی قبور کا درمیانی فاصلہ 20cm (تقریباً 8 انچ)
- ☆ حضرت عمرؓ کی قبر کی چوڑائی 80cm (تقریباً 2.7 فٹ)

(2) قاسم کے بیان کے مطابق چارٹ

- ☆ رسول اکرم ﷺ کے مزار اقدس کا مغربی دیوار سے فاصلہ 90cm (3 فٹ)
- ☆ رسول اکرم ﷺ کے مزار اقدس کی چوڑائی 170cm (5.7 فٹ)
- ☆ رسول اکرم ﷺ کے مزار اقدس اور حضرت عمرؓ کی قبر کا درمیانی فاصلہ 90cm (3 فٹ)
- ☆ حضرت عمرؓ کی قبر کی لمبائی 170 cm (5.7 فٹ)

(الف) تینوں قبور کی ترتیب نائف ابن ابی نعیمہ کے بیان کے مطابق

روزضۂ رسول ﷺ کی بیرونی شمالی دیوار کی لمبائی 525CM

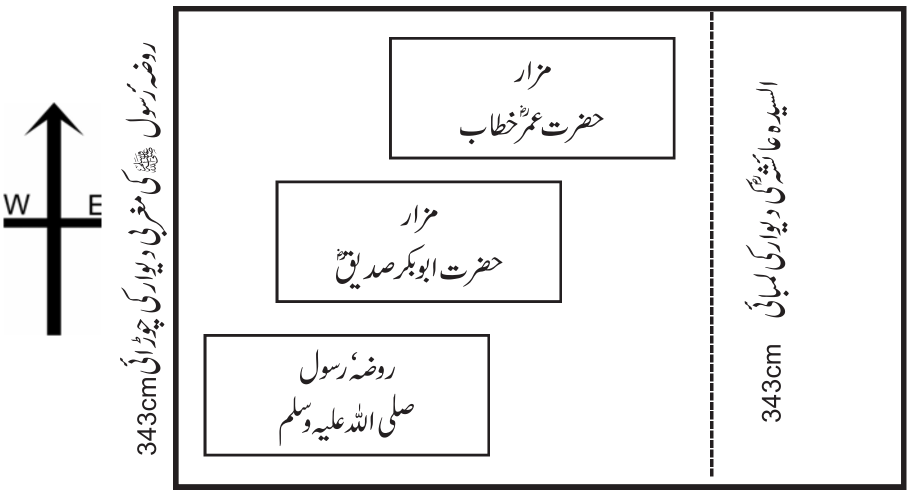

(ب) تینوں قبور کی ترتیب قاسم ابن محمد ابن ابوبکر صدیقؓ کے بیان کے مطابق

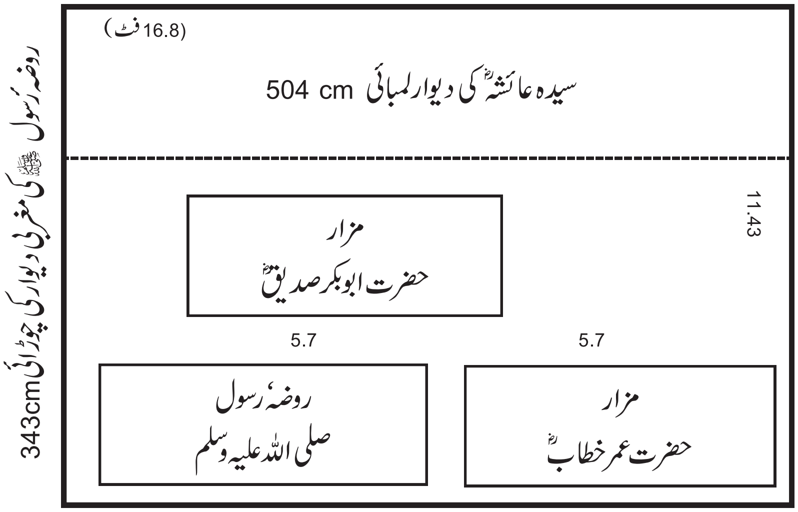

روضۂ رسول ﷺ کی جنوبی دیوار کی لمبائی 480 CM (16 فٹ)

نوٹ: اوپر والا خاکہ تینوں قبور کی ترتیب نائف کے بیان کے مطابق بتاتا ہے جس سے مصنف متفق نہیں ہے۔ نیچے والا خاکہ القاسم ابن محمد بن ابوبکر صدیقؓ کے بیان کے مطابق ہے۔ مصنف اس سے متفق ہے۔

روضۂ رسول ﷺ میں چوتھی قبر کی جگہ

روضۂ رسول ﷺ میں ایک چوتھی جگہ بھی ہے جہاں ایک قبر کی گنجائش ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیدہ عائشہؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف کو اس جگہ کی پیشکش کی تھی کہ ان کی تدفین یہاں پر ہو اور انہوں نے رضا مندی دی کہ حضرت حسنؓ بن علیؓ یہاں دفن ہوں لیکن بنی امیہ حکومت نے اس کی اجازت نہ دی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں (حضرت عائشہؓ) نے جب حضرت عمرؓ بن خطاب کا انتقال ہوا تو اپنا ارادہ بدل دیا اور عبداللہؓ بن زبیر کو فرمایا کہ ان (حضرت عائشہؓ) کو ان کی دو کنیزوں کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کیا جائے نہ کہ روضۂ رسول میں۔ وہ شروع سے خواہش رکھتی تھیں کہ یہاں دفن ہوں مگر جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو انہوں نے ان کی تدفین روضۂ رسول ﷺ میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ کرنے کی اجازت دے دی۔

جب حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو مدینہ جانے کے لیے سفر کا کہا گیا تو یہ بھی بتایا گیا کہ اگر وہاں ان کی وفات ہو جائے تو ان کی تدفین اسی مقام (رسول ﷺ) پر کی جائے گی لیکن انہوں نے اس بات پر اتفاق نہ کیا اور کہا کہ ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا کہ انہوں نے اپنے ذاتی جاہ و جلال کا مظاہرہ کیا ہے۔

روضۂ رسول ﷺ میں ترامیم کی گئیں

حضرت عمرؓ بن خطاب پہلے شخص تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بنائے ہوئے کمرے میں تبدیلیاں کیں۔ انہوں نے کھجور کے پتوں سے بنی تعمیر کو ایک دیوار سے بدل دیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ دیوار نیچی بنائی گئی تھی اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے بنائی تھی۔

سیدہ عائشہؓ کی بنائی ہوئی دیوار برائے تقسیم روضۂ رسول

سیدہ عائشہؓ نے تب ایک دیوار گھر کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے لیے بنوائی۔ ایک حصہ وہ تھا جس میں تینوں قبور تھیں اور دوسرے میں ان کی رہائش تھی ۔ جب تک گھر میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کی ہی دو قبور رہیں، سیدہ عائشہؓ گھر میں اسی طرف سے بغیر نقاب لیے داخل ہوتی تھیں جہاں یہ قبور مبارکہ واقع تھیں۔ جب حضرت عمرؓ بھی یہاں دفن ہو گئے تو وہ مکمل لباس اور نقاب پہن کر داخل ہوتی تھیں۔

لوگ ان قبور سے مٹی وغیرہ تبرک کے طور پر لے جاتے تھے تب سیدہ عائشہؓ نے حکم دیا کہ قبور کو علیحدہ کرنے اور لوگوں کو اس کام سے روکنے کے لیے ایک دیوار بنا دی جائے۔

روضۂ رسول ﷺ کو منہدم کر کے دوبارہ خلیفہ ولید نے بنوایا

بنو امیہ کے خلیفہ ولید ابن عبدالمالک نے امہات المومنین کے گھروں کو خرید کر اس وقت کے گورنر مدینہ حضرت عمرؒ ابن عبدالعزیز کو ہدایت کی کہ روضۂ رسول ﷺ کی عمارت کو گرا کر دوبارہ بنوایا جائے اور مسجدِ نبوی کی توسیع کی جائے۔ جب پہلا گھر گرایا گیا تو تینوں قبریں اور وہ مٹی جو ان کو ڈھانپے رکھتی تھی نمایاں ہوگئیں۔

قبور مبارکہ کی مرمت

حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا ابتدا میں یہ ارادہ تھا کہ وہ خود قبور کی مرمت کریں گے تاہم پھر انہوں نے اپنے ملازم مزاحم کو یہ کام سونپ دیا۔

عبداللہ ابن عقیل بیان کرتے ہیں کہ جب وہ حضرت مغیرہ ابن شعبہ کے گھر سے ایک رات بارش میں نکل رہے تھے تو انہوں نے ایک ایسی خوشبو محسوس کی جو پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ وہ سیدھے مسجد نبوی کی طرف گئے اور انہوں نے دیکھا کہ قبر کا مشرقی حصہ منہدم ہو چکا ہے تاہم جو

حصہ کھلا تھا اس کو پُر کر دیا گیا۔

اگلے روز حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے راج (Mason) کو بلایا جس نے روضہ کے اندر جانے سے پہلے کچھ مددگار مانگے۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز خود اندر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ دو دوسرے اشخاص قاسم ابن محمد اور سالم ابن عبداللہ نے بھی مدد کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے فیصلہ کیا کہ تینوں اشخاص جن میں وہ خود بھی شامل تھے روضہ میں نہ جائیں مبادا قبروں کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔ انہوں نے مزاحم کو کہا کہ وہ اندر جا کر وردان[1] کی مدد کرے۔

جب وردان نے بنیاد کو کھودا تو وہ ششدر رہ گیا۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے بھی سخت پریشانی کا اظہار کیا۔ دونوں اشخاص نے بنیاد کو ہٹانے کے بعد دو پاؤں دیکھے۔ عبداللہ ابن عبید اللہ نے انہیں بتایا کہ جو انہوں نے دیکھا تھا وہ حضرت عمرؓ کے پاؤں تھے جو کمرے میں جگہ کم ہونے کے باعث باہر کی بنیاد میں دفن کیے گئے تھے۔[2]

حضرت عمر (ابن عبدالعزیز) نے روضۂ رسول ﷺ کو دوبارہ تعمیر کروایا

حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے تب روضۂ رسول کی دوبارہ تعمیر کروائی۔ اس تعمیر میں مختلف رنگوں کے گرینائٹ (Granite) پتھر استعمال کیے گئے تھے۔ ان کے رنگوں میں اور خانہ کعبہ میں استعمال کیے گئے پتھروں کے رنگوں میں کوئی زیادہ فرق نہ تھا۔ روضہ کا کل رقبہ رسول اللہ ﷺ کے بنائے ہوئے رقبہ کے برابر ہی تھا۔ دیوار کی اونچائی 6.75 میٹر (28.28 فٹ) تھی۔ حضرت عمر نے روضۂ کے اردگرد پانچ طرفی باڑ بنوا دی تا کہ اس کی کعبہ کے ساتھ مماثلت نہ ہو۔ یہ باڑ پتھروں سے بنائی گئی تھی۔

روضہ کے اندر کا فرش باہر باڑ کے فرش سے تقریباً ایک میٹر (3.3 فٹ) نیچا تھا۔

---

[1] غالباً راج کا نام ہے۔ (مترجم) [2] اس واقعہ کے وقت حضرت عمرؓ کو فوت ہوئے تقریباً ستر (70) برس گزر چکے تھے۔ (مترجم)

شروع میں جب مسلمان مسجد نبوی کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے تو وہ حضور ﷺ کی قبر مبارک کے بالکل سامنے 2 میٹر کے فاصلہ پر ایک دیوار کے پاس کھڑے ہوتے تھے۔ یہ دیوار سید نا عمر ابن عبدالعزیز نے بطور رکاوٹ بنوائی تھی۔ بعد میں 668 ہجری (1272ء) میں ظاہر بیبرس فرمانروائے مصر نے روضہ کے گرد ایک کٹہرا یا بالکنی بنوا دی اور سیدہ عائشہؓ کا گھر بھی اسی میں شامل کر لیا۔ اس کمرہ کے تین دروازے تھے ایک جنوبی سمت دوسرا مشرق میں اور تیسرا مغربی طرف۔ یہ بالکنی تقریباً 3 میٹر (9.9 فٹ) اونچی تھی۔ زائرین اس جگہ کھڑے ہوتے اور روضۂ رسول ﷺ کے سامنے رہتے تھے۔

بیبرس (حاکم مصر) نے روضہ میں نماز ادا کرنے کی ممانعت کر دی

سمہودی لکھتا ہے کہ جب بیبرس نے کمرہ بنوایا اور اس پر بالکنی بنائی تو وہ فکر مند ہوا کہ اس نے جو یہ بنایا ہے اس کو لوگ متبرک اور روحانی مقام نہ بنا دیں جیسا کہ خانۂ کعبہ کا ہے۔ اس نے تب روضۂ رسول ﷺ کے کچھ حصہ کا جو رسول اللہ ﷺ کے گھر کے ساتھ ملحق تھا، احاطہ کروایا اور وہاں نماز ادا کرنے کو ممنوع قرار دیدیا۔ 694 ہجری (1297ء) میں سلطان العادل زین الدین کبتغا نے بالکنی والے حصے کی توسیع کی یہاں تک کہ اس کو چھت کے ساتھ لگا دیا گیا۔

روضۂ رسول ﷺ میں پہلے گنبد کی تعمیر

روضۂ رسول ﷺ میں سن 678 ہجری (1282ء) تک کوئی گنبد نہیں بنا تھا جو روضہ کو مسجد نبوی کی چھت سے علیحدہ ظاہر کرے۔ یہاں ٹائیلز (Tiles) کے ساتھ نشان بنا دیا گیا تھا جو کمرے کے متوازی چلتا تھا اور اس کی اونچائی ایک میٹر (3.3 فٹ) تھی، تب سلطان قلاوون صالحی پہلا شخص تھا جس نے اس متبرک مقام پر ایک گنبد بنوایا۔ اس گنبد کی بنیاد چوکور اور اوپر کا حصہ ہشت پہلو (آٹھ کناروں والا) تھا۔ یہ لکڑی کا بنا ہوا تھا اور اس پر سیسہ

چڑھا ہوا تھا۔

گنبد کی تزئین و آرائش

گنبد کی آرائش سلطان ناصر حسن ابن محمد قلاوون نے اپنے دور حکومت میں کروائی تھی۔ پھر 765 ہجری (1366ء) میں اشرف شعبان ابن حسین کے دور حکومت میں اور پھر تیسری بار سلطان قایتبائے کے دور میں 881 ہجری (1479ء) میں مرمت و آرائش کی گئی۔

دوسری آتشزدگی کے بعد گنبد کی دوبارہ تعمیر

886 ہجری (1484ء) میں مسجد نبوی میں آگ بھڑک اٹھی جس نے روضۂ رسول ﷺ اور اس کے گنبد کو جلا دیا۔ 887 ہجری 1485ء میں سلطان قایتبائے کے دور حکومت میں اس کی مرمت کی گئی اور مضبوط بنیادوں پر انہیں بنایا گیا اور اس میں ٹائیلز لگائی گئیں۔

روضہ کے جنوبی حصہ میں پیتل کی کھڑکیاں کھولی گئیں اور شمال مشرقی حصہ اور غربی حصہ میں لوہے کی کھڑکیاں تعمیر کی گئیں۔ اوپر کے حصہ پر پیتل کی جالیاں لگائی گئیں تاکہ کبوتر وغیرہ اندر نہ آسکیں۔

اس گنبد کے اوپر کا حصہ 892 ہجری (1490ء) میں ٹوٹ گیا اور مرمت کے بعد بھی زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا۔ سلطان قایتبائے نے ہدایت دی کہ اوپر کے حصہ کو توڑ کر نیا بنایا جائے جو آئندہ دراڑوں یا شگافوں سے محفوظ رہے۔

سلطان محمود نے گنبد کی مرمت کروائی

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گنبد کے بالائی حصہ پر دراڑیں نمودار ہوگئیں اور عثمانی بادشاہ سلطان محمود ابن عبدالحمید نے پوری عمارت کی تزئین نو کی ہدایات دے دیں۔ یہ کام 1233 ہجری

(1817ء) میں سر انجام پایا۔ یہ شاندار تعمیر ابھی تک موجود ہے۔

گنبد کو سبز رنگ دیا جانا

اس گنبد کو پہلی بار سبز رنگ سلطان عبدالحمید نے 1253 ہجری (1837ء) میں دیا۔ یہی رنگ اب بھی جب ضرورت ہو کیا جاتا ہے۔ تب سے اس کو گنبدِ خضرا[۱] کہا جاتا ہے۔

اس سے پہلے اس کو الفائیہ Alfaiha (جنت کی خوشبو والا) بیضا (گنبد ابیض یعنی سفید) اور زرقہ[۲] (نیلا) کے نام دیئے گئے تھے۔

۱ گنبد خضرا

۲ گنبد الزرقہ

روضۂ رسول ﷺ کی تزئین و آرائش سعودی عہد میں

جب شاہ عبدالعزیز کے علم میں لایا گیا کہ روضۂ رسول ﷺ میں مرمت درکار ہے تو مکمل معائنہ کیا گیا۔ میں بھی ان لوگوں میں (مصنف) شامل تھا جنھوں نے یہ جائزہ لیا۔ حکومت کو ہدایات دی گئیں کہ چھوٹے نقصان جو دراڑوں کی وجہ سے نمایاں ہیں، ان کی مرمت کی جائے۔ یہ مرمت راتوں میں کی گئی۔

باب:4

تاریخی مساجد

اللہ تعالیٰ سورۃ توبہ آیت نمبر 109 میں ارشاد فرماتا ہے کہ جس مسجد کی بنیاد اول روز سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

1- مسجد قباء

بخاری اور نسائی جو دونوں احادیث کے بیان کرنے میں معتبر ہیں، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہفتہ کے دن پیدل یا سواری پر مسجد قباء میں تشریف لایا کرتے تھے۔

ترمذی کی ایک حدیث ہے کہ اوسیدؓ ابن ہدیر انصاری بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ مسجد قباء میں ادا کی گئی ایک نماز ایک عمرہ کے برابر ہے۔

ابن ماجہ اور ابن شیبہ دوسرے دو حدیث بیان کرنے والے کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر سے طہارت اور وضو کر کے قباء مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے آتا ہے اسے ایک عمرہ کے برابر اجر دیا جاتا ہے۔ بخاری میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سالمؓ جو حذیفہ کے غلام تھے، ابتداء میں مہاجرین کی نمازوں کی امامت مسجد قباء میں فرماتے تھے اور ان میں حضرت ابوبکرؓ صدیق اور حضرت عمرؓ ابن خطاب بھی شامل ہوتے تھے۔ اُن کے متعلق رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ چار آدمیوں سے قرآن حاصل (تعلیم) کرو جن میں سالمؓ بھی شامل ہیں۔

مسجد کی تعمیر

جب رسول اکرم رسول اللہ ﷺ اپنی بابرکت ہجرت میں قباء کے گاؤں میں تشریف لائے تو یہاں بنی امر ابن عوف کے ہاں کافی روز قیام فرمایا اور اسی دوران مسجد قباء کی تعمیر کی جو کہ پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد پہلے روز سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔

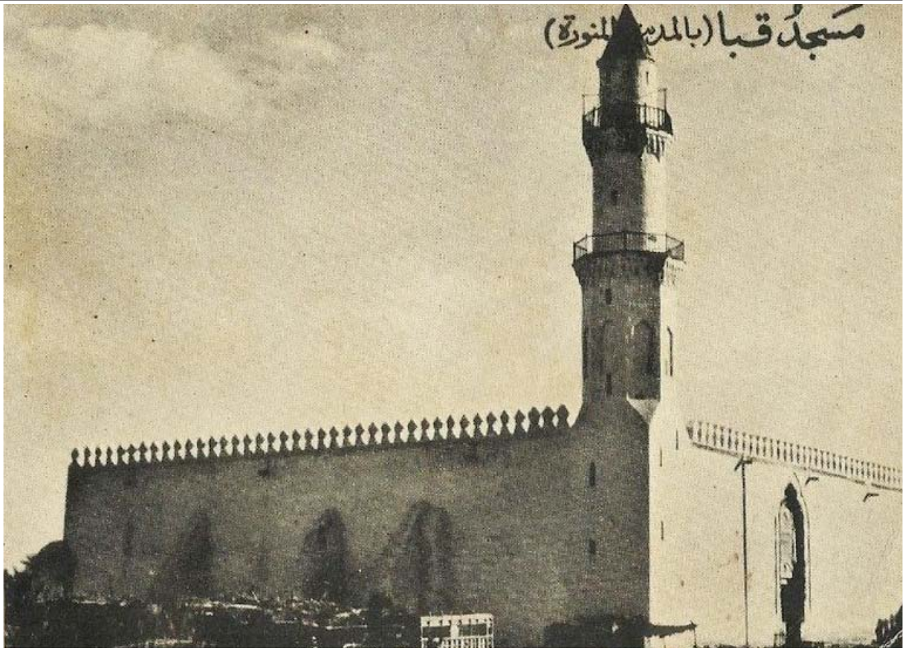

مسجد قباء (قدیم عمارت)

مسجد قباء (جدید عمارت)

رسول اللہ ﷺ خود پتھر، اینٹیں اور ریت اپنے ساتھیوں کے ساتھ تعمیر کے لیے ڈھوتے تھے۔

طبرانی نے شیموس بنت نعمان کے حوالے سے بتایا کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو جب کہ وہ یہ مسجد بنا رہے تھے، دیکھا کہ وہ پتھر اور اینٹیں اپنی کمر پر ڈھو رہے تھے اور کمر جھکی ہوئی تھی۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ ان کا پیٹ اور کپڑے مٹی سے اٹے ہوئے تھے۔ لیکن جب بھی ان کا کوئی صحابی ان سے وہ بوجھ خود اٹھانے کا کہتا تو وہ انکار کر دیتے اور اسے فرماتے کہ جاؤ اور اس کے بدلہ میں اتنا ہی وزن لے کر آؤ۔

رسول اللہ ﷺ نے مسجد قباء میں پہلی نماز کی امامت فرمائی جب کہ قدس (یروشلم) اس وقت قبلہ تھا۔

وہ جنہوں نے مسجد قباء کی تزئین اور وسعت کی

مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ عثمانؓ ابن عفان نے مسجد کی تزئین و توسیع کی۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے بحثیت گورنر مدینہ امیہ دور 93-91 ہجری (713-711ء) میں بھی یہی کام کیا تھا۔ انہوں نے پہلی بار مسجد میں مینار اور بالکونیاں بنوائی تھیں، ان کی پچی کاری سے آرائش کی اور چھت کی تعمیر درختوں کی شاخوں اور پتوں کی بجائے لوہے کی سلاخوں سے کی تھی۔

ابو یعلیٰ حسینی نے 435 ہجری (1045ء) میں مسجد کی تزئین کی۔ دوسرے لوگ جنہوں نے مسجد قباء کی تزئین کروائی ان میں جمال الدین اصفہانی جو بنی زنگی موصل کے حاکم کا وزیر اعظم تھا، شامل تھا۔ یہ تزئین 555 ہجری (1162ء) اور 671 ہجری (1275ء) میں ہوئی تھی۔

ناصر ابن قلاوون حاکم مصر نے مسجد قباء کی 733 ہجری (1335ء) میں تزئین کی اور اشرف برسبائی مصر کے ایک دوسرے حاکم نے اس کی چھت کی تزئین 840 ہجری (1439ء) میں

کروائی۔

1406 ہجری (1985ء) میں شاہ فہد نے حکم دیا کہ مسجد قباء کو زیادہ وسیع کیا جائے تا کہ زیادہ نمازیوں کو جگہ میسر آ سکے۔ یہ کام بن لادن کمپنی کو دیا گیا اور اب اس کا نظم ونسق محمد بن لادن کے بیٹوں کے پاس ہے۔ محمد بن لادن وہ ٹھیکیدار ہے جسے شاہ عبدالعزیز کے دور میں مسجد نبوی کی توسیع کا کام دیا گیا تھا۔ اس توسیع کا کام 1407 ہجری (1986ء) میں مکمل ہوا تھا۔ شاہ فہد نے نئی توسیع شدہ مسجد کا افتتاح کیا تھا۔

اس توسیع کے ساتھ مسجد کا رقبہ 6100 مربع میٹر ہو گیا ہے اور اس کے ساتھ مسجد کے سامنے کے کھلے حصہ کا رقبہ 4000 میٹر ہو گیا ہے۔ پہلے مسجد کا کل رقبہ 1225 میٹر تھا۔

اس مسجد میں پہلے ایک مینار ہوتا تھا، اب چار میناروں کے علاوہ چھ گنبد بھی ہیں۔ اس میں 90 غسل خانے بنائے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ امام مسجد، مؤذن اور دوسرے عملہ کی رہائش گاہیں بھی بنائی گئی ہیں۔ نئی تعمیر میں وسعت دیتے وقت اسلامی فن تعمیر کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس کام کے لیے 9 کروڑ سعودی ریال خرچ ہوئے ہیں۔

سال 877 ہجری (1475ء) میں مسجد کا مینار گر گیا تھا جسے سلطان قایتبائے نے چار سال بعد دوبارہ تعمیر کیا۔

موجودہ تعمیر

ایک مستند تاریخ دان جعفر ہاشم کہتا ہے کہ موجودہ تعمیر 1240 ہجری (1824ء) میں عثمانیہ سلطنت کے سلطان محمود خان نے کروائی۔

محل وقوع اور کل رقبہ

یہ مسجد قباء دیہات میں واقع ہے جو مدینہ کے جنوب میں تین کلومیٹر کے فاصلہ پر واقعہ

ہے۔اس کی شکل چار کناروں (چوکور) جیسی ہے اور اس کا کل رقبہ 1225 مربع میٹر ہے۔اس کے 30 ستون ہیں اور نیو کا رخ سیدھا شمال کی طرف ہے۔

مسجد کا منبر

880 ہجری (1475ء) میں، اشرف قایتبائے نے مصر سے ایک سنگ مرمر کا منبر مسجد نبوی کے لیے بھجوایا۔عثمانی سلطان مراد نے بھی مسجد قباء کے لیے ایک منبر بھجوایا تھا۔

عثمانی منبر بعد میں مسجد نبوی میں بھیج دیا گیا، جہاں وہ اب تک موجود ہے اور قایتبائے والا سنگ مرمر کا منبر دوبارہ اس کی پرانی جگہ پر مسجد قباء میں رکھ دیا گیا تھا جو اب تک وہیں موجود ہے۔[1]

نبی اکرم ﷺ کی مسجد میں جائے نماز

قباء مسجد میں موجودہ محراب وہ جگہ نہیں ہے جہاں رسول کریم ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے۔

سمہودی اور ابن لیلیٰ کے مطابق، نبی ﷺ کی مسجد قباء میں نماز ادا کرنے کی جگہ اس ادھورے ستون کے مشرق کی جانب تھی جو ان ستونوں کی سیدھ میں ہے جو موجودہ محراب کے فوری بعد رکھے گئے ہیں۔قبلہ کا اقصیٰ کی طرف سے کعبہ کی طرف تبدیلی سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی نماز ادا کرنے کی جگہ تیسرے ستون کے نزدیک کھلی جگہ (صحن) میں تھی جب کوئی دوسرے دروازے سے مسجد میں داخل ہوتا ہے۔(پہلے یہ دروازہ حضرت سعدؓ ابن خیثم کے صحن کے سامنے کھلتا تھا)۔ تیسرا ستون بھی ادھورے ستون کے سامنے ہے۔

مسجد کی زیارت

زائرین، حج سے پہلے یا بعد میں مسجد قباء کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔مسجد میں آنے سے

1۔ مصنف نے کتاب میں قایتبائے کے منبر کی تصویر کے نیچے درج کیا ہے کہ شاہ فہد کے دور میں مسجد قباء کی توسیع و تزئین کے وقت یہ منبر وہاں سے اٹھا دیا گیا تھا اور اسے مدینہ میں شاہ عبدالعزیز لائبریری میں ایک تاریخی یادگار کے طور پر محفوظ کر لیا گیا ہے اور اب بھی وہیں موجود ہے۔(مترجم)

سلطان قایتبائی نے مسجد نبوی کے لیے 888 ہجری (1475 عیسوی) میں یہ منبر بھجوایا۔ جو بعد میں مسجد قبا میں رکھا گیا۔ شاہ فہد کے دور کی توسیع کے بعد یہ منبر ایک تاریخی تبرک کے طور پر شاہ عبدالعزیز لائبریری مدینہ میں رکھ دیا گیا ہے۔

مسلمانوں کے دلوں میں بابرکت ہجرت اور رسول اللہ ﷺ کی اشاعت اسلام کی کوششوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

2- مسجد جمعہ

ایک دن رسول اللہ ﷺ قباء گاؤں سے مدینہ جا رہے تھے کہ جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اس وقت آپ ﷺ بنی سالم ابن عوف کے گھر کے قریب تھے۔ آپ نے نماز جمعہ رانو ناء وادی میں ادا کی۔ اس مقام پر ایک مسجد بنائی گئی اور تب سے اسے جمعہ مسجد کہا جاتا ہے۔

دراصل ہجرت کے بعد رسول کریم ﷺ کی یہ پہلی جمعہ کی نماز تھی۔

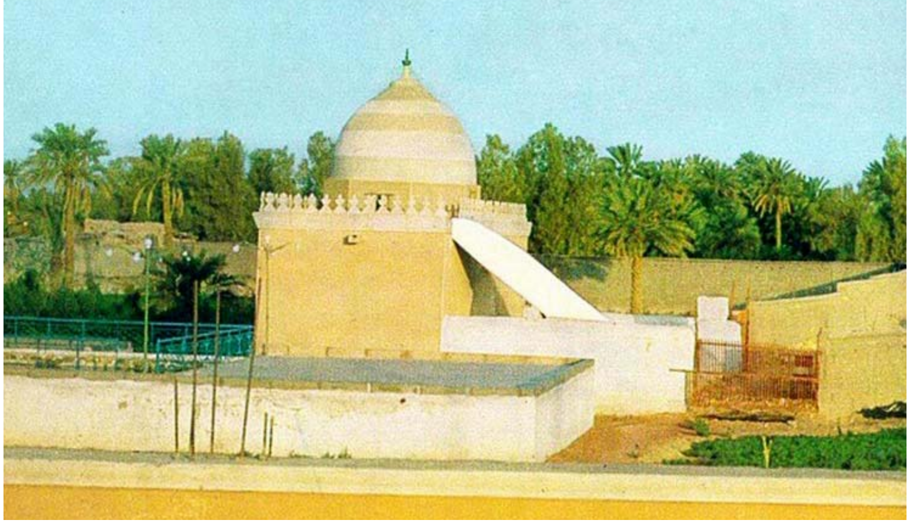

مسجد جمعہ (قدیم عمارت)

مسجد کی تعمیر

یہ مسجد نصف بلندی تک پتھروں سے بنائی گئی تھی۔ اس کی موجودہ پتھروں سے مضبوط تعمیر عثمانی سلطان بایزید نے ہجرت کی نویں صدی میں کروائی۔

ایک سعودی کاروباری شخص حسن شربتلی نے چند سال قبل مسجد کے ساتھ جنوبی طرف ایک باغ

مسجد جمعہ (جدید عمارت)

خریدا اور اس نے مسجد کی تزئین سنگ مرمر کے ساتھ کی۔ اس کی لمبائی 8 میٹر، چوڑائی 4.5 میٹر اور اونچائی 2 میٹر سے زیادہ ہے۔ اس کا کھلا حصہ 8 میٹر ہے۔

یہ مسجد کھجور کے باغوں اور قباء کے گاؤں کی رانو ناء وادی میں واقع ہے۔ یہ مسجد قباء کے شمال میں آدھا کلومیٹر اور مدینہ سے 2.5 کلومیٹر دوری پر واقع ہے۔

مسجد قبلتین

اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ میں فرماتا ہے، ''ہم تمہارا چہرہ (ہدایت کے لیے) آسمان کی طرف بار بار اٹھتا ہوا دیکھ رہے ہیں، اب ہم تم کو اس قبلہ کی طرف موڑ دیں گے کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف موڑ دو: تم جہاں بھی ہو اپنا منہ اسی طرف موڑ دو۔''[1]

یحییٰ ابن محمد اخنس کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ بنی سلامہ میں ام البشر کو ملنے کی خاطر جا رہے تھے جب کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ انہوں نے ابھی دو رکعت نماز ہی ادا کی تھی کہ انہیں یہ حکم ملا کہ قبلہ کا رخ یروشلم میں مسجد اقصیٰ کی بجائے مکہ میں خانہ کعبہ کی طرف موڑ دو تو انہوں نے فوراً اس کی

1۔ سورۃ بقرہ آیت 144

مسجد قبلتین

تعمیل کی اور نماز پڑھنے کے دوران ہی کعبہ کی طرف اپنا منہ موڑ لیا۔ انہوں نے دو رکعت نماز شکرانہ بھی اس حکم کی تعمیل میں ادا کئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مسجد کو یہ نام دیا گیا جس کا مطلب دو قبلوں والی مسجد ہے۔

یہ مسجد ایک سطح مرتفع پر بنی سلمہ کے محلّہ جو مدینہ کے شمال مغرب میں واقع ہے، میں تعمیر کی گئی تھی۔ اس کے اردگرد باغات ہیں اور عقیق وادی اس کے مغرب میں ہے۔

مسجد کی تعمیر

رسول اکرم ﷺ کے وقت میں یہ مسجد پتھروں، درخت کے تنوں، پتوں اور کھجور کے درختوں کی ٹہنیوں سے بنائی گئی تھی۔ شاہین جمالی نے 893 ہجری (1491ء) میں مسجد کی تزئین کی اور اس کی چھت تبدیل کی۔ عثمانی سلطان سلیمان نے 950 ہجری (1546ء) میں اس کی تزئین کی۔

شاہ عبدالعزیز نے اس مسجد کی دوبارہ تعمیر کی، اس کا رقبہ بڑھایا اور مینار بنوائے اور کنکریٹ کی سیڑھیاں بنوائیں۔ اس کی لمبائی 9 میٹر، چوڑائی اور اونچائی 4.5 میٹر ہے۔ جنوبی حصہ میں ایک محراب ہے۔ یہ وہ جگہ ہوسکتی ہے جس جگہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے تبدیلی کعبہ کا حکم سنا تھا۔

4- مسجد فتح

امام احمدؒ ابن حنبل، جابرؓ ابن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد میں اللہ تعالیٰ سے تین بار التجا فرمائی تھی کہ کفار کی فوجوں کو احزاب کی جنگ میں شکست ہو۔ انہوں نے یہ دعا بروز پیر، منگل اور بدھ فرمائی تھی اور تیسرے روز جو بدھ کا دن تھا اللہ نے ان کی یہ التجا (دعا) قبول فرمالی۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اس دن کے بعد جب کبھی بھی کوئی مشکل پیش آتی تھی تو حضور ﷺ اس مسجد کے اسی مقام پر کھڑے ہو کر دعا فرماتے اور فوراً ہی اس کا جواب آپ کو مل جاتا تھا۔

حضرت جابر ابن محمد بیان فرماتے ہیں، ''رسول اکرم ﷺ مسجد میں داخل ہوتے، دو قدم بڑھتے، اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتے اور دعا مانگنا شروع کر دیتے۔

الفتح مسجد جبل سلع کے شمال مغربی حصہ پر واقع ہے اور وادیٔ بطحان جسے اب وادی ابو جراح کہا جاتا ہے، سے دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ جنوب اور جنوب مغربی علاقہ خندق کے قریب ہی واقع ہے۔ اس مسجد کے دو دوسرے نام بھی ہیں جو مسجد احزاب اور العلیٰ مسجد ہیں۔

بہت سی مساجد جو اس مسجد کے جنوب میں بنائی گئی ہیں وہ بھی فتح مساجد ہی کہلاتی ہیں۔

مسجد الفتح (قدیم)

مسجد الفتح (جدید)

مسجد کی تعمیر

یہ مسجد سب سے پہلے پتھروں، اینٹوں، درختوں کے تنوں اور کھجور کے درختوں کے پتوں اور ٹہنیوں سے بنائی گئی تھی۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز جو بنوامیہ کے دور حکومت میں مدینہ کے گورنر تھے، نے 93 ہجری (713ء) میں اس مسجد کی تزئین کروائی اور حسین ابن ابو ھایجہ، شاہ مصر نے اس کی دوبارہ تعمیر 575 ہجری (1182ء) میں کروائی۔

سعودی حکومت اس مسجد کی مرمت کا خیال رکھتی ہے اور اس نے اس میں کنکریٹ کی سیڑھیاں بنوادی ہیں۔

مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی نماز ادا کرنے کی جگہ (مصلیٰ)

بہت سے تاریخ دانوں کے مطابق رسول اکرم ﷺ کی اس مسجد میں نماز ادا کرنے اور دعا مانگنے کی جگہ ایک ہی ہے۔ یہ جگہ مسجد کے صحن میں کھلی جگہ پر درمیانی ستون کے قریب ہے۔ یہ جگہ موجودہ محراب کے مقابل ہے۔

فتح مسجد کے جنوب میں چار مساجد

الفتح مسجد کے جنوب میں چار مساجد بنی ہوئی ہیں۔ سب کو ہی، جیسے میں نے پہلے بیان کیا ہے فتح کہا جاتا ہے۔ یہ مساجد، سلمانؓ فارسی مسجد، علیؓ ابن ابو طالب مسجد اور ابوبکرؓ صدیق مسجد کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ مجھے چوتھی مسجد کا کوئی نام معلوم نہیں ہو سکا نہ ہی مجھے کسی قسم کی کوئی شہادت ملی ہے کہ پہلی تینوں مساجد کے موجودہ نام کیوں ہیں۔ میرا اغلب خیال ہے کہ یہ نام ان مساجد کے زائرین کو گائیڈ کرنے والے آدمیوں نے دیئے ہوں گے۔ جب وہ ان تاریخی مساجد

کو دیکھنے کے لیے آتے ہوں گے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ غزوہ خندق کے وقت عربی قبیلوں نے اس علاقہ میں جہاں اب چاروں مساجد واقع ہیں، اپنے کیمپ لگائے ہوئے تھے۔ رسول اللہﷺ نے ان چاروں مساجد میں نمازیں ادا کی تھیں۔ یہ چاروں مساجد اور فتح مسجد سب ہی جبل سلع کے مغربی طرف ہیں اور یہاں سے وادی بطحان دیکھی جاسکتی ہے۔

1- مسجد حضرت سلمانؓ فارسی...... یہ وہ مسجد ہے جو فتح مسجد کے فوری جنوب میں ہے۔

2- مسجد حضرت علیؓ ابن ابوطالب...... یہ جنوب ہی میں مسجد حضرت سلمانؓ فارسی کے بعد آتی ہے۔

3- مسجد حضرت ابوبکرؓ صدیق ...... یہ مسجد حضرت علیؓ کی مسجد کے بعد ہے اور اس کا مشرقی طرف کچھ جھکاؤ ہے۔

4- چوتھی مسجد بغیر نام کے ہے...... یہ ابوبکرؓ مسجد کے جنوب مشرق کی طرف واقع ہے۔

577 ہجری (1183ء) میں مصر کے حاکم حسین ابن ھایجہ نے مسجد حضرت سلمانؓ فارسی اور مسجد حضرت علیؓ ابن ابواطالب کو دوبارہ بحال کیا۔

مسجد حضرت علیؓ ابن ابوطالب زمین بوس ہوگئی تھی اور اسے مدینہ کے گورنر زین الدین دگھیم ابن حشرم منصوری نے 876 ہجری (1474ء) میں دوبارہ تعمیر کیا۔

مدینہ کے بعض لوگوں نے مسجد ابوبکرؓ صدیق کو 902 ہجری (1499ء) میں دوبارہ تعمیر کیا۔

ان مساجد کی موجودہ حالت سے ایک دیکھنے والے کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی دیکھ بھال اور بحالی ترک عثمانی سلطنت کے دوران ہوئی ہوگی۔

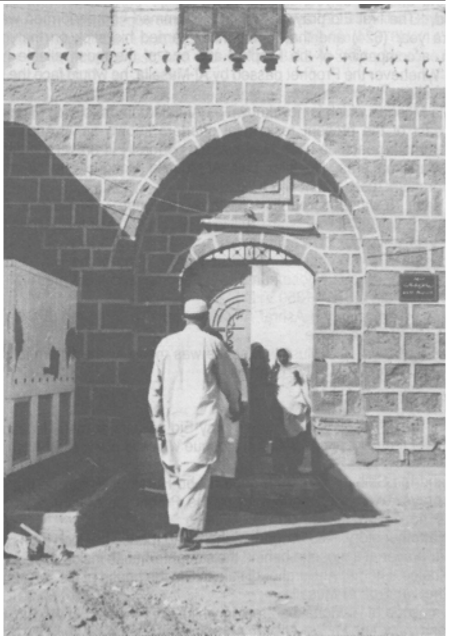

مسجد علیؓ بن ابی طالب

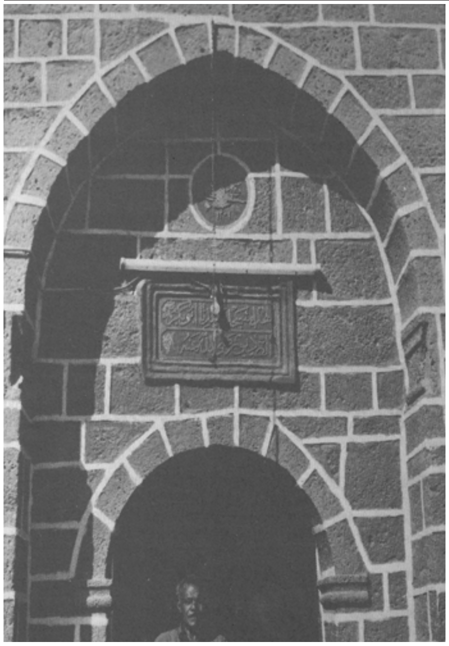

مسجد ابوبکرؓ صدیق

مسجد عمرؓ بن خطاب

مسجد سلمانؓ فارسی

5- مصلیٰ مسجد

رسول اللہ ﷺ عید کی نمازیں مناخہ یا اس کے نزدیک کھلی جگہ میں ادا کیا کرتے تھے۔

واقدی کہتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے پہلی عید کی نماز 2 ہجری (624ء) میں ادا کی اور میں آپ کا عصا اس دن خود لے کر گیا تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ جو رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے اور احادیث بیان کرنے والی مستند شخصیت تھے، فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ جب کبھی بھی مصلیٰ سے گزرتے تو وہ قبلہ رو ہو کر عاجزی سے دعائیں مانگتے تھے۔

المصلیٰ مسجد جو اب غمامہ (بادل) مسجد کے نام سے بھی جانی جاتی ہے، اور موجودہ رہائشی کوارٹر جو عریدیہ کے نام سے جانے جاتے ہیں، کے مشرق میں واقع ہے۔

مسجد غمامہ

رسول اکرم ﷺ مناخہ کے علاقہ میں مختلف جگہوں پر عید کی نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے بعد میں مصلیٰ مسجد بنالی اور تب سے وہ عید کی نمازیں وہیں پڑھتے تھے۔

سمہودی کہتا ہے کہ یہ بات عیاں ہے کہ تینوں مساجد...... مصلیٰ، علیؓ ابن ابو طالب اور ابوبکرؓ صدیق 93-91 ہجری (713-711ء) میں بنائی گئیں جب حضرت عمر ابن عبدالعزیز مدینہ کے گورنر تھے۔

مصری حاکم ناصر حسن ابن قلاوون کے دور حکومت میں حرم رسول کے انچارج فیض الدین تھے جنہوں نے مصلیٰ مسجد کی تزئین کروائی۔ یہ کام 748 ہجری (1350ء) میں کیا گیا۔

مدینہ کے گورنر باربک، جب اشرف اینال مصر کا حاکم تھا، نے 861 ہجری (1406ء) میں بھی اس مسجد کی تزئین کروائی تھی۔

المصلیٰ مسجد کی موجودہ تعمیر عثمانی سلطان عبدالمجید نے 14 ہجری میں کروائی تھی۔

6- مسجد علیؓ ابن ابو طالب

جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید کی نمازیں مناخہ کے علاقہ کی مختلف مساجد میں پڑھا کرتے تھے۔ ان مساجد میں سے ایک مسجد جو کہ اب مسجد علیؓ ابن ابو طالب کہلاتی ہے، شامل ہے۔

ابن زبالہ اور ابن شیبہ دونوں نے ہی حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ آنے کے بعد پہلی عید الفطر حکیم ابن عداء کے گھر کے صحن میں ادا کی تھی۔

ابن شیبہ ایک دوسری حکایت میں کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پہلی عید الفطر کی نماز ایک مسجد میں ادا کی جو ذبیحہ خانہ کے پیچھے عداء ابن خالد کے گھر کے صحن میں واقع تھی۔ سمہودی کہتا ہے کہ یہ گھر ان کے بیٹے حکیم کا ہے جو مصلیٰ کے مغرب میں تھا۔

غالبًا یہ مسجد مناخہ کے علاقہ میں جہاں رسول اللہ ﷺ نے عید کی نماز کی امامت کی تھی وہی ہے جو اب مسجد علیؓ ابن ابو طالب کہلاتی ہے۔

مسجد علیؓ بن ابو طالب (جدید)

مسجد کو یہ نام کیسے دیا گیا

یہ بات مانی ہی نہیں جا سکتی کہ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ ابن ابو طالب کسی بھی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنا ترک کر دیں اور اپنے لیے اپنی ذاتی مسجد بنا لیں۔ یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر کی نماز اس مسجد میں پڑھی جس کے بعد انہوں نے مصلیٰ مسجد کو ہمیشہ کے لیے عید کی نماز کے لیے مختص کر دیا۔

تاہم بہت سے تاریخ دان کہتے ہیں کہ اس مسجد کو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ جب خلیفہ عثمانؓ کا گھراؤ ہوا تھا تو حضرت علیؓ نے عید کی نمازوں کی امامت اس مسجد میں کی تھی۔

حدود اربعہ (Location)

یہ مسجد مصلیٰ مسجد کے شمال میں واقع ہے اور عریدیہ کے رہائشی کوارٹروں کے شمالی حصہ میں ہے۔ یہ مسجد عنایہ سٹریٹ کے مقابل ہے جو مسجد نبوی کے مغربی چوک سے سلام اور الرحمٰن گنبدوں کے درمیان سے شروع ہوتی ہے۔

اس سڑک کا افتتاح پہلی جنگ عظیم کے بعد ترکوں کے عہد کے گورنر فخری پاشا نے کیا تھا۔

الیاس اور کردی کے گھر جو طیار کی گلی میں واقع ہیں، وہ بھی اس سڑک کی طرف کھلتے ہیں۔

یہ دونوں گھر غالباً حکیم ابن عداء کے گھر کی جگہ پر بنے ہیں۔

مسجد کی تعمیر

اس مسجد کی تزئین مصلیٰ اور ابوبکرؓ صدیق مساجد کے علاوہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز جو امیہ دور میں مدینہ کے گورنر تھے، نے 93-91 ہجری (13-711ء) میں کی تھی۔

ترکوں کے دور حکومت میں مدینہ کے گورنر زین الدین دغیم منصوری نے 881 ہجری (1479ء) میں اس مسجد کی تعمیر نو کروائی۔ مسجد کی موجودہ شکل سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ اسے ترکوں کے عہد حکومت میں دوبارہ بنایا گیا ہوگا۔

7- مسجد ابوبکرؓ صدیق

یہ مسجد مصلیٰ مسجد کے شمال میں عریدیہ رہائشی کوارٹروں کے مغربی جانب واقع ہے جو پہلے عریدیہ باغ کہلاتا تھا۔

مطری کہتا ہے کہ یہ مسجد جیسا کہ ابن زبالہ نے بتایا ہے۔ وہاں واقع ہے جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے عید کی نماز پڑھائی تھی اور اس وقت تک وہاں صرف مسجد مصلیٰ ہوتی تھی، اس کے شمال میں جو مسجد واقع تھی وہ ابوبکرؓ صدیق مسجد تھی اور تیسری بڑی مسجد جو عریدیہ باغ کے شمال میں واقع تھی وہ مسجد علیؓ ابن ابو طالب تھی۔

مسجد ابوبکرؓ صدیق

اس مسجد کو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق جو مسلمانوں کے پہلے خلیفہ ہوئے ہیں، نے عید کی نمازیں یہاں پڑھائی ہیں۔

مسجد کی موجودہ تعمیر عثمانی خلیفہ سلطان محمود نے 1254 ہجری (1838ء) میں کروائی۔

المناخہ میں وہ مقامات جہاں رسول اللہ ﷺ نے نمازیں ادا کیں

ابن زبالہ، ابراہیم ابن امیہ سے روایت کرتا ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے اپنی پہلی عید کی نماز الدوس کے کوارٹرز والی جگہ پر جو ابوالجنوب کے گھر کے نزدیک تھی، ادا کی۔ پھر انہوں نے حکیم ابن

عدا کے گھر کے صحن میں نماز عید ادا کی اور اس کے بعد متواتر عبداللہ ابن دورہ مزنی کا گھر استعمال کیا۔محمد ابن عبداللہ ابن کثیر ابن سلط کا گھر اور آخر میں مصلیٰ مسجد میں نمازیں ادا کیں۔

ابو جنوب کا گھر بطحا وادی کے مغرب میں واقع تھا اور دورہ کا گھر وادی کے مشرق میں اور موجودہ مسجد مصلیٰ کے جنوب میں تھا۔

یہ بات عیاں ہے کہ مسجد ابوبکرؓ اور مسجد علیؓ ابن ابو طالب دونوں ہی مناخہ کے علاقہ میں واقع تھیں جہاں رسول اللہ نے عیدین کی نمازیں ادا کیں۔

8- مسجد عمرؓ ابن خطاب

المصلیٰ کے جنوب اور موجودہ کازوے (پیدل چلنے کا راستہ) نمبر 2 کے نزدیک بڑی مسجد عمرؓ ابن خطاب مسجد ہے۔اس کے سامنے ٹریفک کنٹرول ٹاور ہے۔ جو بھی کتابیں مدینہ کی تاریخ سے متعلقہ ہیں ان میں سے کسی میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔

مسجد عمرؓ بن خطاب

یہ مسجد غالبًا ابن دُرہ کے پرانے گھر کی جگہ پر بنائی گئی ہوگی۔ اس مسجد کا شاید یہ نام اس لیے رکھ دیا گیا ہوگا کہ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ عمرؓ ابن خطاب نے اپنے خلیفہ بننے کے بعد یہاں نماز ادا کی تھی۔

9- مسجد شجرہ

وہ درخت جس پر اس مسجد کو یہ نام دیا گیا ہے، ایک کیکر (ببول) کا درخت ذوالحلیفہ کے علاقہ میں تھا جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ بیٹھے تھے۔ اس مسجد کو ذوالحلیفہ مسجد بھی کہا جاتا ہے۔

ابن زبالہ کہتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب حج یا عمرہ کے لیے مکہ تشریف لے جاتے تو اس درخت کے نیچے بیٹھتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ بھی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد شجرہ کے دوسرے درمیانی ستون کے قریب نماز ادا کی تھی۔ یہ (مسجد) اس درخت کی جگہ پر بنائی گئی جہاں رسول اللہ ﷺ

مسجد الشجرہ (مسجد ذوالحلیفہ)

اس درخت کے نیچے بیٹھا کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شجرہ مسجد کے درمیانی ستون کے نزدیک اس درخت کے نیچے، نماز پڑھی تھی جس کی جگہ پر یہ مسجد بنائی گئی تھی۔

مسجد کی تعمیر

مدینہ کے تاریخ دانوں میں سے ایک تاریخ دان مطری کہتا ہے کہ مسجد کے جنوبی طرف گنبد بنے ہوئے تھے اور اس کے شمال مغربی کنارے پر ایک مینار بنا ہوا تھا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گر گیا۔

ایک دوسرے تاریخ دان سمہودی کے مطابق مصر کے زین الدین استدار نے 861 ہجری (1460ء) میں اس کی مرمت کی۔ یہ چوکور شکل میں بنی ہے اور اس کا کل رقبہ 23.4 مربع میٹر ہے۔[1] مطری اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ پر نماز ادا کی ہو۔[2]

اس مسجد کے جنوب کی طرف ایک چھوٹی سی مسجد ہے، جسے معرس مسجد کہتے ہیں۔ شجرہ مسجد کو دوبارہ بحال سعودی حکومت نے مسجد نبوی کی توسیع کے دوران کیا۔

محل وقوع

یہ مسجد ذوالحلیفہ میں پکی سڑک کے مشرق میں جو مکہ اور جدہ کی طرف جاتی ہے، ایک خاص چھوٹی سڑک جو بڑی سڑک سے صرف مسجد تک جانے کے لیے بنائی گئی تھی، پر واقع

1۔ اس کتاب کا آخری آیڈیشن 1988ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں شاہ فہد بن عبدالعزیز کے وقت کی توسیع وتزین کا ذکر نہیں ہے، تاہم ایک نئی کتاب کے مطابق اس مسجد کا موجودہ رقبہ تعمیر 26,000 مربع میٹر اور کھلا رقبہ 34,000 مربع میٹر ہے۔

(2) تاریخ مدینہ منورہ تصنیف وتالیف دارالسلام کے مطابق قرین قیاس ہے کہ مسجد رسول اللہ ﷺ کے وقت میں موجود تھی (مترجم)

ہے یہ اسد باغ کے شمال مغرب کی طرف اور وادئ عقیق کے مغربی کنارے پر ہے۔

شیخ حافظ ابو البقاء کہتے ہیں کہ حجاج کرام جو مکہ کی طرف مدینہ سے جاتے ہیں وہ احرام باندھنے کی خاطر اس مسجد کے حلقہ سے بالکل باہر نہ جائیں۔

10- فضیخ مسجد

ابن شیبہ، جابرؓ ابن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر یہودیوں کا محاصرہ کیا اور مسجد کے قریب خیمہ زن ہوئے اور اس جگہ چھ رات تک عبادت کی۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ اور کئی دوسرے صحابہ شراب کی ایک قسم جسے فضیخ کہا جاتا تھا، پی رہے تھے کہ اسی وقت قرآن میں شراب کی ممانعت آ گئی۔ انہوں نے اپنی شراب مسجد میں ہی گرا دی اور اسی وقت سے اس مسجد کو موجودہ نام سے بلایا جانے لگا۔

اس مسجد کا دوسرا نام شمس مسجد بھی ہے کیونکہ یہ ایک اونچی جگہ پر بنی ہوئی ہے اور دوسری جگہوں سے پہلے یہاں سورج کی کرنیں آ جاتی ہیں۔

محل وقوع

یہ مسجد قباء کے مشرقی جانب اور اعوالی گاؤں کے بھی مشرق میں واقع ہے۔

تعمیر

مطری کے مطابق یہ مسجد اسی نمونہ پر بنائی گئی تھی جیسا مسجد قباء کا تھا۔ اس کے 16 ستون تھے لیکن وہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔ اس مسجد کو حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے دوبارہ بنوایا۔ اس کی لمبائی 19 میٹر اور چوڑائی 4 میٹر ہے۔ اس کے 5 گنبد اور ایک محراب ہے۔

11- مسجد سقیہ

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اس مسجد میں نماز ادا کی تھی جب وہ بدر کی جنگ کے لیے جا رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مدینہ کے رہنے والوں کے دلوں میں مدینہ کے لیے ایسا ہی پیار پیدا کر دے جیسا مسلمانوں کے دلوں میں مکہ کے لیے ہے۔

مسجد کی دریافت

یہ مسجد (السقیہ) اسلامی تاریخ دان سمہودی نے دریافت کی تھی جب وہ ماہر یعنی آثار قدیمہ کے ماہرین کو لے کر آیا کہ اس جگہ کی کھدائی کریں۔ سمہودی کے مطابق یہ مسجد سقیہ کنویں کے نزدیک واقع تھی اور اس کو جدہ، مدینہ کی سڑک علیحدہ کرتی تھی۔ اس وقت یہ مسجد عنبریا ریلوے اسٹیشن کے احاطہ میں واقع ہے۔

اس مسجد کو سروں کا گنبد بھی کہتے ہیں کیونکہ ترکوں نے کچھ ڈاکوؤں کے سر کاٹ کر اس مسجد میں ڈال دیئے تھے۔

اب یہ مسجد ویران ہو چکی ہے اور یہاں کوئی نماز ادا نہیں کی جاتی۔

مسجد سقیہ

12- مسجد ابوذرؓ

حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے غیر معمولی طور پر بہت لمبا سجدہ کیا۔ بعد میں جب آپ کے صحابہ کرام نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس خوشخبری لے کر آئے تھے کہ جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ دعا کرے گا کہ ''اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمتیں ہوں۔'' اللہ اس شخص پر ویسا ہی انعام فرمائے گا جیسا اس نے خود حضور کے لیے مانگا تھا۔

سمہودی کے مطابق یہ مسجد غالباً اس جگہ پر بنائی گئی ہوگی جہاں رسول اکرم ﷺ نے وہ لمبا سجدہ ادا کیا تھا۔

محل وقوع

یہ مسجد ابوذرؓ سڑک کے شروع والے چوک سے 150 میٹر کے فاصلہ پر بُحیری باغ کے شمال مشرق میں واقع ہے۔

مسجد ابوذرؓ غفاری

یہ مسجد سعودی دور میں دوبارہ تعمیر ہوئی۔ اس کے شمال اور جنوب کی طرف دو چھوٹے عوامی پارک ہیں۔

13- بنوساعدہ مسجد

ابن شیبہ روایت کرتے ہیں کہ عباس ابن سہل نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد میں نماز ادا کی تھی۔ یہ بنی ساعدہ کے گھر کے نزدیک واقع ہے جہاں مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر جب وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد پہلے مسلمان خلیفہ چنے گئے تھے، بیعت کی تھی۔

اس مسجد کی پرانی جگہ سلطانیہ تکون پر ہے جہاں عوامی لائبریری اور لیکچر روم بنائے گئے تھے۔

مدینہ سے باہر ایک ایمان کی حرارت والے کی صحرائی مسجد

باب:5

بقیع الغرقد......شہدائے اُحد

بقیع الغرقد

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں نے ایک دفعہ آپ کو قبرستانوں میں جانے سے منع کیا تھا اب آپ لوگ وہاں جا سکتے ہو کیونکہ یہ آخرت کی یاد دلاتے ہیں۔'' صحیح مسلم میں سیدہ عائشہؓ سے یہ بیان منسوب ہے کہ رسول اکرم ﷺ کافی رات گئے بقیع میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور وہاں مدفون لوگوں کی مغفرت کے لیے دعا فرمایا کرتے تھے۔

ترمذی میں بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب کبھی رسول اللہ ﷺ اہل مدینہ کی قبور کے پاس سے گزرتے تو فرماتے کہ ''اے اہل قبور جو یہاں مدفن ہو تم پر اللہ کی سلامتی ہو اور اللہ ہماری اور آپ کی مغفرت فرمائے۔''

بقیع الغرقد

بقیع الغرقد وہ قبرستان ہے جہاں مدینہ کے لوگوں کو دفن کیا جاتا ہے۔ شروع میں یہ ایک کھلی جگہ تھی جہاں جھاڑیاں اُگی ہوتی تھیں۔ یہ قبرستان مسجد نبوی کی جنوب مشرقی سمت میں شہر کے مشرقی حصہ میں واقع ہے۔ اس کو مغرب میں رہائشی علاقہ حارۃ اغوات نے گھیرا ہوا ہے۔ اس کو ایک گلی جو ابودہر روڈ وابوذرؓ مسجد اور عوالی سٹریٹ کی طرف جاتی ہے، علیحدہ کرتی ہے۔

البقیع کے جنوب مشرق کی طرف وہ جگہ واقع ہے جہاں میتوں کو غسل دیا جاتا ہے اور تدفین کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ یہیں محکمہ پولیس کا دفتر بھی ہے۔

اہل بیت، صحابہ کرام اور مومنین

مؤرخین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی اور اہل بیت جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں

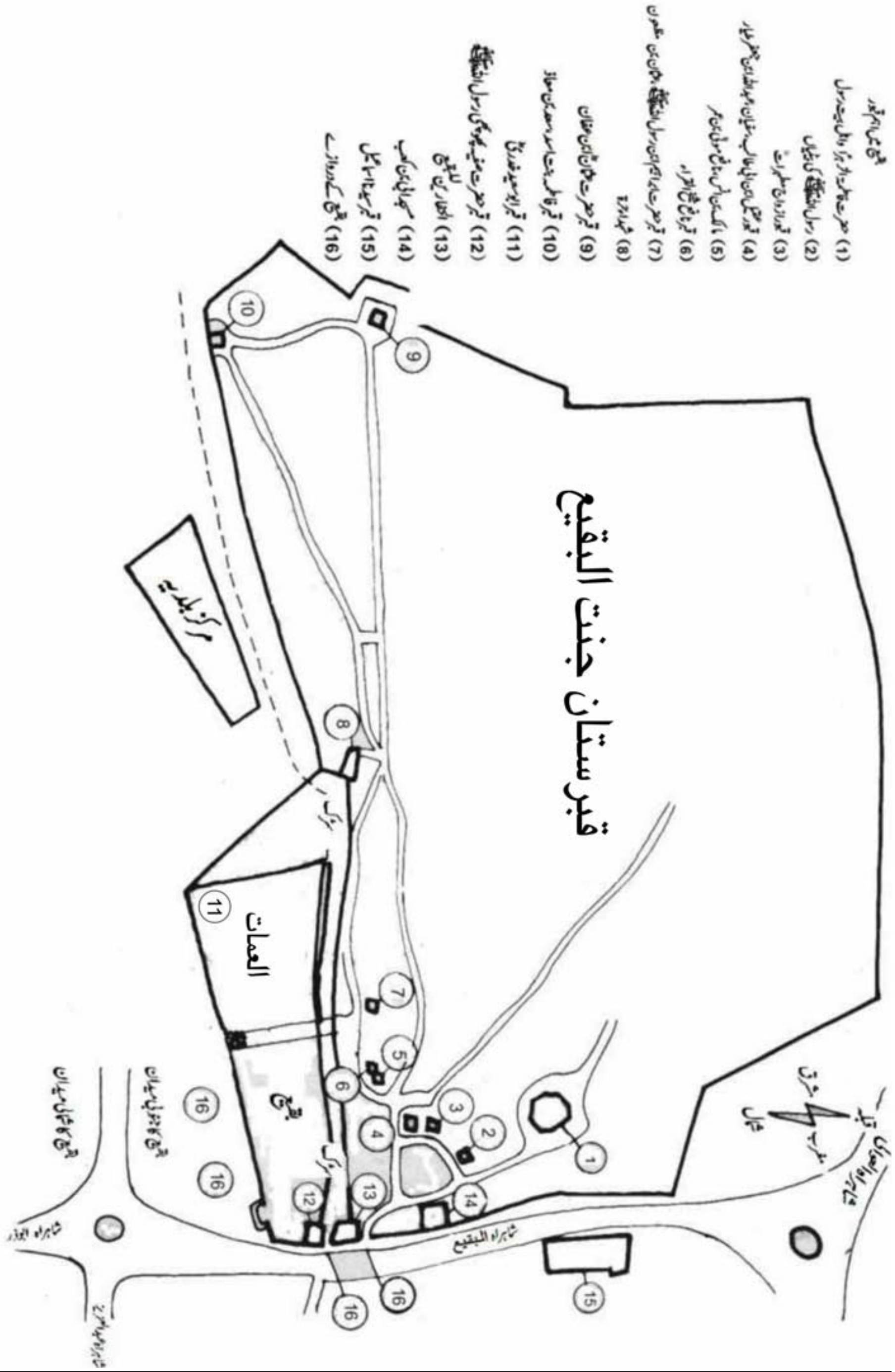
قبرستان جنت البقیع
العمات
شاہراہ البقیع

اور جوان کی وفات کے بعد فوت ہوئے، بقیع الغرقد میں مدفون ہیں۔

مالک کی روایت کے مطابق جو ایاز نے بیان کی ہے کہ دس ہزار صحابہ نے مدینہ میں وفات پائی اور بقیع میں مدفون ہوئے۔ دوسرے صحابہ کرام مختلف اسلامی ممالک میں دفن کیے گئے۔

انصار اور مہاجرین میں سے پہلے دفن ہونے والے صحابہ کرام

انصار میں سے سب سے پہلے صحابی جو بقیع میں دفن ہوئے وہ حضرت اسعدؓ ابن زرارہ انصاری تھے اور مہاجرین میں سے حضرت عثمانؓ ابن مظعون تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی مغفرت فرمائے۔

البقیع میں قبور پر کوئی نشانی یا کتبہ آویزاں نہیں ہے کہ معلوم ہو سکے کہ یہاں کون دفن ہے لیکن مؤرخین اور عام معلومات جو لوگوں کو ہیں، سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کونسی قبور مشہور لوگوں کی ہیں۔

عقیل ابن ابو طالب کی قبر

جنوب مغربی دروازہ (گیٹ) سے 60 میٹر جنوب مغرب کی طرف مندرجہ ذیل قبور واقع ہیں:

1- عقیل ابن ابو طالب کی قبر۔

2- سفیان ابن حارث ابن ابو طالب کی قبر۔

3- عبداللہ ابن جعفر طیار کی قبر۔

رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کی قبور

عقیل کی قبر سے پانچ میٹر کے فاصلہ پر پکے راستہ پر کھڑے ہوں تو آپ رسول اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کی قبور دیکھیں گے۔ یہ عقیل کی قبر سے جنوب کی طرف واقع ہیں۔

1- سیدہ عائشہؓ بنت ابو بکرؓ

2- سیدہ سودہؓ بنت زمعہ الامیرہ

3- سیدہ حفصہؓ بنت عمرؓ ابن خطاب

4- سیدہ زینبؓ بنت خزیمہ ہلالیہ

5- سیدہ ام سلمہؓ بنت ابو یمامہ مخذومیہ

6- سیدہ جویریہؓ بنت حارث مستالیقیہ

7- سیدہ ام حبیبہؓ رملہ بنت ابوسفیان

8- سیدہ صفیہؓ اسرائیلیہ بنت حییٔ ابن اخطب

سیدہ خدیجہؓ بنت خویلد اور سیدہ میمونہؓ بنت حارث ہلالیہ یہاں دفن نہیں۔ پہلی مکہ میں مدفون ہیں اور دوسری ساراف میں جو مکہ سے 6 میل پر ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کی قبور

رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کی قبور سے بائیں طرف 10 میٹر کے فاصلہ پر رسول اکرم ﷺ کی صاحبزادیوں کی قبور دیکھی جاسکتی ہیں۔

1- سیدہ ام کلثومؓ

2- سیدہ رقیہؓ

3- سیدہ زینبؓ

اہل بیت (رشتہ داروں) کی قبور

رسول اکرم ﷺ کے کچھ رشتہ داروں کی قبور کی جگہ، ان کی بیٹیوں کی قبور سے جنوب مشرق میں 25 میٹر پر واقع ہیں۔ یہاں مندرجہ ذیل کی قبور ہیں:

1- حضرت حسنؓ ابن علیؓ ابن ابوطالب۔

2- سیدہ فاطمہؓ بنت رسول اللہ ﷺ۔

1۔ مصنف نے حضور کی گیارہویں بیوی سیدہ زینبؓ بنت جحش کا ذکر نہیں کیا۔ (مترجم)

جنت البقیع موجودہ دور میں

جنت البقیع اور مسجد نبوی ﷺ کی ایک پرانی تصویر

3- حضرت محمد ابن باقر زین العابدین۔[1]

4- حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب (رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی۔)[2]

5- حضرت زین العابدین ابن حسینؓ ابن علیؓ۔

6- حضرت جعفر صادق ابن محمد باقر۔

7- حضرت حسینؓ ابن علیؓ کا سر مبارک۔

سمہودی اپنی کتب ''وفا الوفا'' اور ''الخلاصہ'' میں بیان کرتا ہے کہ بنو امیہ کے خلیفہ یزید نے حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد ان کا سر مبارک اس وقت کے گورنر مدینہ عمر ابن سعد ابن عاص جو اصدق کے نام سے جانا جاتا تھا کو بھیجا جس نے اسے غسل دے کر کفن میں لپیٹا اور بقیع میں ان کی والدہ سیدہ فاطمہؓ کے پہلو میں دفن کیا۔

مالک ابن انسؒ اور نائف، عمرؓ کے خادم کی قبور

قبرستان کے دروازہ (گیٹ) سے 50 میٹر کے فاصلہ پر اور عقیل کی قبر کے شمال مشرق کی طرف یہ دو قبور ملتی ہیں۔

1- مالک ابن انسؒ، مالکی فقہ کے بانی۔

2- نائف حضرت عمرؓ کے خادم اور مالک کے سکالر استاد۔

عثمانؓ ابن مظعون اور دیگر کی قبور

یہ قبر مالک ابن انسؒ کی قبر سے 20 میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور اگر آپ بائیں راستہ کی پگڈنڈی پر کھڑے ہوں تو آپ کو مندرجہ ذیل قبور ملیں گی۔

1- حضرت عثمانؓ ابن مظعون۔ بقیع میں دفن ہونے والے پہلے مہاجر۔

1- مصنف کے لکھے نام میں فرق ہے، اصل نام حضرت محمد الباقر ابن زین العابدین ہے۔ (مترجم)

2- مصنف نے ایسا ہی لکھا ہے لیکن وہ چچا تھے۔ (مترجم)

2- حضرت ابراہیم (رسول اللہ ﷺ کے فرزند)۔ جب آپ فوت ہوئے تو رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ ابن مظعون کے پہلو میں۔

3- حضرت عبدالرحمانؓ ابن عوف۔

4- سعدؓ ابن زرارہ

5- سعدؓ ابن ابووقاص۔

6- خنیس ابن حذیفہ شامی۔

7- فاطمہ بنت اسد۔ حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی والدہ ماجدہ۔

شہداء حارۃ کی قبور

بائیں طرف کی پگڈنڈی پر کھڑے ہو کر اور ابن مظعون کی قبر سے 80 میٹر کے فاصلہ پر ان شہداء کی قبور واقع ہیں جنہوں نے جنگ حارۃ شرقیہ جو یزید ابن معاویہ کے عہد میں واقعہ ہوئی، میں شہادت پائی، وہ مدینہ کی حفاظت اور اس کی اعلیٰ اقدار کو قائم رکھنے کے لیے شہید ہوئے۔

حضرت عثمانؓ ابن عفان کی قبر

یہ قبر بقیع کے دور کنارے پر واقع ہے۔ حرۃ کے شہیدوں کی قبور سے 135 میٹر کے فاصلہ پر ہے۔[1]

حضرت فاطمہ بنت اسد اور سعد ابن معاذ کی قبور

حضرت عثمانؓ ابن عفان کی قبر کے شمال میں اور بقیع کے شمال مشرقی کنارے سے 50 میٹر کے فاصلہ پر دو قبور ملتی ہیں:

1- حضرت عثمانؓ کی تدفین کا ذکر بقیع کی امیہ دور میں توسیع صفحہ 167 پر دیکھیں۔

1- حضرت سعدؓ ابن معاذ انصاری۔

2- حضرت فاطمہ بنت اسد۔[1]

بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہ بنت اسد کی قبر ابن مظعون کی قبر کے نزدیک ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ کی قبر

بقیع کے شمال مغربی دروازہ (گیٹ) سے 15 میٹر کے فاصلہ پر دو قبور ملیں گی:

1- حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب، رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی۔

2- حضرت عاتکہ، ان کی بہن۔

یہ قبرستان بقیع عمات۔ (پھوپھیوں کا قبرستان) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ بقیع الغرقد کا حصہ نہیں تھا۔ سعودی عہد کے دوران اس جگہ کو بقیع میں شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ سیدہ عاتکہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اور ان کے اسلام لانے پر بھی اتفاق نہیں۔ کتاب "الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ" میں یہ کہا جاتا ہے کہ آپ کا حضرت ابو طالب کے ساتھ خونی بہن کا رشتہ ہے۔ اور عبداللہ ابن سعد نے کہا کہ آپ نے اسلام مکہ میں قبول کیا تھا اور مدینہ ہجرت کر گئی تھیں۔

صحابہ کرام اور اہل بیت کی قبور جو بقیع سے باہر واقع ہیں:

حضرت اسماعیل[2] ابن جعفر صادق کی قبر

یہ حارۃ اغوات کے جنوبی رہائشی حصہ میں ملی ہے۔ بقیع سے اس کو ایک گلی جو مسجد نبوی کی طرف جاتی ہے، جدا کرتی ہے۔ یہ قبر پہلے بڑی دیوار کے اندر واقع تھی جسے سعودی عہد میں منہدم

1. حضرت علیؓ کی والدہ۔
2. فرقہ اسماعیلیہ کے بانی پورا نام اسمٰعیل جعفر ابن محمد باقر ہے۔ [ابن جوزی، تلبیس ابلیس صفحہ 146] (مترجم)

کر دیا گیا تھا۔ اس کا اب 3 میٹر اونچی دیوار سے احاطہ کر دیا ہے۔ قبر اور بقیع کا درمیانی فاصلہ 15 میٹر ہے۔ یہ جگہ اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ حضرت زین العابدین ابن حسینؓ ابن علیؓ ابن ابو طالب کی ملکیت تھی جیسا کہ مؤرخین نے لکھا ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کی قبر

یہ بقیع کے شمال مشرق میں اس سڑک پر واقع ہے جو حارۃ الشرقیہ کی جانب جاتی ہے۔ حضرت ابو سعیدؓ نے اپنی تدفین کے لیے خود اس جگہ کا انتخاب کیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے والد ماجد کی قبر

رسول اکرم ﷺ کے والد حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب کی وفات مدینہ میں 25 سال کی عمر میں آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے پہلے ہوئی تھی۔ ان کو مدینہ میں دفن کیا گیا اور ان کی قبر زقوق طوال کے علاقہ میں ہے۔

حضرت عبداللہ ایک وجیہہ شخص تھے۔ ان کی اہلیہ اور رسول اللہ ﷺ کی والدہ محترمہ حضرت سیدہ آمنہ بنت وہب ہیں۔

نفس الذکیہ (المعروف مہدی) کی قبر

یہ محمد ابن عبداللہ ابن حسین[1] ہیں اور نفس الذکیہ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کی قبر جبل سلع کے مشرق میں ملی ہے اور اس کے شمال میں ایک ندی عین الزرقہ واقع ہے۔ عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے نفس الذکیہ کے والد اور رشتہ داروں کو قید کر لیا تھا۔ مدینہ کے بہت سے لوگوں نے نفس الذکیہ کی حمایت کی اور اپنی وفاداری کا اظہار کیا۔ منصور نے تب ایک مضبوط فوج 4000 آدمیوں پر منحصر اس بغاوت کو کچلنے کے لیے روانہ کی۔ جب عباسیوں نے حملہ کیا اس وقت نفس الذکیہ کی مدد کے لیے صرف تین سو ساٹھی تھے۔ طبری نے اپنی کتاب ریاض الافہام میں بیان کیا

ا۔ مصنف نے صفحہ 42 پر محمد ابن عبداللہ ابن حسن لکھا ہے جو درست ہے۔

ہے کہ وہ مارے گئے اور اس جگہ پر دفن ہوئے۔ علامہ ابن جوزی کہتے ہیں کہ ان کی بہن اور بیٹی فاطمہ نے ان کو بقیع میں دفن کیا۔

حضرت مالکؓ ابن سنان کی قبر

یہ حضرت ابوسعید خدریؓ کے والد ہیں۔ ان کی قبر مناخہ کے مشرق اور حوش مرزوقی کے مغرب میں واقع ہے۔ وہ جنگ اُحد کے شہداء میں سے تھے۔ اُن کو اس جگہ پر دفن کے لیے لایا گیا تھا۔

البقیع، امیہ دور میں توسیع

البقیع کی وسعت کا کام پہلی بار بنوامیہ کے عہد میں کیا گیا۔ کتاب الخلاصہ الوفا میں لکھا ہوا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ ابن عفان شہید کیے گئے تو لوگوں کی خواہش تھی کہ انہیں روضۂ رسول ﷺ میں دفن کیا جائے۔ پہلے انہوں نے سیدہ عائشہؓ سے کہا کہ ان کے لیے روضۂ رسول میں کچھ جگہ مخصوص کر دیں تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ دفن ہو سکیں۔ سیدہ عائشہؓ نے ان کو جگہ بھی مخصوص کر دی لیکن مصریوں نے حضرت عثمانؓ کی وہاں تدفین سے اتفاق نہ کیا اور اعلان کر دیا کہ وہ نماز جنازہ کا بائیکاٹ کر دیں گے۔ زہیری کہتا ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ نے دھمکی دی کہ جب تک ان (حضرت عثمانؓ) کو دفن کرنے کی اجازت نہ دی گئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے روضہ پاک پر پڑی ہوئی چادر کو اٹھا دیں گی، تب انہوں نے ان کو تدفین کی تیاریاں جاری رکھنے کی اجازت دے دی۔ جبیر ابن مطعم، حکیم ابن خذامؓ اور عبداللہ ابن زبیرؓ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر حضرت عثمانؓ کا جسد خاکی بقیع میں لائے، لیکن ان کو ایک شخص جس کا نام ابن بحرہ یا نجدہ سعیدی تھا، نے روک دیا۔ تب وہ ان کا جسد خاکی حوش کواکب، ایک باغ میں لائے اور وہاں دفن کیا۔ حکیم ابن حزام کے مطابق بنوامیہ کے عہد میں یہ جگہ بقیع میں شامل کر دی گئی۔ ابن

سعد روایت کرتے ہیں کہ مالک ابن ابو عامر نے کہا کہ شروع میں لوگ خواہش کرتے تھے کہ اس جگہ مدفون ہوں اور حضرت عثمانؓ یہاں دفن ہونے والے پہلے شخص ہیں۔

سعودی دورِ حکومت میں بقیع کی وسعت

سعودی حکومت کے دور میں بقیع کی متعدد بار توسیع اور مرمت کی گئی ہے۔

آج کل اس کے مشرقی حصہ کو وسعت دینے پر غور وحوض ہو رہا ہے۔

بقیع العمات کا بقیع الغرقد میں مدغم ہونا

سعودی حکومت نے بقیع العمات کے قبرستان کو بقیع الغرقد میں شامل کر دیا ہے۔اس بقیع کا کل رقبہ 3493 مربع میٹر (11527 مربع فٹ) ہے۔

نواحی علاقوں کو شامل کرنا

ایک گزرگاہ جو پہلے بقیع الغرقد اور بقیع العمات کو علیحدہ کرتی تھی اور مشرق کی جانب حارۃ الشرقیہ کی طرف جاتی تھی، کو بقیع الغرقد میں شامل کر دیا گیا تھا۔اس کا رقبہ 824 مربع میٹر ہے۔ یہ کام 1373 ہجری (1953ء) میں کیا گیا۔ وہ دیوار جو ان دونوں قبرستانوں کو جدا کرتی تھی، نکال دی گئی۔بقیع کے شمال میں ایک تکونی زمین کا ٹکرا جس کا رقبہ 1612 مربع میٹر تھا اور بلدیہ کی ملکیت تھا، اس کو تین اطراف، شمال، جنوب اور مشرق کی جانب سے بقیع نے گھیر رکھا تھا۔اس ٹکڑا کو 1385 ہجری (1965ء) میں بقیع میں شامل کر لیا گیا تھا۔

سعودی حکومت نے 1386 ہجری (1966ء) میں تدفین کے لیے آنے والے عوام کے استعمال اور سہولت کی خاطر ایک ہلکی قسم کا سائبان تعمیر کیا، یہ 30 میٹر لمبا اور 2 میٹر چوڑا تھا۔ اسے حج کے دوران آنے والے لوگوں کی وجہ سے جمگھٹا ہونے کے خدشہ سے اتار دیا گیا تھا۔ 1373 ہجری (1953ء) میں بلدیہ نے ایک سائبان قبر کھودنے والوں (گورکنان) کے سایہ

کے لیے اوران کے کھدائی کے سامان کو رکھنے کے لیے بنایا۔

بارش کے موسم میں آسانی سے چلنے کے لیے حکومت نے پکی پگڈنڈیوں کی سہولت فراہم کی۔ یہ جنوب مغربی دروازہ (گیٹ) سے شروع ہو کر بقیع کے انتہائی جنوبی کنارے تک اور جنوب مشرق کے انتہائی کنارے تک بنائی گئی ہیں۔ ایک پکا راستہ شمالی دیوار کو دوسرے راستوں سے ملانے کے لیے بنایا گیا ہے۔

یہ پگڈنڈیاں ½ 1 میٹر چوڑی اور کل لمبائی میں 950 میٹر ہیں۔ ان کے کناروں پر رکاوٹیں 30 سینٹی میٹر بنائی گئی ہیں

سال 1372 ہجری (1953ء) میں حکومت نے بقیع میں مرمت کا کام کیا۔

حضرت حمزہؓ...... جنگ اُحد کے شہید

جنگ اُحد ہجرت کے بعد تیسرے سال میں واقع ہوئی (625ء)۔ اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ ابن عبدالمطلب شہید ہوئے۔ وہ اسلام کے پہلے شہید تھے اور سید الشہداء کے نام سے جانے جاتے ہیں۔[1]

''جو لوگ اللہ کے راستہ پر مارے گئے ان کو مردہ مت کہو۔ نہیں وہ اپنے مالک کے پاس زندہ ہیں اور اپنی روزی حاصل کر رہے ہیں۔''[2]

جب رسول اللہ ﷺ نے ان کے جسم کو اس مسخ حالت میں دیکھا تو فرمایا میں اس سانحہ کے درد کو کبھی نہ بھول سکوں گا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بنی عبدالاشہل کے گھر کے پاس سے گزرے اور ان کو اپنے شہیدوں پر روتے اور ماتم کرتے سنا تو ان کے رخسار آنسوں سے تر ہو گئے اور فرمایا۔ ''حمزہؓ پر ماتم کرنے والا کوئی نہیں''۔

---

1. مصنف کا حضرت حمزہؓ کو اسلام کا پہلا شہید لکھنا مترجم کی فہم سے باہر ہے۔ (مترجم)
2. سورہ آل عمران آیت 169۔

حضرت سعدؓ ابن معاذ اور حضرت اسدؓ ابن خضیر واپس بنی عبدالاشہل کے گھر گئے اور ان کی خواتین کو کہا کہ حضرت حمزہؓ کا ماتم کریں۔ جب رسول اکرم ﷺ نے ان کا رونا سنا تو فرمایا کہ انہوں نے بہت ماتم کرلیا اور حکم دیا کہ اب رونا بند کردیں۔ پھر انہوں نے آئندہ مسلمانوں کو اس طرح ماتم کرنے اور رونے سے منع فرما دیا۔

عبیدہ ابن سامت کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ احد کے شہیدوں کی قبروں پر جاتے رہتے تھے اور فرماتے۔ ''تم پر سلامتی ہو جنہوں نے صبر کیا اور آخرت میں تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔''

سید الشہداء کی قبر

رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت حمزہؓ کو وادی کنعاء جو جبل روما کے شمال مغرب اور جبل اُحد کے جنوب میں واقع ہے، کی ایک پہاڑی پر دفن کیا۔ ان کے بھانجے حضرت عبداللہؓ ابن جحش ان کے ساتھ ہی دفن کیے گئے۔ سعودی حکومت نے ان کی قبر کے گرد ایک آڑ بنا دی ہے اور پہاڑ پر چڑھنے کی خاطر کنکریٹ کی سیڑھیاں بھی بنائی ہیں تا کہ قبر پر آنے والوں کو سہولت ہو۔

حضرت حمزہؓ کا مزار سعودی دور سے پہلے

دیوار میں ایک لوہے کا دروازہ (گیٹ) جنوبی سمت میں لگایا گیا ہے۔ وادی کنعاء کو وادی سید الشہداءاور وادی سیدنا حمزہؓ بھی کہتے ہیں۔

شہداء کی قبریں

مؤرخین نے احد کے شہداء کی کل تعداد 70 لکھی ہے۔ ان میں 64 انصار اور 6 مہاجر ہیں۔ اکثر حضرت حمزہؓ کی قبر کے شمالی حصہ میں مدفون ہیں۔ ان کی قبور کا ایک جنگلہ سے احاطہ کیا ہوا ہے۔

شہدائے احد کا قبرستان

شہداء کی قبور پر حاضری

زائرین جو مدینہ میں آتے ہیں وہ حضرت حمزہؓ کی قبر اور دوسرے شہداء کی قبور پر اس فیصلہ کن جنگ کی یاد تازہ کرنے اور مسلمانوں کے لیے سبق آموزی کی خاطر حاضر ہوتے ہیں۔

باب:6

تاریخی کنویں

1- بضاء کنواں

ابن شیبہ، سہل ابن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اس کنویں سے اپنے ہاتھوں میں پانی لے کر رسول اللہ ﷺ کو پینے کے لیے دیا۔ وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اس کنویں کے پانی کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ مکمل طور پر پاک ہے اگر اس کو کسی بیرونی عمل سے تبدیل نہ کیا جائے۔

محل وقوع:

یہ کنواں 'حاء' کنویں کے مغرب میں واقعہ ہے۔ مطری کہتا ہے کہ یہ شامی باغ کے قریب تھا اور ان دو باغوں کے درمیان تھا جو اس کے شمال اور جنوب میں بنائے گئے تھے۔ دونوں باغوں کی آبیاری اسی کنویں کے پانی سے کی جاتی تھی جو میٹھا اور اچھا تھا۔

وہ یہ بھی کہتا ہے کہ مسجد نبوی کے پہرے داروں کے سردار شجاع شاہین جمالی نے یہ کنواں اور دونوں باغ خرید لیے تھے اور اس کنویں پر اس کی حفاظت کے لیے ایک کمرہ بنا دیا تھا۔ اس نے ایک دوسرا کنواں کھیتی باڑی کے لیے بھی کھودوایا تھا۔

ابن نجار کہتا ہے کہ اس نے خود اس کنویں کی گہرائی کی پیائش کی تھی جو کہ 4.5 میٹر تھی اور کنویں کے اندر پانی کی سطح تقریباً آدھا میٹر تھی۔

کنواں موجودہ دور میں

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ کنواں باب شامی کے علاقہ میں واقع باغوں میں سے ایک باغ میں تھا لیکن اب بہت سے باغات تعمیراتی کاموں کی وجہ سے ختم کر دیئے گئے ہیں۔

یہ کنواں بضاء باغیچہ کے درمیان میں واقع تھا جس کی آخری ملکیت شریف شہال اور شریف نصیر کے پاس تھی جو دونوں شریف حیار کے بیٹے تھے جنھوں نے یہ کنواں وقف کر دیا تھا۔

اس باغیچہ کی جگہ پر بہت سی تعمیرات ہوئی تھیں، زید ابن شیہال جو اس وقف کا نگہبان تھا، نے یہاں ایک فلیٹ بنوایا تھا اور آج کل یہ کنواں اس فلیٹ کے درمیان میں واقع ہے۔

اس نے اس کنویں پر ایک موٹر پمپ لگایا تھا تا کہ بلڈنگ کے سامنے بنے ہوئے چھوٹے سے باغیچہ کو سیراب کیا جا سکے۔

شریف زید نے اس کنویں کو دیکھنے والے ہر شخص کے لیے کھلا رکھا ہے۔ میں (مصنف) نے خود ذاتی طور پر اس کنویں کو دیکھا ہے جو کہ بہت اچھی حالت میں رکھا گیا ہے اور اس پر خاص طور سے حفاظت کے لیے ایک کنکریٹ کا کمرہ بنا ہوا ہے۔

میں (مصنف) نے اس کنویں کی گہرائی کی پیمائش کی تھی جو کہ 10.5 میٹر تھی اور اس کا قطر 4 سے 5 میٹر تھا۔

2- حاء کنواں

مدینہ میں ابوطلحہ ابن ثابت، انصار میں سے سب سے امیر شخص تھا۔ وہ اس کنویں کا مالک تھا اور یہ کنواں مسجد نبوی کے بہت قریب واقع تھا اور رسول اللہ محمد ﷺ اسی کنویں کا پانی پیا کرتے تھے۔

جب قرآن میں یہ حکم آیا کہ امیر لوگ غریبوں پر اپنا مال خرچ کریں تو ابن ثابت نے وہ کنواں اپنے دو چچا زاد بھائیوں اُبی ابن کعب اور حسن ابن ثابت کو دے دیا۔

محل وقوع

ابن نجار بیان کرتے ہیں کہ یہ کنواں ایک چھوٹے باغ کے درمیان میں مدینہ کی دیوار کے قریب واقع تھا اور اس کا پانی میٹھا اور پینے کے قابل تھا۔ لیکن مطری کا کہنا ہے کہ یہ دیوار کی شمالی طرف تھا اور اسے ایک گلی علیحدہ کرتی تھی۔

کنویں کی موجودہ حالت

یہ کنواں ابھی بھی موجود ہے اور اس پر ایک پمپ لگا ہوا ہے جو کام نہیں کرتا۔ مطری نے جو

بیان کیا تھا اس کے مطابق وہاں اب کوئی نشان موجود نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ وہاں مختلف عمارتیں ہیں جو قردی خاندان کی ہیں۔ کنویں کے جنوب میں ایک چھوٹی غیر آباد مسجد ہے۔

3-بوصۃ کنواں

حضرت ابوسعید خدریؓ نے بیان کیا کہ حضرت محمد ﷺ نے ایک بار مجھ سے پوچھا کہ ان کے پاس دھونے کے لیے پانی ہوگا؟ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک بالٹی پانی اس کنویں کا دیا جو کہ نبی ﷺ نے اپنا سر دھونے میں استعمال کیا۔

محل وقوع

نجار کہتا ہے کہ بوصۃ کنواں جنت البقیع الغرقد کے قریب واقع تھا اور اس کی گہرائی 4.9 میٹر تھی اور قطر 2.7 میٹر تھا۔

اس نے یہ بھی کہا کہ اس کے قریب ہی ایک اور چھوٹا کنواں بھی تھا جس کی وجہ سے عموماً لوگوں کو یہ غلطی لگی رہتی تھی کہ اصل بوصۃ کنواں کون سا ہے۔

تاریخ دان عباسی بیان کرتا ہے کہ دونوں کنویں ایک ہی باغ میں واقع تھے اور مدینہ کے بڑوں کا خیال تھا کہ جنوب کی طرف واقع بڑا کنواں ہی اصل بوصۃ کنواں تھا۔

کنویں کی موجودہ حالت

البوصۃ نام مدینہ میں ایک باغ کا رکھا گیا تھا جو کہ تاریخ دان عباسی نے بتایا تھا۔

یہ باغ قُوبا اور قربان کے دیہاتوں کی طرف برلب سڑک واقع ہے اور وہ لوگ جو اعوالی سڑک پر جنت البقیع کے مغربی کنارے سے دائیں طرف مڑ کر ان قصبوں کی طرف جاتے ہیں وہ اس باغ کو دیکھ سکتے ہیں۔ اس باغ کی دیوار پرانی اینٹوں کی بنی ہے اور اس میں ایک تالاب بھی ہے۔

اس باغ کے اندر دو کنویں تھے۔ جو بڑا کنواں تھا وہ اصل بوصۃ کنواں جانا جاتا تھا اور چھوٹا

اس سے 60 میٹر شمال کی طرف واقع ہے۔

میں نے خود اس بڑے کنویں کی پیائش کی تھی اور اس کا قطر چار میٹر پایا تھا۔

یہ کنواں اب کھنڈر بن چکا ہے اور جھاؤ یا تمر سک کا ایک بڑا درخت اس کے قریب اُگ گیا ہے جو اس کنواں کے تباہ ہونے میں زیادہ مدد گار ثابت ہو رہا ہے۔ یہ باغ اب مسجد نبوی کی وقف شدہ املاک میں شامل ہے۔ یہ اب پٹہ پر حسن منصور لولو کے پاس ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کنویں میں اب بھی کافی مقدار میں پانی موجود ہے لیکن اب وہ اس حالت میں نہیں کہ اس کی دوبارہ کھدائی کروائی جا سکے۔ اگر اس کنوئیں کی دوبارہ کھدائی نہ ہوئی اور اسے اچھی حالت میں نہ رکھا گیا تو ایک اسلامی یادگار ناپید ہو جائے گی۔

4- اریس خاتم (انگوٹھی) کنواں

ایک روز رسول اللہ ﷺ اس کنویں کے منہ کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کی ٹانگیں کنویں میں لٹک رہی تھیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ ابن خطاب تشریف لائے اور آپ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ جب حضرت عثمانؓ تشریف لائے تو ان کو کنویں کے منہ پر بیٹھنے کی جگہ نہ ملی تو وہ کنویں کی دوسری طرف سب کے سامنے بیٹھ گئے۔ اس وقت اور اس جگہ پر ہی حضور ﷺ نے ان تینوں کے جنت میں جانے کی بشارت دی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک انگوٹھی تھی جو بعد میں حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس اور آخر میں حضرت عثمانؓ کے پاس آ گئی تھی۔ ایک روز حضرت عثمانؓ کنویں کے منہ (اوپر) پر بیٹھے تھے کہ وہ انگوٹھی حضرت عثمانؓ کی انگلی سے نکل کر عین کنویں کی تہہ میں گر گئی انہوں نے اسے تین دن تک تلاش کروایا لیکن وہ انگوٹھی نہ مل سکی۔ اس روز سے یہ کنواں خاتم (انگوٹھی) کے نام سے جانا جاتا ہے۔

محل وقوع

یہ کنواں قباء مسجد کے مغرب میں واقع ہے اور مسجد کے داخلی دروازہ سے عین 42 میٹر کی دوری پر واقع ہے۔ ابن نجار کا کہنا ہے کہ یہ کنواں 6.3 میٹر گہرا اور 2.2 میٹر چوڑا تھا۔ اس کے مطابق اس کی سطح آب 1.3 میٹر تھی تاہم پانی کی سطح کم یا زیادہ ہوتی رہتی تھی جو بارشوں کے برسنے پر منحصر تھی۔

بعد میں سال 714 ہجری (1317ء) میں سطح آب 8.5 میٹر تک بڑھ گئی تھی۔ کنویں کی سطح تک جانے کے لیے سیڑھیاں بنائی گئی تھیں۔ تاریخ دانوں میں یہ اختلاف ہے کہ یہ سیڑھیاں کس نے بنوائی تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ انہیں شیخ سفی الدین ابن ابوبکر ابن احمد سلامی نے بنوایا جب کہ دوسرے کہتے ہیں کہ انہیں نجم الدین یوسف رومی جو شہزادہ طفیل کا وزیر اعظم تھا، نے بنوایا تھا۔

سلطنت عثمانیہ کے دور میں اس کنویں پر ایک گنبد جپسم کا بنا ہوا بنایا گیا تھا اور دوسرا گنبد جنوبی سمت میں بنایا گیا تھا۔

یہ دونوں گنبد گرنے والے ہو گئے تھے۔ مدینہ میونسپلٹی نے قباء مسجد کا چوراہا 1384 ہجری (1964ء) میں جب بنایا تو ان دونوں گنبدوں کو مسمار کر دیا۔

اب میونسپلٹی اس کنویں کی مالک ہے اور ارادہ کر رہی ہے کہ اس کی مرمت کرے اور چوراہے کے درمیان میں ایک فوارہ بنائے۔

اس کنویں کا پانی اب خشک ہو چکا ہے۔

5- الغرس کنواں

ابن ماجہ، علیؑ ابن ابوطالب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''جب

میری وفات ہوتو مجھے غرس کنویں کی سات مشک پانی سے غسل دیا جائے۔'' انھوں (حضرت علیؓ) نے یہ بھی بتایا تھا کہ رسول اکرم ﷺ اس کنویں کا پانی پیا کرتے تھے۔

محل وقوع:

یہ کنواں قباء مسجد کی شمالی جانب واقع ہے اور کھجور کے درختوں سے گھرا ہوا ہے۔ مطری کے مطابق یہ کنواں آٹھویں صدی ہجری میں دوبارہ کھودا گیا تھا۔

میں (مصنف) نے خود اس کی پیمائش کی تھی اور دیکھا تھا کہ اس کی گہرائی 11 میٹر اور چوڑائی 3 میٹر تھی۔

اس کا پانی میٹھا ہے اور ایک نزدیکی باغ جس کا رقبہ 37000 مربع میٹر ہے، کو بذریعہ پمپ سیراب کرتا ہے۔

6- سقیہ کنواں

سمہودی حضرت عائشہؓ سے روایت کرتا ہے کہ وہ فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ اس کنویں کا پانی پیا کرتے تھے۔

وہ یہ بھی کہتا ہے کہ رباحؓ، جو حضور ﷺ کے ملازم تھے وہ حضور ﷺ کے لیے اس کنویں کا اور غرس کنویں کا پانی لایا کرتے تھے۔

محل وقوع

مطری لکھتا ہے کہ یہ کنواں ذوالحلیفہ میں علی کنواں کے شمالی طرف نقع کے آخری کونے میں واقع ہے۔ سمہودی لکھتا ہے کہ کچھ فارسی لوگوں نے اس کنویں کو 878 ہجری (1476ء) میں دوبارہ کھودا تھا اور اس وقت سے ہی یہ فارسی کنواں کے نام سے بھی مشہور ہو گیا تھا۔

اس وقت یہ کنواں ریلوے اسٹیشن کے جنوب مشرق میں عنبریا چوک سے 100 میٹر کے

فاصلہ پر واقع ہے۔

جب عنبریہ سڑک بنائی گئی تو اس کنویں کو دفن کر دیا گیا تھا لیکن اب امید ہے کہ عنبریہ کے باغوں کو پانی دینے کے لیے اسے دوبارہ کھودا جائے گا۔

7-رومہ (عثمان) کنواں

یہ کنواں ایک یہودی شخص کا تھا جو مسلمانوں کو اس کا پانی فروخت کیا کرتا تھا لیکن حضرت عثمانؓ ابن عفان نے اس سے 20,000 درہم میں خرید لیا اور مسلمانوں کے لیے عام کر دیا۔

محل وقوع

سمہودی کہتا ہے کہ یہ مسجد عقیق وادی کے درمیان اور مسجد قبلتین کے شمالی طرف ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع تھا۔ ابن نجار کے مطابق اس کنویں کی گہرائی 8 میٹر اور چوڑائی 3.6 میٹر تھی۔ مطری کہتا ہے کہ محمد ابن محبّ طبری (مکہ کے چیف جسٹس) نے اس کنواں کی جب کہ یہ 750 ہجری (1352ء) میں تباہ ہو گیا تھا، تعمیر نو کروائی۔

یہ کنواں جس میں کہ اب شاید تھوڑا سا پانی ہو یا بالکل خشک ہو گا، ایک باغ کے درمیان واقع ہے اور یہ بڑے سیاہ پتھروں سے ڈھکا ہوا، وادی عقیق کے کنارے واقع ہے۔ یہ کنواں اب مسجد نبوی کی وقف جائیداد ہے اور اسے اب وزارت زراعت و آب کو پٹے پر دیا ہوا ہے۔ وزارت نے اس باغ کو ایک زرعی تجربہ گاہ میں تبدیل کر دیا ہے۔

8- الاھن یا الیُسرہ کنواں

حضرت محمد ﷺ نے ایک روز اس کنویں کے پانی سے وضو فرمایا تھا۔

میں نے اس کنویں کی پیمائش کی تھی اور اس کا قطر 3.6 میٹر اور گہرائی 16.5 میٹر پائی تھی۔ یہ کنواں اب استعمال میں نہیں ہے۔

باب: 7

ثقیفہ بنی ساعدہ

ثقیفہ ایک تین دیواروں والی عمارت ہے جو کچی اینٹوں اور پتھروں سے بنائی گئی تھی اور اس کی چھت کھجور کے پتوں اور لکڑی سے بنائی گئی تھی۔ یہ جگہ، عام طور پر اہل مدینہ آپس میں ملنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد مسلمانوں کی پہلی اسلامی مشاورت ثقیفہ بنی ساعدہ میں منعقد ہوئی اور اس مجلس میں مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلے خلیفہ مقرر ہونے پر حلف وفاداری اٹھایا تھا۔

ابن زبالہ نے سہل ابن سعد ابن عبادہ انصاری سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک بار مسجد سے ملحقہ اس ثقیفہ میں تشریف فرما ہوئے تھے اور انہوں نے ابن عبادہ کو لسی پینے کی دعوت دی تھی جو انہوں نے پی۔[1]

تاریخ دان ثقیفہ کے اصل مقام کے متعلق اختلاف رکھتے ہیں۔ سمہودی کہتا ہے کہ بصہ کنویں کے قریب واقع تھا۔ عبدالقدوس انصاری نے بھی اپنی کتاب آثار مدینہ میں یہی جگہ بتائی ہے۔ تاریخ دان مطری بھی یہی کہتا ہے۔

انصاری کہتا ہے کہ ایک بلڈنگ جس کی بالکونیاں، بند دروازہ اور ایک گنبد ہے اور وہ شیخ النمل کے نام سے جانی جاتی ہے، وہی جگہ ثقیفہ بنی ساعدہ کی ہے۔ یہ عمارت جپسم سے بنائی گئی تھی اور سحیمی روڈ پر باب شامی کے قریب واقع ہے اور 1030 ہجری (1620ء) میں علی پاشا کے عہد میں بنی تھی۔

عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ ثقیفہ اسی علاقہ میں واقع تھا۔ اگر عین اس بلڈنگ والی جگہ نہیں

1۔ Curdled Milk (لسی)

ہے تو اس کے قریب ہی واقع ہوگا۔

مثلث سلطانیہ

یہ جگہ مثلث سلطانیہ کے علاقہ میں واقع ہے۔ یہ ایک پھل دار باغ ہے جس کے جنوب میں دو منزلہ عمارت دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ باغ اور عمارت محکمہ اوقاف کے تحت وقف شدہ ہے۔

1383 ہجری (1963ء) میں مدینہ کی میونسپلٹی نے اس علاقہ کو کہ جہاں ثقیفہ واقع ہے، اپنی تحویل میں لینے کی سفارش کی۔ اس وقت اس کی مالیت 2 ملین سعودی ریال تھی۔ میونسپلٹی نے بلڈنگ کو لائبریری اور مسجد میں تبدیل کرنے کی تجویز دی۔ لائبریری میں ایک آڈیٹوریم (سماعت خانہ) شامل ہے۔ اس کا نام اسلامی کانفرنس کی یاد میں جو اس عمارت میں منعقد ہوئی تھی، ثقیفہ بنی ساعدہ رکھا گیا ہے۔

سعودی حکومت نے اس منصوبہ کو منظور کر لیا تھا، تعمیر کے لیے رقم مختص کر دی گئی تھی اور تعمیر کی خاطر اس جگہ پر جو عمارتیں موجود تھیں ان کو مسمار کر دیا گیا ہے۔ لائبریری کے قریب ہی مسجد کی تعمیر کی جا رہی ہے۔ یہ جگہ تکونی (مثلث) شکل میں ہے اور اس کا رقبہ 4938 مربع میٹر ہے۔ مجوزہ انتظامی عمارت اور لائبریری کا رقبہ 573 مربع میٹر ہے۔ باقی علاقہ پارکنگ اور باغ کے لیے مختص ہے۔

ثقیفہ تاریخی پس منظر میں

ثقیفہ کی عمارت مدینہ کی پرانی روایت کے مطابق بنی ہوئی ہے۔ لوگ تین دیواروں والی عمارت تعمیر کرتے تھے کہ اسے عوامی ملاقات اور اکٹھے مل بیٹھنے کے لیے استعمال کیا جائے۔ دیواریں مشرق، مغرب اور جنوبی طرف بنائی جاتی تھیں۔ بلڈنگ کی شمالی طرف کو کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا تاکہ گرمیوں کے موسم میں ٹھنڈا رہے۔ اس کی چھت کھجور کے پتوں یا لکڑی سے بنائی جاتی

تھی۔ یہ طرز تعمیر ابھی تک رائج ہے۔اس کا سائز ضرورت کے مطابق رکھا جاتا ہے۔

ثقیفہ کی طرف سڑک

مثلث سلطانیہ جس میں ثقیفہ واقعہ ہے سحیمی سٹریٹ کے شروع میں واقعہ ہے۔ جو عمارتیں اس تکون کے ساتھ ملی ہوئی ہیں وہ سحیمی سٹریٹ اور سلطانیہ سٹریٹ کے درمیان واقع ہیں۔ مسجد نبوی کی جانب سے آنے والی تمام سڑکیں اسی مقام سے گزرتی ہیں۔ یہ جگہ باب شامی سے زیادہ دور نہیں ہے۔

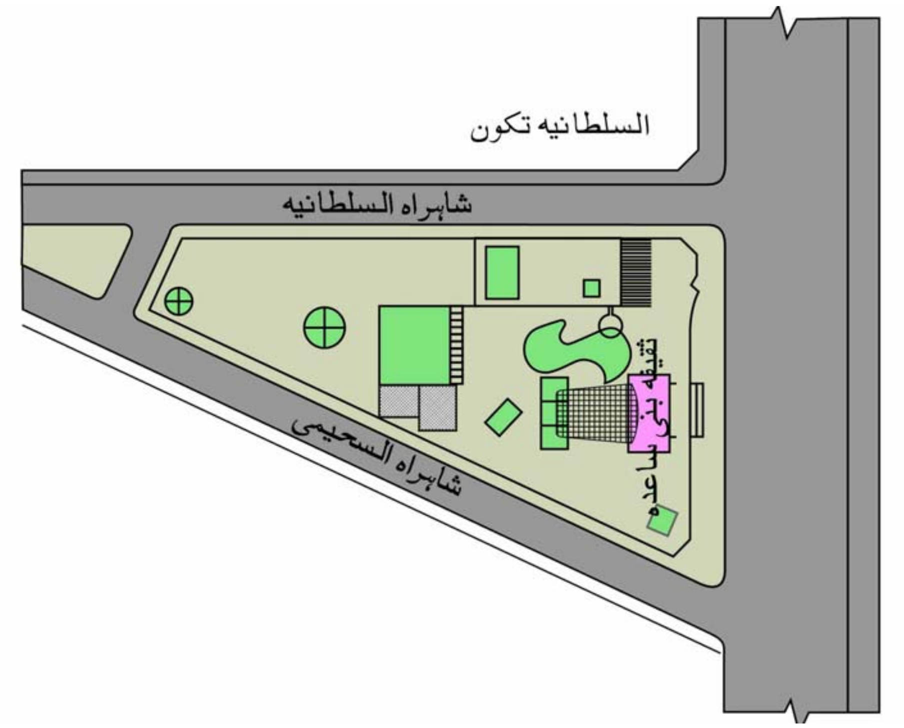

ثقیفہ بنی ساعدہ

باب:8

اُحداوراس کی پانچ جنگیں

اسلامی تاریخ میں جنگ اُحد ایک بہت خوفناک، نمایاں، بھیانک، اور فیصلہ کن جنگ تھی۔

اس جنگ میں مسلمانوں کو اس وجہ سے شکست نہیں ہوئی تھی کہ ان کی قیادت سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی تھی بلکہ اس کی وجہ تیراندازوں کی وہ سنگین غلطی تھی جو ان سے اپنے سب سے بڑے قائد حضرت محمد ﷺ کی حکم عدولی پر سرزد ہوئی تھی۔

رسول اللہ ﷺ اس جنگ میں زخمی ہوگئے تھے اور ان کے چہرے اور سر پر چوٹیں آئی تھیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نبی اکرم ﷺ کی ثابت قدمی کی بدولت یہ شکست، فتح میں تبدیل ہوگئی تھی۔

جنگ بدر کا بدلہ لینے کے لیے قریش اور اس کے حلیفوں نے اپنی افواج اکٹھی کر لی تھیں اور منصوبے بنا لیے تھے کہ وہ مدینہ پر حملہ آور ہو کر رسول اللہ ﷺ اور تمام مسلمانوں کو ختم کر دیں گے۔(نعوذ باللہ)۔

ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ جنگ اُحد اسلام اور کفر کے جھگڑے ہی کا ایک حصہ تھی۔ رسول اکرم ﷺ کی اسلامی تبلیغ کے اول روز سے ہی ان کے قریبی رشتہ داروں نے ان کے خلاف بغاوت کر دی تھی اور آپ ﷺ کو اذیتیں دینی شروع کر دی تھیں تاوقتیکہ آپ مجبوراً مدینہ ہجرت کر گئے جہاں آپ ﷺ کو انصار (مددگاروں) نے پناہ دی۔ اُس روز سے ہی مدینہ اسلام کا ایک محفوظ قلعہ بن گیا تھا۔

کفار کی فوج

کفار نے جنگ بدر کی شکست کے بعد ہی سے ایک بڑی فوج اکٹھی کر لی تھی اور اس کی تیاری پر بے دریغ اخراجات کئے گئے تھے۔ یہ فوج اندازاً 3000 جنگجوؤں، 3000 اونٹوں، 200

گھوڑوں اور 700 زرہوں پر مشتمل تھی۔

یہ فوج مکہ سے روانہ ہو کر ذوالحلیفہ پہنچی اور پھر وادی قناۃ سے ہوتے ہوئے اُحد کے پہاڑوں کے جنوبی طرف سے جبل رماۃ جس کو جبل عینین بھی کہا جاتا تھا، تک پہنچ گئی۔[1]

مشاورت اور قریش کی فوج کی نگرانی

حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب (رسول اللہ ﷺ کے چچا) نے نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کو قریشی فوج کے متعلق لکھا کہ اس کی طاقت کیا تھی اور وہ مدینہ کی طرف روانہ ہوگئی تھی پیغمبر ﷺ نے اس فوج کی نقل وحرکت کے بارے معلومات اکٹھی کرنی شروع کر دیں اور جب یہ فوج ذوالحلیفہ پہنچی تو انہوں نے انسؓ اور مونسؓ جو حضرت فود حالہ کے بیٹے تھے، کو مزید خبریں لانے کے لیے روانہ کیا۔ انہوں نے حبابؓ ابن منذر الجمعہ کو بھی اس فوج کے متعلق مزید خبریں لانے کے لیے بھیجا۔ نبی ﷺ نے قریش کی فوج کے متعلق ضروری اطلاعات ملنے کے بعد اپنے صحابہ کرام کو اکٹھا کیا اور آئندہ کی حکمت عملی کے متعلق مشورہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ رائے تھی کہ مسلمان مدینہ میں ہی قلعہ بند رہیں مگر اکثر صحابہ مدینہ سے باہر نکل کر قریش کے ساتھ جنگ کرنے کے حق میں تھے، پس آپ ﷺ نے اکثریت کی رائے کو منظور فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنا جنگی لباس پہن لیا اور جب صحابہ کرام نے یہ دیکھا تو وہ اس بات پر نادم ہوئے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو مدینہ سے باہر نکل کر قریش کی فوج سے مقابلہ کرنے کی رائے کیوں دی۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں بتایا کہ ''جب کوئی نبی اپنا جنگی لباس پہن لیتا ہے تو

---

[1] عینین، وادی قناۃ کے کنارے ایک پہاڑ ہے اس مقام کے جنوب کی طرف حضرت حمزہؓ شہید کئے گئے تھے اور اسی جگہ نیزہ پھینکنے والا اُحد والے دن کھڑا ہوا تھا۔ اس کے مشرقی کنارے پر ایک مسجد تھی۔ یہ ایک گول شکل کا پہاڑ ہے اور اس کا رنگ سُرخی مائل ہے یہ جبل اُحد سے 1.5 کلومیٹر جنوبی سمت میں واقع ہے۔ جنگ کے دن سے ہی یہ جبل رُماۃ (پھینکنے والے) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اب یہ علاقہ گھروں سے آباد ہوگیا ہے۔ (مصنف)

پھر وہ اسے اس وقت تک نہیں اتار سکتا جب تک اللہ اس کے اور دشمنوں کے درمیان فیصلہ صادر نہ فرما دے۔''

رسول کریم ﷺ کی مدینہ میں قلعہ بند رہنے کی رائے عقلمندانہ تھی کیونکہ قریش کے بس میں نہ تھا کہ وہ ایک لمبے عرصہ تک مدینہ کا محاصرہ جاری رکھ سکتے۔ ان کے درمیان اختلافات اُبھر سکتے تھے اور ان کا ارادہ متزلزل ہو جاتا۔ اگر وہ مدینہ میں داخل ہونے کی کوشش کرتے تو مسلمان ان کو شکست دے سکتے تھے کیونکہ انہیں شہر کے متعلق بہتر علم تھا۔

اسلامی فوج

اسلامی فوج 1000 مجاہدین، دو گھوڑوں اور 100 زرہوں پر منحصر تھی۔ جب یہ فوج مدینہ سے اُحد کی طرف روانہ ہو رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کے ساتھ ایک ایسے گروہ کو دیکھا جن کو آپ پہلے سے نہیں جانتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے پوچھنے پر ان کو بتایا گیا کہ وہ یہودی ہیں اور عبداللہ ابن ابی کے ساتھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ایک کافر کے خلاف دوسرے کافر کی مدد نہیں لینی چاہیے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ان یہودیوں سے فرمایا کہ یا تو وہ مسلمان ہو جائیں ورنہ وہ فوج سے نکل جائیں اور انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ ان کے جانے کے بعد اسلامی فوج کی تعداد 700، 2 گھوڑے اور 100 زرہیں رہ گئی تھیں۔

مسلمانوں نے پہاڑ کے درہ میں پڑاؤ کیا جب کہ جبل اُحد ان کے پیچھے، جبل روماۃ ان کے بائیں طرف اور مدینہ ان کے سامنے تھا۔

پہاڑ پر تیر اندازوں کا تقرر

جنگ کے آغاز سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے 50 تیر اندازوں کو حکم دیا کہ وہ جبل روماۃ کی

جبل احد

جبل روماۃ (تیراندازوں کی پہاڑی)

چوٹی پر مقیم رہیں اور حضرت عبداللہؓ ابن جبیر کو ان کا سردار مقرر کیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ وہ اسلامی فوج کی پشت کی حفاظت کریں اور کسی بھی حالت میں اس جگہ کو خالی نہ چھوڑیں۔

رسول اللہ ﷺ کے احکام سخت اور غیر مبہم تھے کہ "اگر تم دیکھو کہ ہم نے جنگ جیت لی ہے پھر بھی ہمارے ساتھ شامل نہ ہونا اور اگر تم ہمیں قتل ہوتے بھی دیکھو تب بھی ہماری مدد کے لیے نہیں آنا۔ اپنی جگہ بالکل نہ چھوڑنا خواہ تم یہ دیکھو کہ مسلمانوں کو پرندے اٹھا کر لے جا رہے ہیں۔

انہوں نے یہ بھی حکم دیا کہ دشمن کے گھوڑوں پر تیر برسائیں کہ وہ اس سے ڈر جاتے ہیں۔ اس طرح کفار کے 200 گھوڑوں کو مسلمانوں تک پہنچنے سے روکا جا سکتا ہے۔

جنگ کا دن: دونوں فوجوں کا ٹکرانا

جمعرات کے دن اسلامی فوج قناۃ وادی میں پہنچ گئی اور جمعہ کے روز احد کی طرف کوچ کیا۔ ہفتہ 03-10-15 ہجری (625ء) کو دونوں دشمن جنگ کے میدان میں ملے جو صرف ایک دن ہی میں ختم ہو گئی۔ مسلمانوں نے بہت بہادری سے کفار کے تمام حملوں کو پسپا کر دیا۔ انہوں نے فوری طور پر ایک جوابی حملہ کیا اور کفار کے علم برداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور قریش کو شکست دے کر ان کے کیمپ پر قبضہ کر لیا۔ اسلامی فوج نے کفار کی بھاگتی فوج کا کچھ فاصلہ تک تعاقب کیا اور پھر ان کے چھوڑے ہوئے پڑاؤ پر قبضہ کرنے کی خاطر واپس آ گئے۔

مسلمانوں نے جنگ پر مکمل قابو کئے رکھا تھا باوجود کہ قریش تعداد میں ان سے بہت زیادہ تھے۔

حضرت حمزہؓ رسول اللہ ﷺ کے چچا اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔

تیر اندازوں کی غلطی اور مسلمانوں کی شکست

جب تیر اندازوں نے دیکھا کہ کفار کو شکست ہو گئی ہے، ان میں سے بعض نے مشورہ دیا کہ اپنی جگہ سے نیچے آ جائیں اور مال غنیمت سمیٹنے والوں میں شامل ہو جائیں۔ ان کے سردار اور

دس دوسرے مجاہدوں نے اپنی جگہ پر ہی رہنے کو ترجیح دی۔

یہ ایک بہت بڑی اور مہلک غلطی تھی، مسلمانوں نے ایک دوسری غلطی یہ کی کہ انہوں نے شکست خوردہ قریش کا کافی دور تک پیچھا نہیں کیا تھا۔

مسلمانوں کو اپنی فتح پر اطمینان نہیں کر لینا چاہئے تھا بلکہ پسپا فوج کا بہت دور تک تعاقب کرنا چاہئے تھا۔ کفار نے اپنی شکست مان لی تھی گو ان کے صرف 22 آدمی ہی مارے گئے تھے۔

خالد بن ولید اور عکرمہ ابن ابوجہل کفار کے ہراول دستوں کے سردار تھے۔ وہ جنگ میں حصہ نہ لے سکے تھے کیونکہ پہاڑ سے مسلم تیرانداز تیر برسا رہے تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ تیرانداز اپنی جگہ چھوڑ رہے ہیں تو وہ باقی دس تیراندازوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کے سردار ابن جبیر سمیت سب کو شہید کر دیا۔

تب کفار نے مسلمانوں کو پیچھے سے اپنے حصار میں لے لیا اور تلواروں اور نیزوں سے انہیں شہید کرنا شروع کر دیا۔ مزید یہ افواہ پھیلا دی کہ نعوذ باللہ، رسول کریم ﷺ شہید کر دیئے گئے تھے۔

خالد بن ولید نے پسپا ہونے والے کفار کو پکارا اور کہا کہ واپس آ جاؤ اور مسلمانوں کا محاصرہ کرو۔

خالد، عکرمہ اور دوسرے نیزہ برداروں نے مشرق کی طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا جب کہ دوسرے جنوب اور مغرب کی طرف سے حملہ آور ہوئے۔

مسلمان گھیرے میں آ گئے اور شکست کھا گئے۔ وہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بکھر گئے۔ صرف رسول اللہ ﷺ اور چند اور اصحاب ہی باقی تھے جو قریش کے ساتھ لڑائی لڑ رہے تھے جو انتہائی غصہ کی حالت میں ان پر ہر طرف سے حملے کر رہے تھے۔

کفار مسلسل یہ افواہ پھیلا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ شہید کر دیئے گئے تھے۔ کچھ مسلمان

اس ہزیمت اور افواہ سے اس قدر بدحواس ہو گئے کہ انہوں نے مدینہ کی راہ لی، کچھ پہاڑ کی طرف دوڑے، کچھ ہتھیار پھینکنے کا سوچنے لگے اور ایک چوتھا گروہ جن میں رسول اکرم ﷺ بھی شامل تھے، نے آخری دم تک لڑنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔

یہ جنگ رماۃ پہاڑ، جو کفار کا پڑاؤ تھا، تک بڑھتے ہوئے اسلامی پڑاؤ جہاں خود رسول اللہ ﷺ مورچہ بند تھے، تک پھیل گئی۔

رسول اللہ ﷺ کی شجاعت اور ثابت قدمی

جس وقت مسلمانوں پر یہ آفت اُمڈی ہوئی تھی، رسول اللہ ﷺ اس وقت اسلامی کیمپ میں جو پہاڑ کے درہ کے دہانے پر اور روماۃ پہاڑ کے شمال مغرب میں واقع تھا، موجود تھے۔ ان کے بہت سے صحابہ انہیں چھوڑ کر فرار ہو چکے تھے۔ کفار نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی خاطر اپنی پوری توجہ ان پر حملہ کرنے پر مبذول کر دی تھی لیکن آپ ﷺ ایک چٹان کی طرح مضبوطی سے ڈٹے رہے۔ وہ پرسکون، مضبوط، بہادر اور صابر ہونے کا نمونہ بنے رہے جیسا کہ تمام انبیاء کرام کا شیوہ تھا۔ ان کا ارادہ کبھی متزلزل نہ ہوا اور نہ ہی کفار کے متواتر حملوں سے آپ ﷺ خوفزدہ ہوئے تھے۔

آنحضرت ﷺ بہادری سے لڑے اور تیر چلاتے رہے یہاں تک ان کی کمان ٹوٹ گئی۔ ان کو سر پر چوٹیں آئیں، ان کے سامنے کے چار دانت شہید ہو گئے اور ہونٹ کٹ گیا۔

آپ ﷺ کا چہرہ مبارک خون آلود ہو گیا تھا اور آپ ﷺ کی نظر دھندلی ہو گئی تھی، نبی ﷺ ایک گڑھے میں گر گئے اور آپ ﷺ کے گھٹنوں پر خراشیں آ گئی تھیں اور کچھ عرصہ تک آپ ﷺ پر بے ہوشی بھی طاری رہی۔

جو انصار رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے وہ ایک ایک کر کے شہید ہو رہے تھے۔

انہوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر حضور ﷺ کی حفاظت کی اور جب کوئی ایک شہید ہو جاتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا تھا۔ اس طرح ان انصار میں سے 11 نے جام شہادت نوش فرمایا۔

یہ سخت نقصان بھی رسول اللہ ﷺ کو نہ تو کمزور بنا سکا نہ ہی ان کے ذہن کو پریشان کر سکا اور وہ جنگ سے متعلقہ احکامات نہایت بہادری، مستقل مزاجی اور دانش سے دیتے رہے۔

اس تباہی اور افراتفری کے عالم میں بھی رسول اکرم ﷺ کی ہر طرف نظر تھی، ان کی توجہ اس طرف بھی تھی کہ ان کے کچھ صحابہ کرام کس شجاعت سے معرکہ زن تھے، وہ حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کے تیروں کو بھی دیکھ رہے تھے جن کی نوکیں کفار کو نشانہ بنا رہی تھیں۔ انہوں نے اس عظیم انصاری خاتون نسیبہؓ[1] کو بھی دیکھا کہ وہ کس طرح حضور کی حفاظت اپنی تلوار سے کر رہی تھیں۔ بعد میں حضور ﷺ نے اُن کے متعلق فرمایا تھا کہ ''جب بھی میں احد والے دن دائیں یا بائیں نظر دوڑاتا تھا تو نسیبہؓ کو میری حفاظت کی خاطر بہادری سے لڑتے ہوئے دیکھتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی نظروں سے اُحد والے دن کا کوئی واقعہ بھی پوشیدہ نہ رہا تھا۔

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اپنی طرف بلاتے ہوئے فرمایا کہ ''میری طرف آؤ میں تمہارا پیغمبر ہوں''۔ تب مسلمانوں نے یہ احساس کیا کہ آپ ﷺ ابھی زندہ ہیں اور وہ کفار کے چلتے ہوئے تیروں، نیزوں اور تلواروں کے بیچ سے پھلانگتے ہوئے رسول اکرم ﷺ تک پہنچ گئے۔

انصار نے آپ ﷺ کو گھیرے میں لے کر انسانی جسموں کی ایک دیوار ان کے گرد کھڑی کر دی۔ آنحضور ﷺ نے نصیحت فرمائی کہ ایسی خطرناک صورت سے باہر نکلنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اُحد پہاڑ کی کسی اونچی جگہ پر پناہ لیں۔ پس انہوں نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا کہ وہ پیچھے ہٹتے ہوئے اُحد پہاڑ کی چوٹی پر مورچہ بنائیں۔

1۔ آپ کا پورا نام حضرت ام عِمارہ نسیبہؓ بنت کعبؓ تھا۔ (الرحیق مختوم صفحہ 371) (مترجم)

اس جنگی اہمیت کی جگہ نے مسلمانوں کی تین اطراف سے حفاظت کی یعنی شمال، مشرق اور مغرب سے، کفار اب صرف ایک ہی طرف سے حملہ کر سکتے تھے جو جنوب تھا۔

وہ اب بھی مسلمانوں کی نئی پناہ گاہ پر جنوبی طرف سے حملے جاری رکھے ہوئے تھے مگر چونکہ مسلمان تین اطراف سے محفوظ تھے اس لیے انہوں نے نہ صرف ان کے حملے پسپا کر دیئے بلکہ قریش کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

یہ پناہ گاہ اُحد کی بلند چوٹی پر پہاڑ کے درہ کے دہانہ میں اس جگہ واقع تھی جسے اہل مدینہ مہاریث کے نام سے جانتے تھے۔

قریش نے مسلمانوں کو ختم نہ کر سکنے کی مایوسی میں ان کے شہیدوں کی میتوں کو بگاڑنا (مثلہ) شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ مکہ کی طرف جانا بھی شروع کر دیا کیونکہ وہ اس بات پر ہی مطمئن تھے کہ جو کچھ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کر دیا تھا وہ کافی تھا۔

مسلمانوں نے اپنے شہیدوں کی تدفین کی اور مدینہ لوٹ گئے۔تقریباً 70 مسلمانوں نے جام شہادت نوش فرمایا،...... 64 مدینہ کے انصار اس جنگ میں شہید ہوئے اور 150 دوسرے زخمی ہوئے۔قریش کے صرف 22 لوگ مارے گئے۔

حضرت حمزہؓ نے کہاں شہادت پائی؟

جابر ابن معطم القریش نے اپنے غلام 'وحشی' کو کہا، کہ اگر تم جنگ بدر میں میرے چچا کے قتل کے بدلہ میں رسول اللہ ﷺ کے چچا حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو مار دو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔

وحشی نیزہ پھینکنے کا ماہر تھا۔ اس نے قریش کی فوج میں صرف اسی مقصد اور آزادی حاصل کرنے کے لیے شمولیت کر لی۔ وہ جنگ میں حضرت حمزہؓ کا تعاقب کرتا رہا، یہاں تک کہ اسے

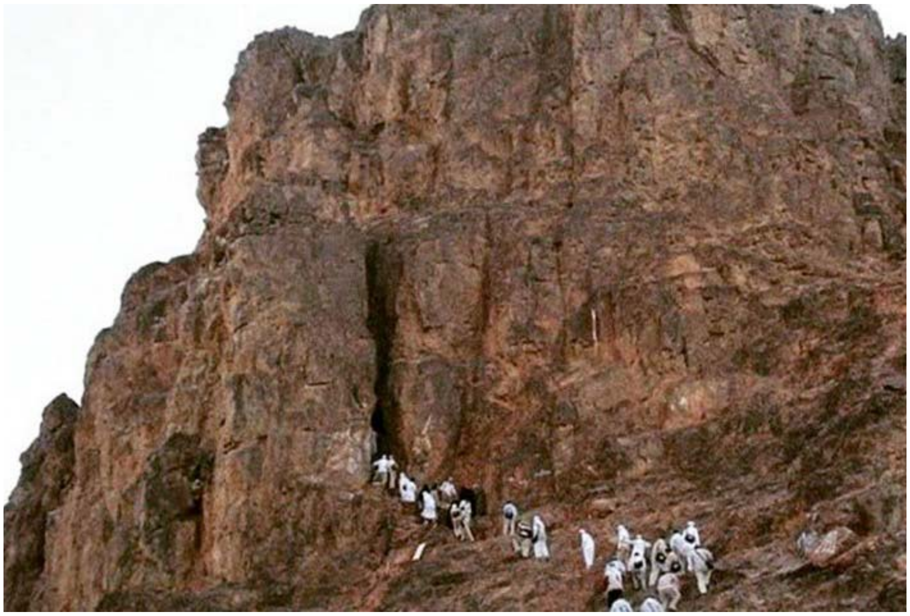

جبل احد پر واقع غار المہاریث جہاں رسول اکرم ﷺ نے زخمی حالت میں پناہ لی تھی

موجودہ دور میں المہاریث غار کے اندر سے لیا گیا مدینہ منورہ کا ایک خوبصورت منظر

موقع مل گیا کہ وہ حضرت حمزہؓ کے سینہ کے بیچ اپنا نیزہ مار سکے۔

بعد میں وحشی[1] نے بتایا کہ اس نے حضرت حمزہؓ کو کیسے شہید کیا، ''میں ایک چٹان کے پیچھے چھپ گیا تھا اور جب حضرت حمزہؓ میرے قریب آئے تو میں نے اپنا نیزہ ان کی طرف پھینکا، وہ (نیزہ) ان کی چھاتی کے درمیان میں ٹکرایا اور ان کے جسم کے دوسرے حصہ سے باہر نکل گیا۔''

حضرت حمزہؓ جنگ اُحد کے ابتدائی حصہ میں ہی شہید ہو گئے تھے جب کہ اس وقت تک مسلمان فتح حاصل کر رہے تھے۔

اہل مدینہ جانتے ہیں کہ حضرت حمزہؓ کو جہاں نیزہ لگا اور ان کی شہادت ہوئی وہ جگہ روماۃ پہاڑ کے مشرق میں بنی ہوئی موجودہ ایک مسجد تھی۔ بعض دوسرے لوگ بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرت حمزہؓ کو نیزہ موجودہ مسجد کی جگہ پر ہی لگا تھا لیکن ان کی شہادت بعد میں وہاں ہوئی جہاں روماۃ پہاڑ کے مشرقی طرف اب ایک بلڈنگ واقع ہے۔ تاہم یہ کمزور دلائل ہیں جن کے شواہد بھی مضبوط نہیں۔

بہت سے مؤرخ یہ بھی غلط سمجھتے ہیں کہ جنگ احد روماۃ پہاڑ کے مشرق میں واقع ہوئی تھی۔

جب اسلامی تاریخ کے مشہور مصنف محمد حسین ہیکل جن کا تعلق مصر سے تھا، نے احد کا دورہ کیا تو ان کی رائے بھی باوجود مخالف ثبوتوں کے جو ان کے گائیڈ احمد عبدالغفور عطار نے پیش کئے تھے، یہی تھی کہ یہ جنگ روماۃ پہاڑ کے مشرق میں ہوئی تھی۔ احمد عبدالغفور عطار اس وقت سعودی عرب کی مانی ہوئی شعبہ تصنیف وتالیف کی شخصیت ہیں۔

تاہم جب ہیکل نے اپنی کتاب ''وحی وارد ہونے کی جگہ'' لکھی تو اس نے اپنی تصحیح کر لی تھی

---

[1] وحشی نے جنگ طائف کے بعد اسلام قبول کیا اور اپنے اسی نیزے سے دورِ صدیقی میں جنگ یمامہ کے دوران مسیلمہ کذاب کو قتل کیا۔ اس نے رومیوں کے خلاف جنگ یرموک میں بھی شرکت کی۔ (ماخذ الرحیق المختوم صفحہ 356، ابن ہشام: 2/72-69، صحیح بخاری: 2/383)

اورلکھا کہ وہ جنگ پہاڑ کے مغرب میں واقع ہوئی تھی۔

اس نے غالباً یہ سچائی ابن سعد کی کتاب، جواس جنگ کے متعلق ایک مستند حوالہ ہے، کے پڑھنے کے بعد تسلیم کی ہوگی۔

ابن سعد لکھتا ہے کہ محمد ﷺ رسول اللہ نے اپنی پشت احد کی طرف رکھی اور مدینہ ان کے سامنے تھا۔ روماۃ پہاڑ جہاں کہ انہوں نے تیراندازوں کو مقرر کیا تھا، ان کے بائیں جانب تھا۔

پہلا میدان جنگ: حضرت حمزہؓ کی شہادت کی جگہ رومات کے مغربی طرف

حضرت حمزہؓ کی شہادت اور جنگ کی پہلی جگہ دونوں ہی رومات پہاڑ کے مغربی سمت ہوئی تھیں۔ اس کے حق میں یہ شہادتیں ہیں:

1- ابن سعد کی کتاب جوایک مستند تاریخی حوالہ ہے۔

2- رسول اکرم محمد ﷺ نے صحابہ کرام کوفرمایا تھا کہ شہدا کواسی جگہ دفن کریں جس جگہ وہ شہید کئے گئے تھے۔ اگر وہ موجودہ مسجد والی جگہ جوروماۃ پہاڑ کے مشرق میں واقع ہے، پر شہید ہوتے تو وہیں دفن کئے جاتے۔

3- جنگ روماۃ پہاڑ کی مغربی طرف شروع ہوئی تھی اور تمام شہدا حضرت حمزہؓ سمیت اُسی جانب مدفون ہیں۔

سمہودی کہتا ہے کہ اگرایک زائر تمام شہدا کے لیے دعا کرنا چاہتا ہے، تو وہ حضرت حمزہؓ کی قبر پر کھڑے ہوکر یا اس کی مغربی اور شمالی جانب رہ کر، کرسکتا ہے۔

4- میدان جنگ روماۃ پہاڑ کی مشرقی جانب مسلمانوں کی شکست کے بعد ہی تبدیل ہوا تھا۔

یہ تمام شواہد ثابت کرتے ہیں کہ جنگ کا ابتدائی حصہ پہاڑ کی مغربی جانب واقع ہوا تھا اور حضرت حمزہؓ بھی اسی مقام پر شہید ہوئے تھے۔

اُحد کی پانچ لڑائیوں کی جگہیں

جنگ اُحد مسلسل پانچ مختلف جگہوں پر لڑی گئی تھی: پہلی لڑائی وادی قبات میں روماۃ پہاڑ کی مغربی طرف مسلمانوں اور کفار کے پڑاؤ کے درمیان لڑی گئی۔

دوسری لڑائی بھی اسی علاقہ میں عین کفار کے کیمپ میں جہاں خالد بن ولید نے اس وقت مسلمانوں پر حملہ کیا تھا جب وہ کفار کا کیمپ لوٹنے میں مصروف تھے۔

تیسری لڑائی پہاڑ کے درہ کے دہانہ پر جہاں مسلمانوں کا پڑاؤ تھا اور رسول اللہ ﷺ مقیم تھے۔

چوتھی لڑائی مسلمانوں کی پسپائی کی جگہ پر جو اُن کے کیمپ اور اُحد پہاڑ پر اُن کی پناہ کی جگہ تک تھی، جس دوران مسلمانوں نے پسپائی اختیار رکھی اور وہ اپنی پناہ گاہ (مُتعسم) تک پہنچے، لڑائی جاری رہی۔

پانچویں لڑائی اُحد پہاڑ پر مسلمانوں کی پناہ گاہ (مُتعسم) پر لڑی گئی جہاں کہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو تین اطراف، مشرق، مغرب اور شمالی طرف سے محفوظ کر لیا تھا۔

مسلمانوں نے اپنی عزت بحال کر لی

محمد رسول اللہ ﷺ مدینہ اور دوسرے علاقوں کے کفار عرب کو یہ بتا دینا چاہتے تھے کہ مسلمان ابھی بھی جنگی اور روحانی لحاظ سے مضبوط ہیں اور یہ کہ ان کی فوج کبھی بھی ہزیمت نہ اٹھاتی اگر تیر اندازوں نے غلطی نہ کی ہوتی۔

انہوں نے جنگ کے اگلے ہی روز (اتوار 03-10-3 ہجری، 625ء) اپنے وہ صحابہ کرام، جنہوں نے حضور ﷺ کا جنگ اُحد میں ساتھ دیا تھا، کو اکٹھا کیا اور اُن کے ساتھ قریش کا، جو مکہ کی طرف جا رہے تھے، تعاقب شروع کیا۔

جب آپ ﷺ حمراء الاسد تک جو مدینہ سے 8 کلومیٹر کی دوری پر تھا، پہنچے تو انہیں یہ اطلاعات

ملیں کہ قریش نے آنحضرت ﷺ اور ان تمام مسلمانوں کو قتل کرنے کی خاطر مدینہ واپس آنے کا فیصلہ کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے قریش سے دوبدو ہونے کے لیے تیاری کر لی اور اسی جگہ کفار کے واپس آنے کا تین دن تک انتظار کیا۔ انہوں نے بعد میں محسوس کیا کہ کفار نے یہ افواہ صرف اس لیے اڑائی ہوگی تا کہ مسلمان ان کا پیچھا نہ کریں اور ان کو فوراً مکہ پہنچنے کا موقع مل جائے۔

جب رسول اللہ ﷺ کو یقین ہوگیا کہ قریش مکہ واپس پہنچ گئے تھے تو وہ مسلمانوں کے ساتھ واپس مدینہ آ گئے۔

اس بہادری، استقلال، فراست اور جنگی ہنر مندی نے ہی مسلمانوں کو اپنی ساکھ واپس لانے میں مدد کی۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی شجاعت، صبر، مستقل مزاجی اور دانشمندی سے اس شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا تھا۔

فتح کی پہلی نشانی اس وقت سامنے آئی جب کفار اُحد کے پہاڑ کے اوپر مسلمانوں کی پناہ گاہ تک نہ پہنچ سکے تھے۔ دوسری نشانی اس وقت نظر آئی جب مسلمانوں نے جنگ کے دوسرے دن کفار کا پیچھا کرنا شروع کیا۔

جنگ اُحد سے کیا سبق حاصل ہوا

1- مشاورت میں اکثریت کی رائے کو تسلیم کرنا۔

2- کافر کی مدد کافر کے خلاف نہیں مانگنی چاہیے۔

3- فوج کو اپنے کمانڈر کے احکامات کی حکم عدولی نہیں کرنی چاہئے۔

4- ایک زیرک کمانڈر جو مکمل جنگی تیاری اور جنگی حکمت عملی سے پوری طرح بہرہ ور ہو گا وہی اپنی فوج کو جیت دلا سکتا ہے۔

5- عورتیں اسلحہ اٹھا سکتی ہیں اور بوقت ضرورت فوج کے ساتھ لڑائی بھی کرسکتی ہیں۔ یہ اس بات سے عیاں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصاری خاتون نسیبہؓ کو اپنے برابر ہی لڑائی کرنے سے منع نہیں کیا اور نہ ہی ان کے اس عمل پر کوئی تنقید کی، بلکہ ان کو سراہا تھا۔

6- تیر اندازوں کو اُن کی اس غلطی پر کوئی باز پرس نہ کی تھی کیونکہ ان میں تمام یا زیادہ تر جنگ میں شہید ہو چکے تھے۔ عام طور پر یہ رواج تھا کہ ایسی غلطیوں کے سرزد ہونے پر مسلمان خود ہی اپنی باز پرس کرتے پیشتر اس کے کہ رسول اللہ ﷺ انہیں پوچھیں۔ یہ جذبہ حضرت ابولبابہؓ ابن منظر انصاری نے ظاہر کیا تھا، جنہوں نے خود ہی مسجد نبوی میں اپنے آپ کو ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا تھا کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جنگ تبوک میں حصہ نہ لے سکے تھے یا بنی قریضہ کے یہودیوں کے ساتھ گہرے روابط کی وجہ سے۔ ہم نے آپ کی کہانی اس کتاب کے دوسرے باب میں بیان کی تھی۔

باب:9

غزوۂ احزاب (مشترکہ اتحاد)
یا
جنگ خندق

بئرمعونہ (معونہ کا کنواں)

تاریخ دان ابن سعد اپنی کتاب ''الطبقات الکبراء'' میں بئرمعونہ کا المیہ بیان کرتا ہے:

1- وہ کہتا ہے کہ عامر ابن مالک ابن جعفر ابو براء، رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور جب اس کو مسلمان ہونے کی دعوت دی گئی تو وہ خاموش رہا۔ پھر اس نے رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ اگر حضور ﷺ اس کے ہمراہ کچھ صحابہ کرام کو اس کے قبیلہ کی طرف روانہ کر دیں تو اسے امید ہے کہ اس کے لوگ رسول اللہ ﷺ کی دعوت قبول کر لیں گے۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ انہیں یہ خدشہ ہے کہ نجد کے لوگ ان کو نقصان پہنچائیں گے۔ ابو براء نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ یہ صحابہ کرام اس کی حفاظت میں ہوں گے۔ تب رسول اکرم ﷺ نے 70 صحابہ کو جنہوں نے قرآن پڑھا ہوا تھا منذرؓ بن امر ساعدی کی سرکردگی میں اس کے ہمراہ بھجوا دیا۔ جب یہ لوگ اس جگہ پہنچے جسے معونہ کنواں کہا جاتا تھا جو بنی سلیم کے پانی لینے کی جگہ تھی تو ان پر عامر ابن طفیل نے اور اس کے ساتھیوں نے گھات لگا کر ماسوائے عامر ابن امیہ ابن ضمری کے سب کو شہید کر دیا۔ ابن طفیل نے عامرؓ ابن اُمیہ کے سر کے بال منڈوا کر ان کو زندہ چھوڑ دیا۔

ایک دوسرے بیان میں یہ کہا گیا ہے کہ رعل، زکوان، عصیہ اور بنو لیحان کے قبائل کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور مدد کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے 70 مردوں کو روانہ کیا جو وہاں شہید کر دیئے گئے۔ جب اس خون ریزی کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ملی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ کام ابو براء کا ہے، اور اسے ناپسند فرمایا۔ پھر انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ قاتلوں پر وہ

اپنا عذاب نازل فرمائے۔

مدینہ واپسی پر ابن ضمری کی بنی کلاب قبیلہ کے دو اشخاص سے ملاقات ہوئی جن کو رسول اکرم ﷺ نے پناہ دی تھی لیکن وہ اس سے بے خبر تھے اور انہوں نے ان دونوں کو قتل کر دیا۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے انتہائی غلط اور نازیبا کام کیا ہے اور اس کام کا مداوا ہونا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے تب ان دونوں کا خون بہا ادا کیا۔ یہ واقعہ ذوالحج کے مہینہ چار ہجری (626ء) میں پیش آیا۔

2- بنی نضیر کے ساتھ جنگ کے احوال بیان کرتے ہوئے ابن سعد کہتا ہے کہ ربیع الاول کے مہینہ میں رسول اللہ ﷺ بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے بنی کلاب کو دو اشخاص کے قتل کا خون بہا دینے میں مدد کی درخواست کی۔ بنونضیر نے اس کا مثبت جواب دیا تاہم اسی دوران یہ سازش سوچی کہ رسول اکرم ﷺ پر ایک بھاری پتھر گرا کر انہیں قتل کر دیا جائے (نعوذ باللہ) جب کہ وہ اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ بنی نضیر کی ایک عمارت کی دیوار کا سہارا لے کر بیٹھے ہوئے تھے۔

سلامہ بن مشکم نے اپنے لوگوں کو اس کام کے کرنے سے باز رکھنا چاہا کیونکہ اللہ اپنے رسول ﷺ کو اس بات کی خبر کر دے گا اور پھر یہ حرکت رسول اللہ ﷺ اور بنی نضیر کے مابین کئے ہوئے معاہدہ کو توڑ دے گی۔ اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بنی نضیر کی اس سازش کا علم دے دیا، انہوں نے فوراً وہ جگہ چھوڑ دی اور مدینہ واپس چلے گئے۔ ان کے ساتھی بھی ان کے پیچھے ہی چلے آئے۔ آپ ﷺ نے ان کو بنی نضیر کے یہود کی اس سازش کا بتایا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بنی نضیر کو حکم دیا کہ وہ مدینہ کو خالی کر دیں اور اس بے وفائی کے بعد وہ آئندہ اس جگہ کبھی بھی مسلمانوں کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ لیکن ابن اُبی نے یہودیوں کو کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی کریں اور

اپنی مضبوط جگہوں پر مورچہ بند ہو جائیں۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ 2,000 آدمیوں کی مدد روانہ کرے گا۔ اس نے مزید یہ بھی کہا کہ قریظہ قبیلہ اور ان کے حلیف غطفان قبیلہ بھی مدد کے لیے آ جائیں گے۔ بنی نضیر کے سردار حیئ ابن اخطب جو اس موقع سے ذاتی مفاد حاصل کرنا چاہتا تھا، نے رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ وہ مدینہ نہیں چھوڑیں گے اور رسول اللہ ﷺ جو قدم اٹھانا چاہیں اٹھالیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تب بنی نضیر کی یہودی بستی کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں نے یہ محاصرہ 15 روز تک جاری رکھا۔ بنی قریظہ اور بنی غطفان کا ساتھ نہ پا کر اور اس لمبے محاصرہ کی وجہ سے بنی نضیر نے شکست تسلیم کر لی اور مدینہ چھوڑنے پر رضا مند ہو گئے۔ اُن کو اپنا تمام سامان ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن ہتھیار لے جانے کی ممانعت کر دی گئی۔ یہود 600 اونٹوں کے ساتھ خیبر اور عذرات روانہ ہو گئے۔

جنگ احزاب (متحدہ دشمن)

مدینہ چھوڑنے کے بعد بھی بنی نضیر کے یہودیوں نے اپنے سردار حیئ ابن اخطب اور دوسری نمایاں شخصیات کی سربراہی میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازشیں ختم نہ کیں۔ تعصب، عداوت اور بُغض سے بھرے ہوئے یہود دین اسلام کو مٹانے اور پیغمبر ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو ختم کرنے کی سازشیں کرنے لگ گئے۔ لیکن یہ ان کی صرف خام خیالی تھی۔ انہوں نے قریش، غطفان اور دوسرے قبائل سے روابط قائم کر کے انہیں اکسانا شروع کیا کہ مدینہ پر حملہ آور ہوں اور نئے دین کو ختم کر دیں۔ اس طرح وہ دوبارہ اپنا کھویا ہوا اقتدار واپس لینا چاہتے تھے۔

متحدہ دشمن کی فوج

یہود نے قریش، غطفان، بنی اسد، بنی سلیم، فزارہ، اشجع، مرہ اور دوسرے قبائل کے ساتھ اتحاد قائم کرنے کے لیے ایک جال پھیلا رکھا تھا۔ ان یہودیوں نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ وہ بنی

قریظہ کے یہود کو اس بات پر آمادہ کریں گے کہ وہ اس اتحاد میں شامل ہوں۔ احزاب میں 10,000 سپاہیوں پر مشتمل ایک کثیر فوج جو ہتھیاروں، رسد اور دوسری جنگی ضروریات کے ساتھ مکمل لیس تھی اکٹھی ہو گئی، اس تعداد میں بنی قریظہ شامل نہ تھے۔ صرف قریش ہی کی فوج 4000 سپاہیوں، 300 گھوڑوں اور 1500 اونٹوں پر مشتمل تھی۔ اس فوج کا سردار ابو سفیان ابن حرب تھا۔ غطفان کی فوج کے چار کمانڈر تھے، عینیہ ابن حصن فزاری، حارث ابن عوف مری، مسعر ابن روخیلہ ابن خویلد الاسدی۔ یہود کی یہ آواز کہ پیغمبر ﷺ اور ان کے دین سے چھٹکارا پایا جائے، کو قریش نے ہمدردی کی نظر سے دیکھا کیونکہ وہ خود بھی یہی چاہتے تھے۔

یہود کی جنگ

متحدہ فوج کو یکجا کرنے کا کردار جو یہودیوں نے ادا کیا تھا اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ جنگِ احزاب بنیادی طور پر یہود کی جنگ تھی گو قریش اور غطفان نے اس جنگ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس کی کڑی بئر معونہ کے المیہ اور بنی نضیر کے ساتھ جنگ سے منسلک تھی۔ اس جنگ کی ترغیب بنی نضیر کے لیڈروں نے ہی مدینہ سے نکالے جانے کے بعد دی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کو اس خبر کی اطلاع

اللہ کے پیغمبر ﷺ، اسلام کے دشمنوں کی حرکات سے پوری طرح باخبر رہتے تھے۔ ان کو متواتر ایسی خبروں کی اطلاع دی جاتی تھی۔

جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر موصول ہوئی کہ اتحادی مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو مشورہ کے لیے بلایا کہ ان حالات میں کیا اقدامات کیے جائیں۔ حضرت سلمانؓ فارسی نے مدینہ کے گرد ایک خندق کھودنے کی رائے دی جو منظور کی گئی۔ [1]

---

[1] بعض کتب میں بیان ہے کہ حضرت سلمانؓ فارسی نے اپنی رائے میں یہ کہا کہ فارس میں محاصرہ ہونے پر خندق کھودی جاتی تھی۔ (الرحیق المختوم۔ صفحہ نمبر 410) (مترجم)

خندق، مقام اور علاقہ

مسلمانوں نے غور وغوض کیا کہ مشرکین کس طرف سے مدینہ میں داخل ہو سکتے ہیں اور صرف مدینہ کی شمالی طرف ہی غیر محفوظ نظر آئی کیونکہ مشرقی، مغربی اور جنوبی اطراف پہاڑوں پر مشتمل تھیں۔ یہاں آبادیاں اور کھجور کے درخت ایک قدرتی حصار کا کام دیتے تھے۔ خندق صرف شمالی علاقہ میں ہی کھودی گئی تھی۔

غزوہ احزاب (جنگ خندق)
(خندق کا نقشہ ومقام)

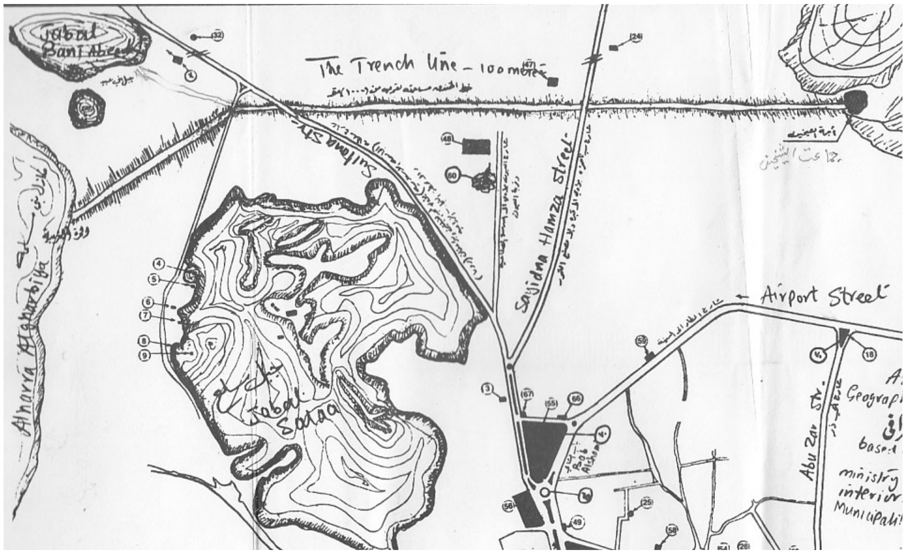

خندق کا یہ نقشہ مصنف نے اپنی کتاب کے آخر میں منسلک کیا ہے
خندق کی لمبائی 3.75 کلومیٹر، چوڑائی 6.75 میٹر اور گہرائی 5.25 میٹر تھی

جب منصوبہ کا فیصلہ ہو گیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ کو مختلف ٹولیوں میں تقسیم کیا ہر ٹولی 10 اصحاب پر مشتمل تھی اور ہر ایک کو خندق کا ایک حصہ کھدائی کے لیے دے دیا گیا، مہاجرین نے کھدائی کا کام ریتج جگہ سے زوباب تک سرانجام دینا تھا جو ایک پہاڑی علاقہ تھا، اسی علاقہ میں راعیہ مسجد تعمیر کی گئی تھی۔

رسول اللہ ﷺ اسی جگہ پر ہی خیمہ زن ہوئے تھے۔ انصار نے زوباب سے جبل بنی عبید تک کھدائی شروع کی۔ رسول اکرم ﷺ بھی خندق کی کھدائی میں مسلمانوں کے ساتھ شامل تھے، اُن کا جسم مٹی سے اٹ گیا تھا۔ ایک موقع پر مسلمانوں کو ایک سخت چٹان کا سامنا کرنا پڑا جو ٹوٹ نہیں رہی تھی، انہوں نے حضرت سلمانؓ فارسی سے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جائیں اور انہیں اس رکاوٹ کا بتائیں اور وہ ان کی ہدایت کا انتظار کریں گے۔ رسول اکرم ﷺ موقع پر تشریف لائے اور اپنے ہاتھوں میں کدال لے کر انہوں نے اسے تین بار اس چٹان پر مارا اور وہ ٹوٹ گئی، ہر بار جب رسول اللہ ﷺ چٹان پر کدال مارتے تھے تو آگ کی چمک پیدا ہوتی تھی، انہوں نے مومنین سے فرمایا کہ اس چمک نے فارس اور شام کے محلوں کو روشن کر دیا ہے اور صنعاء کے محل کو بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بشارت دی ہے کہ مسلمان ان سلطنتوں پر فتح حاصل کریں گے۔ خندق 6 روز میں کھودی گئی۔ بعض تاریخ دان 6 روز سے زیادہ دن بھی بیان کرتے ہیں تاہم یہ بات ظاہر ہے کہ یہ خندق اتحادی فوج کے مدینہ کے نواح میں آنے سے پہلے ہی مکمل ہو چکی تھی۔

خندق کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی

مجھے کسی ذریعہ سے بھی شواہد نہیں مل سکے کہ خندق کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی کیا تھی۔ لیکن محمد احمد بشمائل نے اپنی کتاب ''غزوات الاحزاب'' کے پہلے ایڈیشن میں خندق کی اندازاً لمبائی 3.75 کلومیٹر، چوڑائی 6.75 میٹر اور گہرائی 5.25 میٹر بیان کی ہے۔ خندق کا مقصد مشرکین اور ان کے گھوڑوں کو دوسری طرف آنے اور ان کی فوقیت کے بڑھنے کو روکنا تھا۔

اسلامی فوج

سیرت نبوی اور حضور ﷺ کی زندگی پر لکھی گئی کتابوں میں اسلامی فوج کی تعداد 3,000

لکھی گئی ہے۔ کچھ دوسرے تاریخ دان یہ تعداد 900 بتاتے ہیں۔ اسلامی فوج جبل سلع کے شمال میں خیمہ زن تھی اور دشمن سے علیحدگی خندق ہی کی وجہ سے تھی۔

دشمن کی متحدہ فوج کا پڑاؤ

قریش اور اس کے اتحادی مجمعہ الاصید (آج کل برقہ کے نام سے جانا جاتا ہے) اور غطفان، جبل اُحد کے مغرب میں رکے ہوئے تھے۔

غزوۂ احزاب

جنگ کا آغاز تیر اندازوں کی تیزنی اور پتھروں کی بارش سے ہوا، پھر تلواروں کی جنگ شروع ہوگئی۔ مشرکین نے مسلمانوں کے دفاع کو توڑنے کی کوشش کے دوران خندق کے ملحقہ ایک کمزور اور غیر محفوظ جگہ کا پتہ چلا لیا تھا اور ان کے کچھ لوگ وہاں سے مسلمانوں کی طرف گھس آئے۔ ان کے نام عمرو ابن عبدود آمری، عکرمہ ابن ابوجہل، ضرار ابن خطاب، جیرہ ابن ابولہب اور نوفل ابن عبداللہ تھے، ان کا فوراً حضرت علیؓ ابن ابو طالب اور دوسرے صحابہ نے مقابلہ کیا۔ حضرت علیؓ نے عمرو کو قتل کر دیا اور زبیرؓ ابن عوام نے نوفل کا کام تمام کر دیا اور وہ خندق کے اندر گر گیا۔ باقی لوگ بھاگ گئے۔

بنی قریظہ کی دھوکہ دہی

یہودیوں کے حاسد اور کینہ پرور سردار، حیّ ابن اخطب نے بنی قریظہ کو قائل کر لیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کئے گئے اپنے معاہدہ کو توڑ دیں اور اتحادیوں کے ساتھ شامل ہو جائیں۔

مسلمانوں کو اتحادی فوجوں کے مقابلہ کے ساتھ ساتھ جو یہود ابھی مدینہ میں ہی رہتے تھے ان کی سازشوں کا بھی سامنا کرنا تھا کیونکہ وہ اندرونی جاسوسوں کا کام کر رہے تھے۔

مسلمانوں کی حالت نازک ہوگئی تھی۔ ”آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور دل حلق میں آ رہے

تھے۔'' مسلمانوں نے اس وقت اپنی فوجوں کی تنظیم نو کی۔ رسول اللہ ﷺ نے دو بٹالین، 500 فوجیوں کو مدینہ شہر کی حفاظت کے لیے روانہ کیا۔ باقی فوج کو خندق کا دفاع کرنے کے لیے رکھا۔ عورتوں اور بچوں کو محفوظ جگہ بھجوا دیا گیا۔

جنگ پوری شدت سے جاری تھی اور مسلمان اپنی جگہوں پر بہادری سے ڈٹے ہوئے تھے۔ مشرکین نے مسلمانوں کا جوش و جذبہ کمزور کرنے کی خاطر مختلف افواہیں اور غلط اطلاعات پھیلانا شروع کر دیں۔ اتحادیوں نے تب اپنے سب سے مضبوط فوجی دستہ جس کا کمانڈر خالد ابن ولید تھا، سے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کرے۔ جنگ رات ہونے تک جاری رہی۔ اس روز رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا نہ کیں۔

مقابلہ کرنے والوں کی نفسیات اور بہادری کا ذکر قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے: ''دیکھو وہ تم پر تمہارے اوپر سے اور تمہارے پیچھے سے چڑھ دوڑے تھے اور دیکھو کہ آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور دل حلق میں آ گئے تھے۔''[1] مسلمان دراصل پانچ محاذوں پر جنگ کر رہے تھے: اتحادی، بنوقریظہ، سردی، خوف اور بھوک۔

اس جنگ نے بہت سی مشکلات پیدا کر دیں، لیکن اس کا انجام کفر کے اتحادیوں کے لیے ہزیمت اور شکست کا باعث بنا اور اسلام کو آئندہ کے لیے زیادہ مضبوط اور طاقت ور بنا دیا۔ مسلمانوں نے اس جنگ میں لاجواب مثالیں قائم کیں اور وہ قابل تقلید اشخاص تھے جو دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی بجائے شہادت والی موت کی تمنا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی بنوغطفان سے مصالحت

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں پر پڑے ہوئے دباؤ کو کم کرنے کی خاطر عینیہ ابن حصن فزاری

---

1. (سورہ الاحزاب:10/11:33)

کو مدینہ کے انصار کی ایک تہائی پیداوار دینے کا کہا اور اس کے بدلہ میں ابن حصن اپنے قبیلہ کے لوگوں کو اتحادیوں سے علیحدہ کرے گا۔ فزاری مان گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعدؓ ابن معاذ اور حضرت سعدؓ ابن عبادہ جو دونوں انصار میں سے تھے، کو مشورہ کے لیے بلایا اور انہیں فزاری کو دی گئی اپنی پیشکش کا بتایا۔ انہوں نے کہا کہ اگر تو یہ اللہ کا حکم ہے تو آپ ﷺ اس پر عمل کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ اللہ کا حکم ہوتا تو وہ ان سے کبھی کوئی رائے نہ لیتے۔ یہ آپ ﷺ کی ہی رائے تھی اور ان کا نقطہ نظر جاننا چاہتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ مسلمانوں کو ان سے لڑنا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا اور اس فیصلہ نے مسلمانوں کے جذبہ کو دو چند کر دیا۔

نعیمؓ ابن مسعود کا کردار

ان کا پورا نام نعیمؓ ابن مسعود ابن عامر ابن انیف تھا جو قبیلہ غطفان سے تھے۔ اپنے لوگوں میں وہ ایک باعزت شخصیت تھے، بنی قریظہ اور اتحادی ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ نعیمؓ نے نئے مذہب کی تاریخ کے نہایت نازک دور میں اسلام قبول کیا تھا۔ وہ رسول اکرم ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب حضور ﷺ نے غطفان قبیلہ سے مصالحت نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کو کہا کہ ان کے قبیلہ کے لوگ ابھی نہیں جانتے کہ وہ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی کہا کہ انہیں کوئی بھی فرض ادا کرنے کا حکم دیا جائے جو وہ ادا کر سکتے ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ چونکہ وہ اکیلے شخص ہیں اور جنگی حکمت عملی میں دوران جنگ مختلف چالیں چلنی ہوتی ہیں اس لیے وہ اپنے ساتھی مسلمانوں کی مدد اتحادیوں کے منصوبوں کو ناکام بنانے کی شکل میں کر سکتے ہیں۔

نعیمؓ تب بنی قریظہ کے پاس گئے اور کہا کہ غطفان اور قریش مدینہ کے رہائشی نہیں اس لیے انہیں عورتوں اور بچوں کی حفاظت کی کوئی فکر نہیں وہ تو صرف محمد ﷺ سے لڑائی کرنے کے لیے آئے ہیں اور اگر وہ جیت نہ سکے تو اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں گے اور اگر وہ جنگ چھوڑ کر چلے گئے تو بنی قریظہ کو محمد رسول اللہ ﷺ سے خود ہی نپٹنا پڑے گا۔ اور اس صورت میں وہ مسلمانوں کی طاقت کے سامنے کھڑے نہیں ہو سکیں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ سے اس وقت تک لڑائی نہ کریں جب تک وہ بنی غطفان اور قریش کے کچھ آدمی بطور یرغمال اپنے پاس نہ رکھ لیں۔ بنو قریظہ کو ان کی یہ رائے پسند آئی۔

پھر وہ قریش اور غطفان کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ قریظہ محمد رسول اللہ ﷺ سے اپنا معاہدہ توڑنے پر متاسف ہیں اور انہوں نے محمد ﷺ کو مشورہ دیا ہے کہ قریش اور غطفان اپنے کچھ آدمی بطور یرغمال آپ ﷺ کے پاس رکھیں اور یہ کہ بنو قریظہ، قریش اور غطفان سے جان چھڑانے کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوں گے۔

جب قریش اور غطفان نے بنو قریظہ سے کہا کہ وہ جنگ میں حصہ لینے کے لیے تیاری کریں کیونکہ جنگ کی صورت حال ان کے حق میں نہیں ہے اور وہ جلد از جلد محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بنو قریظہ نے جواب میں کہا کہ وہ اپنے کچھ لوگ بطور ضمانت ان کے پاس رکھوائیں اور اس وقت تک لڑائی سے انکار کر دیا۔ پس اللہ بلند و بالا نے وہ سازشی منصوبہ جو بنو قریظہ اور اتحادیوں نے تشکیل دیا تھا، ناکام کر دیا۔ مسلمانوں کے ہیرو نعیمؓ نے اتحادیوں کی شکست کو جلد مکمل کرنے میں عمدہ کردار ادا کیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی اتحادیوں کے خلاف دعا

امام احمدؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ الاحزاب کی مسجد میں نمازیں ادا کرنے سے پہلے،

اللہ سے دعا کرتے تھے کہ ''اے اللہ! کتاب اتارنے والے اور جلد حساب لینے والے، ان اتحادیوں کو شکست دے۔''

اتحادی جنگ سے اُکتا گئے

اتحادی جنگ سے اُکتا گئے تھے جو 20 دن تک جاری رہی اور انہیں مسلمانوں سے دست بدست جنگ کی امید نہ رہی تھی، ان کے لوگ مطمئن نہ تھے اور اس پر سامان رسد کی کمی نے اضافہ کر دیا تھا۔ دراصل مشرکین قلعہ بند جنگ سے ناواقف تھے۔ وہ اب پیچھے ہٹنے کا سوچ رہے تھے۔

اتحادیوں کی شکست

ابوسفیان ابن حرب نے اپنے آدمیوں سے مشورہ کرنے کے بعد اتحادی فوجوں کو حکم دیا کہ وہ واپس مکہ کے لیے کوچ کریں۔ اس نے ان کو بتایا کہ بنی قریظہ نے ان کو دھوکا دیا تھا اور محمد ﷺ کے ساتھ امن کا معاہدہ کر لیا ہے۔ مزید ایک سخت آندھی نے ان کے خیمے اور سامان رسد بھی تباہ کر دیے تھے۔

جب مسلمانوں نے اتحادیوں کے پڑاؤ میں غیر معمولی حرکت دیکھی تو اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت ہزیلہؓ ابن یمان کو تحقیق کے لیے بھیجا۔ جب وہ دشمن کے پڑاؤ کے قریب پہنچے تو شدید و تیز طوفانی ہوائیں ان کے پڑاؤ اور محفوظ جگہوں کو تباہ کر رہی تھیں۔ ابوسفیان اپنے لوگوں پر چلا رہا تھا کہ واپس چلو۔ پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اتحادی فوج نے بھی اس کی تقلید کی۔ فوجوں کی واپسی خالد ابن ولید اور عمرو ابن العاص کی نگرانی میں 200 مضبوط آدمیوں کی حفاظت میں ہوئی۔

حضرت ہزیلہؓ نے واپس آ کر آنحضرت ﷺ کو احزاب کی فوجوں کی واپسی کی اطلاع دی۔

اللہ کے فضل سے اتحادیوں کو شکست ہوئی اور محاصرہ ختم ہو گیا۔''اور اللہ نے کفار کو غصہ میں بھرے ہوئے ہی نامراد واپس لوٹا دیا۔ انہوں نے کوئی فائدہ نہ پایا اور اس جنگ میں اللہ تعالیٰ خود ہی مومنوں کے لیے کافی ہو گیا۔ اللہ کُل طاقت کا مالک ہے اور اپنی منشاء کو فائز کرنے پر قادر ہے۔''[1]

دونوں فریقین کے نقصانات

مسلمانوں کے 8 لوگ شہید ہوئے، تمام کا تعلق انصار سے تھا۔ ان میں سُلیط اور سفیان ابن عوف تھے۔ اتحادیوں کے چار لوگ ہلاک ہوئے، تمام قریش سے تھے۔

جنگ کی تاریخ اور محاصرہ کی مدت

ابن ہشام اپنی کتاب 'سیرت' میں محمد ابن اسحاق المقلابی کے حوالہ سے کہتا ہے کہ جنگ خندق ہجرت کے پانچ سال بعد (627ء) شوال کے مہینہ میں واقع ہوئی۔

سمہودی نے موسیٰ ابن عقبہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ یہ جنگ شوال میں ہجرت کے بعد چوتھے سال میں وقوع پذیر ہوئی۔ ابن سعد اپنی کتاب ''الطبقات الکبریٰ'' میں بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنگ احزاب میں فوجی انخلاء کے بعد ذیقعد کی 7 تاریخ ہجرت کے پانچویں سال واپس مدینہ گئے۔ محاصرہ کی مدت 24 دن بیان کی گئی ہے۔ دوسری اطلاعات کے مطابق یہ 15 دن تک تھا۔

خندق کی موجودہ دور میں جگہ

ایسے کوئی آثار یا کھنڈرات نہیں بچے ہیں جن سے خندق کی صحیح جگہ کی حد بندی کرنے میں مدد مل سکے۔ تاہم، تاریخ کی کتابوں کے مطالعہ سے جو میں نے سمجھا ہے اور سمہودی نے بیان کیا

1۔ سورۃ الاحزاب: آیت 25

ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے خندق کی جو حد بندی فرمائی تھی اس کے مطابق حارۃ الشرقیہ کے عین آخر میں جماعت الشیخین کے مقام سے اس کی ابتدا کی اور صفا مسجد کی مغربی طرف جبل بنی عبید پر اس کا اختتام ہوا۔

ان کتابوں کے متن سے اندازہ لگاتے ہوئے ہم آسانی سے خندق کے مقام کو ایک سیدھی لکیر کھینچ کر جماعت الشیخین سے اگر جبل بنی عبید تک لے جائیں تو یہ لکیر حارۃ الشرقیہ سے گزرتے ہوئے جنوب مغرب کی طرف کچھ خم کھائے گی۔ میں نے سیدھی لکیر ان وجوہات کی بنا پر کھینچی ہے کہ:

1- ایک سیدھی لائن، خم کھائی ہوئی لکیر کے مقابلہ میں کم فاصلہ بتاتی ہے۔

2- اس علاقہ میں زمین ہموار ہے۔

3- ایک سیدھی لائن خندق کی حفاظت کرنے میں مددگار ہوگی۔

تاریخ دان مطری نے یہ غلط لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خندق کی کھدائی وادیٔ بہتان سے شروع کر کے ایک لکیر کی سیدھ میں عیدگاہ کے مغرب تک اور پھر فتح مسجد سے ہو کر ان دو چھوٹی پہاڑیوں پر ختم کی جو وادی کی مغربی طرف واقع تھیں۔ اس طرح تو جبل سلع ان کے پیچھے ہو جاتا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا خیمہ قرن جو کہ فتح مسجد کے مقام پر واقع تھا، میں نصب کیا۔ خندق نے مسلمانوں کو مشرکین سے علیحدہ کر دیا تھا۔

محمد احمد بشمائیل جنگ احزاب پر لکھی ہوئی اپنی مشہور کتاب میں کہتا ہے کہ خندق بنانے کا منصوبہ حضرت سلمانؓ فارسی کی تجویز پر مبنی تھا جن کو ایک کشادہ خندق کھودنے کے لیے بلایا گیا تھا۔ یہ خندق جبل سلع کی مغربی جانب سے بڑھتے ہوئے حارۃ الوبرہ کے دامن تک مغربی جانب کی بلندی پر واقع تھی۔ اس کی مغربی اونچائی سے مدینہ کا منظر دیکھا جا سکتا تھا۔ یہ خندق

ایک نیم سیدھی لکیر کی شکل میں مشرق کی طرف بڑھتے ہوئے حارۃ وقیم کے دامن تک چلتی گئی تھی اور شمالی جانب سے مدینہ کا منظر پیش کرتی تھی، اس طرح اس خندق نے متحدہ کفار کے لشکر کو جبل سلع کے سامنے مورچہ بند مسلمانوں سے مکمل علیحدہ کر رکھا تھا۔ مدینہ کا شمالی بیرونی علاقہ بھی اسی خندق کی وجہ سے محفوظ رہا۔ خندق کے منصوبہ سے ہی دوسری ذیلی شاخیں کھودی گئیں جو ایک دوسری کو ملاتی تھیں اور بڑی خندق کے آخری کنارے سے جو جبل سلع کا مغربی کنارہ تھا، کو جنوبی حصہ سے وادی بٹان اور رانونا سے بھی ملاتی تھیں۔ یہ خندقیں مغرب کی طرف سے مسجد نبوی کے عقب تک جا سکتی تھیں، بشمائیل نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 30 پر اس خندق کے ممکنہ وقوع کا نقشہ بھی درج کیا ہے۔

مطری اور بشمائیل کے نظریہ پر بحث

بشمیل نے یہ قیاس مطری کی وجہ سے ہی کیا ہوگا جس نے یہ خیال ابن نجار سے مستعار کیا تھا۔لیکن میں نے اپنے دلائل اور خندق کی لکیر کے متعلق قیاس، سمہودی، طبرانی، بیہقی اور ابن سعد کے بیانات کی بنیاد پر ہی رکھا ہے جن کی وجوہات درج ذیل ہیں:

1- خندق کی لائن کی لمبائی جو مطری اور بیشمائیل نے بیان کی ہے، زیادہ لمبی ہے اور اس کا دفاع کرنا مشکل ہوگا۔ مزید یہ کہ اس قدر لمبی خندق 6 دن یا اس سے قدرے زیادہ وقت میں کھودی نہیں جا سکتی تھی۔

2- تاریخی حقائق بتاتے ہیں کہ مدینہ کی مشرقی، مغربی اور جنوبی اطراف رہائشی عمارتوں، کھجور کے درختوں اور پہاڑی علاقہ پر مبنی تھی جو قدرتی حفاظت گاہ تھیں۔ یہ بات غیر دانشمندانہ ہو گی کہ ہم ان علاقوں میں خندق کی کھدائی پر اپنا وقت ضائع کریں۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مدینہ کی تمام اطراف میں سے صرف ایک طرف ہی مورچہ بندی کی گئی تھی اور اس

طرح مدینہ محفوظ ہو گیا تھا۔

3- اگر یہ ضروری ہوتا کہ ایک خندق جبل سلع کے مغرب سے مسجد کے مغربی طرف تک کھودی جاتی اور پھر وہاں سے وادی بطحان، برانونا اور قباء میں محضور کے سنگم تک لائی جاتی تو پھر ایک خندق مشرقی طرف سے بھی کھودی جاتی جو مسجد نبوی کے ساتھ ساتھ عوالی گاؤں تک جاتی۔ مزید یہ کہ ایک خندق جنوبی طرف سے بھی کھودی جاتی جو حارۃ الشرقیہ سے شروع ہو کر حارۃ الغربیہ اور مبرار تک جاتی۔

4- المطری کا یہ قیاس غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرن جو فتح مسجد والی جگہ ہے، پر خیمہ زن ہوئے تھے۔ آپ کا خیمہ صحیح طور پر جبل زوباب جسے جبل راعیہ بھی کہا جاتا ہے، پر نصب ہوا تھا۔ یہ پہاڑ خندق کی لائن کے عین درمیان واقع تھا اور یہاں سے متحدہ کفار اور مسلمانوں کے لشکروں کو نظر میں رکھا جا سکتا تھا۔ وہ پہاڑ جہاں کہ فتح مسجد واقع ہے وہاں سے رسول اللہ ﷺ کو خندق کی کل لمبائی کو نظر میں رکھنا دشوار ہوتا اور یہی امر درست ہے۔

5- ابن نجار کا یہ بیان غلط ہے کہ خندق اب بھی موجود تھی اور اب بھی وہ ایک نہر کی شکل میں بلکہ چشمہ جو فتح مسجد کے قریب واقع ہے، میں کھجور کے درختوں کو پانی فراہم کرتی ہے۔ خندق پر کھجور کے درخت تھے جو زیادہ تر زمین میں دب گئے تھے اور اس کی دیواریں بھی منہدم ہو چکی تھیں۔ دراصل ابن نجار نے جو نہر دیکھی اور بیان کی وہ پانی لے جانے والی تھی اور خندق کے اندر نہ تھی۔ مزید خندق کی دیواریں نہیں تھیں۔

اگر اس بات کی ضرورت ہوتی کہ جبل سلع کی مغربی طرف سے قباء تک ایک خندق کھودی جائے، تو وہ بیرونی دشمنوں سے مدینہ کی حفاظت کے لیے نہ بنائی جاتی بلکہ یہ حارۃ الغربیہ کے اندر سے آنے والے حملہ آوروں سے بچاؤ کے لیے ہوتی۔ مگر ایسا معاملہ نہ تھا۔

مندرجہ بالا نکات کی بنا پر میں سختی سے اس نظریہ کی تائید کرتا ہوں کہ خندق کی لکیر شمالی طرف تھی، جیسا کہ میں نے نقشہ میں دکھایا ہے یا پھر اس سے ملحق ہوتی۔

دھوکے باز بنی قریظہ کا اخراج

کفار کی متحدہ فوج کی واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی تمام تر توجہ اندرونی محاذ پر مبذول کر دی جہاں دغا باز بنی قریظہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر رہے تھے۔ مسلمانوں نے بنو قریظہ کی بستیوں کا محاصرہ ان کے ہتھیار ڈالنے تک جاری رکھا۔ ان کو مدینہ بطور قیدی لایا گیا۔ اوس قبیلہ جو کہ بنو قریظہ کے ساتھی تھے، نے رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ ان یہودیوں کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعدؓ ابن معاذ کو اس کام کے لیے مقرر کیا کہ یہودیوں پر مقدمہ چلائیں اور ان کا فیصلہ کریں۔ حضرت سعدؓ نے ان کے مردوں کو موت کی سزا دی اور عورتوں کو قیدی بنا لیا اور ان کی جائیدادیں ضبط کر لیں۔ ان فیصلوں پر عمل درآمد کیا گیا کیونکہ یہودیوں کی مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ بازی اور کفار کی متحدہ فوج کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنا بہت سنگین جرائم تھے۔ جن لوگوں کو قتل کیا گیا ان میں یہودیوں کا سردار حیی ابن اخطب بھی شامل تھا۔ جو یہودی قتل کئے گئے ان کی تعداد 600 سے 700 مرد تھے۔ جو املاک ضبط کی گئیں ان میں 1500 تلواریں، 300 آہنی جنگی سامان جن میں زرہ بکتر وغیرہ شامل تھیں، 2000 نیزے، 1500 ڈھال اور بہت تعداد میں اونٹ اور مویشی شامل تھے۔

جنگ احزاب سے کیا سبق ملتا ہے

1- مسلمانوں کو ہوشیار اور چاک و چوبند رہنا چاہئے لیکن اپنے آپ کو غیر ضروری خطرات لینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ جانتے ہوئے کہ کفار کی متحدہ فوج مسلمانوں سے تعداد میں بہت زیادہ تھی اور مسلمانوں کو ان کا سامنا کرنے میں زیادہ خطرہ تھا، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے مدافعت کرنے کی رائے سے اتفاق کیا اور خندق کھودنے کا فیصلہ کیا۔

2- اسلامی رہنماؤں اور کمانڈروں کو جنگ کے دوران ہر ذریعہ کو بروئے کار لانا چاہیئے۔ اس میں دشمن کے حوصلے پست کرنے والی خبروں کو نشر کرنا بھی شامل ہے تا کہ ان کا جذبہ کمزور پڑ جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے نعیمؓ کو دشمن کے پاس یہی چال چلنے کے لیے بھیجا تھا تا کہ وہ کمزور پڑ جائیں۔ انہوں نے یہ ایک مثال قائم کی تھی۔

3- مسلمانوں کو قتل و غارت، بھوک، ٹھنڈ اور تکالیف برداشت کرنے کی عادت ہونی چاہیئے اور مشکلات کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ بھی ہونا چاہیئے تا کہ وہ اپنے نیک مقاصد حاصل کر سکیں۔ بہادر اور ثابت قدم مومنین کی کامیابی ہمیشہ ان کے لیے ایک انعام کا درجہ رکھتی ہے۔

4- خبروں کے ذریعہ دشمن کا حوصلہ پست کرنے کا حربہ مسلمانوں نے پہلی بار جنگ احزاب ہی میں استعمال کیا تھا۔ اس جنگ سے ہمیں بہت سے سبق ملتے ہیں ان سب کو ہم تلاش کریں اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔

باب:10

مدینہ میں تعلیمی سرگرمیاں

اسلامی یونیورسٹی[1]

مسجد نبوی کا کردار ایک اسلامی یونیورسٹی کا رہا ہے جہاں دین اسلام، عربی زبان، تاریخ، علم فلکیات، حساب، فلسفہ اور دوسرے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔

اس مسجد سے لاتعداد علماء، سائنسدان، فلسفہ دان، ریاضی دان اور ماہر فلکیات فارغ التحصیل ہوئے اور اسناد حاصل کیں۔ درس و تدریس کا عمل عام طور پر روزانہ پانچوں نمازوں کی ادائیگی کے بعد یا ان نمازوں کے وقفہ میں ہوتا تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ امام مالکؒ کبھی بھی مدینہ سے باہر نہیں گئے تھے ماسوائے حج کی ادائیگی کے لیے۔ انہوں نے علم فلکیات پر ایک کتاب لکھی تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مضمون بھی مسجد نبوی میں پڑھایا جاتا تھا۔ مدینہ میں سلطنت عثمانیہ کے دور میں عام سکول کھول دیئے گئے اور لوگ بتدریج مسجدوں کی تعلیمی سرگرمیوں سے دور ہوتے گئے اور ان سکولوں میں تعلیم حاصل کرنے لگے۔ تب مسجد نبوی کا ایک بنیادی یونیورسٹی کا کردار کم ہو گیا۔

اسلامی یونیورسٹی کے قیام میں اخبار مدینہ منورہ کا کردار[2]

اخبار مدینہ نے 1379 ہجری سے 1381 ہجری (1959ء سے 1961ء) کے دوران

---

1. اس باب میں مصنف نے اسلامی یونیورسٹی کے علاوہ مدینہ میں جدید تعلیم کے احیاء اور مختلف نوعیت کے سکولوں اور کالجوں، جن میں صنعتی اور فنی کالج بھی شامل ہیں، کا ذکر کیا ہے اور یہ تعلیم مردوں اور خواتین کو یکساں دی جاتی ہے۔ اسی طرح شہر میں مختلف لائبریریوں کا ذکر بھی آتا ہے۔ مصنف نے تفصیلی انداز میں اپنے اخبار کا ذکر بھی اسی باب میں کیا ہے جس کا احیاء 1936ء میں مدینہ ہی سے ایک ہفت روزہ ''اخبار المدینہ'' کی شکل میں کیا گیا تھا اور 1962ء میں اسے روزنامے کی شکل دے دی گئی تھی۔ اس اخبار کا دفتر بھی مدینہ سے جدہ منتقل کر دیا گیا تھا جو کہ اب ملک کا کثیر الاشاعت اخبار ہے۔ مصنف کے دوسرے بھائی عثمان حافظ بھی ابتداء ہی سے اس اخبار کے ساتھ منسلک رہے اور انہوں نے اپنی کتاب 'صحافت نصف صدی میں' میں اپنے اخبار کی جدوجہد کا مفصل حال بیان کیا تھا۔ بقول مصنف یہ کتاب یونیورسٹی کے نصاب میں شامل ہے۔ (مترجم)
2. یہ اخبار مصنف اور ان کے بھائی کی ملکیت تھا۔

مدینہ منورہ میں اسلامی یونیورسٹی کے قیام کے لیے باقاعدہ مہم کا اہتمام کیا۔ جن صحافیوں نے اس مہم کی سرپرستی فرمائی ان میں عبید مدنی، احمد الفصیح، علی حافظ (اس کتاب کے مصنف) اور ان کے بھائی عثمان حافظ شامل تھے۔

اخبار کے ناشر کی حیثیت سے علی حافظ اور عثمان حافظ نے اس موضوع پر لکھے گئے کچھ مضامین شاہ سعود ابن عبدالعزیز کو بھجوائے جنہوں نے یونیورسٹی کے قیام کا حکم نامہ جاری کیا۔

25-3-1380 ہجری (1960ء) میں یونیورسٹی کے قیام کے لیے ایک شاہی فرمان جاری ہوا اور اتوار 2-6-1381 ہجری (1961ء) کو یونیورسٹی نے باقاعدہ اپنا کام شروع کر دیا۔

مفتی اعظم شیخ محمد ابن ابراہیم اس یونیورسٹی کے ناظم (ریکٹر) مقرر ہوئے اور شیخ عبدالعزیز ابن باز، ان کے نائب مقرر ہوئے۔

مصنف علی حافظ کی کوششوں سے بنائی گئی اسلامک یونیورسٹی مدینہ

سعودی حکومت کے سفارت خانوں کو یونیورسٹی کے قیام کے متعلق اطلاع دی گئی اور ہر ملک کے لیے طلباء کی خاص نشستیں رکھی گئیں۔

سند (ڈگری) حاصل کرنے والے طالب علم کو 300 سعودی ریال ماہوار وظیفہ ملتا تھا اور ثانوی تعلیم کے طالب علم کو ماہوار 250 سعودی ریال وظیفہ ملتا تھا۔ اس کے علاوہ مفت رہائش اور طالب علم کو اپنے ملک تک آنے جانے کا ٹکٹ بھی ملتا تھا۔ سعودی عرب اور بیرون ملک کے طلباء اس نئی یونیورسٹی میں داخلہ کے لیے اُمڈ پڑے۔

یونیورسٹی کے مقاصد

اس یونیورسٹی کا مقصد طلباء کو اسلامی کلچر اور عربی زبان کے فروغ کی تعلیم دینا ہے تاکہ یہاں کے سند یافتہ طالب علم ہر طرح کے مذہبی سوالوں کا جواب دے سکیں اور اسلام کو پھیلا سکیں۔

طلباء کی تعداد

اس یونیورسٹی کا آغاز 1961ء میں ہوا۔ ابتدا میں 84 طلباء نے شرعیہ کالج میں داخلہ لیا اور 173 طالب علم ثانوی تعلیم کے لیے یونیورسٹی میں داخل ہوئے۔ پانچ سال بعد اس کے کل 748 طالب علم تھے۔ سعودی عرب کے علاوہ دنیا کے مختلف ممالک سے طلباء حصول تعلیم کے لیے یہاں آتے ہیں۔

یونیورسٹی کا صدر مقام

یہ یونیورسٹی وادی عقیق کے کنارے جماوات پہاڑ کے شمال مشرق اور شاہ فہد کے محل کے جنوب مشرق کی طرف واقع اور مسجد نبوی سے پانچ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

مصنف نے اس کتاب کے تتمہ (صفحہ 204) میں لکھا ہے کہ خادم حرمین شریف شاہ فہد ابن عبدالعزیز نے بروز جمعرات، 8 صفر 1405 ہجری (2 نومبر 1984ء) کو اسلامی یونیورسٹی کی

توسیع کے کام کا افتتاح ایک عالیشان تقریب میں کیا تھا۔توسیع کے کام کی تفصیل یونیورسٹی کے ریکٹر (ناظم) نے شاہ فہد کو اسی تقریب میں بیان کی۔اس تقریب کا حال ٹیلی ویژن پر دکھایا گیا جو سعودی عوام اور مسلم اُمہ نے دیکھا۔

صحرا میں تعلیمی کوششیں......مسائجید (Al-Misaijeed) میں صحرائی سکول

المسائجید مدینہ سے 83 کلومیٹر کے فاصلہ پر مدینہ۔جدہ سڑک پر واقع ہے۔صحرا میں قائم کیا گیا یہ پہلا سکول تھا۔ یہ ایک بنیادی تعلیم کا سکول تھا اور اس کا نصاب جدید طرز تعلیم پر رکھا گیا تھا۔ یہ سکول 1365 ہجری (1945ء) میں علی حافظ (مصنف) اور اس کے بھائی عثمان حافظ نے قائم کیا تھا۔ یہ دونوں اشخاص اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے کہ بدوؤں کو تعلیم دینے کی از حد ضرورت تھی اور اسی بنا پر ان کے لیے سکول قائم کیا گیا۔ابتداء میں سکول کی کلاسیں ایک کافی کی دکان[1] کے کمرہ میں منعقد ہوتی تھیں اور کچھ عرصہ کے بعد ایک علیحدہ عمارت کا بندوبست کیا گیا۔

دونوں بانی حضرات کو والدین اور بچوں میں سکول جانے کی عادت ڈالنا ایک بہت مشکل کام نظر آیا کیونکہ سکول کی تعلیم ان لوگوں کی زندگی میں کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔

طالب علموں کی سکول آنے میں حوصلہ افزائی کی خاطر سکول کے بانی دونوں حضرات ان بچوں کو روزانہ کچھ رقم دیتے تھے، بعد ازاں شاہ عبدالعزیز نے حکم دے دیا کہ ہر طالب علم کو روزانہ آدھا (نصف) ریال دیا جائے۔

سکول کے بانیان کو ایسے اساتذہ ملنے میں دشواری پیش آتی تھی جو صحرا میں رہائش رکھنے کے لیے رضامند ہوں۔تاہم مدینہ کے ایک عظیم ماہر تعلیم نے یہ چیلنج قبول کیا اور وہ پہلے سکول ماسٹر

1۔ غالباً قہوہ خانہ ہوگا۔(مترجم)

بن گئے۔ اُن کا نام سالم داغستانی تھا۔ وہ اپنے خاندان کے ساتھ مسائجید میں باوجود صحرائی زندگی کی مشکلات کے، رہائش پذیر ہو گئے۔ سکول کے بانی صاحبان بذریعہ لاری (بس) معائنہ کے لیے اکثر وہاں آتے تھے۔

ابتداء میں اس سکول میں 13 طالب علم داخل ہوئے مگر جلد ہی یہ تعداد 34 تک پہنچ گئی۔ مسائجید میں حکومت کی ایک عمارت موجود تھی جو اس نے اس سکول کے بانی حضرات کو سکول کے لیے دے دی۔ یہ عمارت اس وقت کے وزیر خزانہ شیخ عبداللہ سلیمان نے دی جو اس پراجیکٹ کی ہمت افزائی کرتے تھے۔

اس سکول نے بہت شہرت اور کامیابی حاصل کی اور اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ صحرا کے

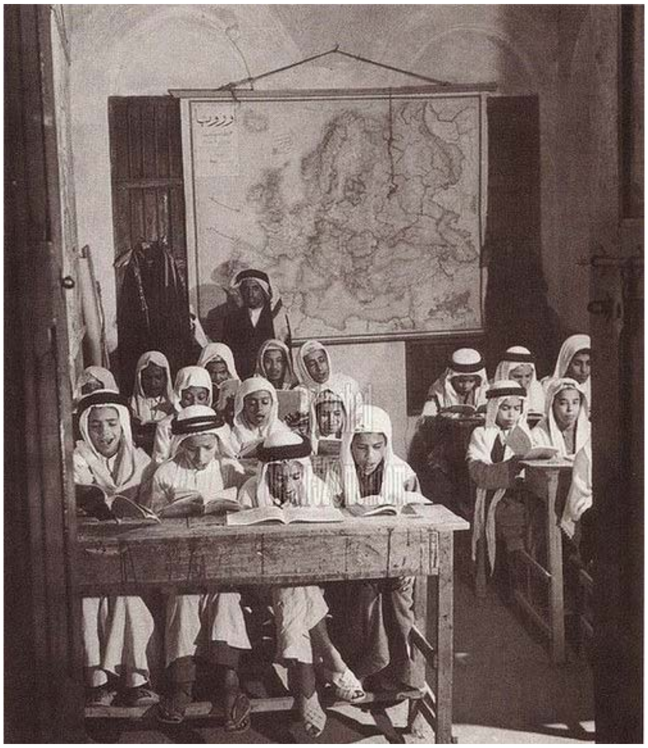

صحرا کے ایک سکول کی فوٹو

رہنے والے جو پہلے اپنے بچوں کو تعلیم دلوانے سے خائف رہتے تھے اب ان کو دور دراز علاقوں سے بھی سکول بھیجنا شروع کر دیا۔ وہ اب حکومت سے مطالبہ کرنے لگے کہ ان کے لیے مزید سکول کھولے جائیں۔ حکومت نے ان کی درخواست کا مثبت جواب دیا اور صحرا میں بدوؤں کے لیے سکول قائم کرنے شروع کر دیے۔ 1381 ہجری (1961ء) میں سکول کے بانی صاحبان نے پندرہ سال سے زائد عرصہ اس سکول کو چلانے کے بعد اسے حکومت کے حوالے کر دیا۔

حکومت نے ہیڈ ماسٹر شیخ سالم داغستانی کی خدمات کے عوض انہیں مدینہ میں مستقل ماہر تعلیم کے طور پر متعین کر دیا۔ جو عرصہ انہوں نے صحرا میں گزارا تھا اسے پنشن دینے کے لیے شمار کر لیا گیا۔

وزیرخزانہ شیخ عبداللہ سلیمان کے کہنے پر سکول نے اپنے 17 سند یافتہ طلباء کو ریلوے کی فنی تربیت کے لیے دمام بھجوایا۔ ریلوے کی تربیت کے علاوہ طلباء کو انگریزی زبان بھی پڑھائی گئی اور بعد میں انہیں مزید تربیت کے لیے امریکہ بھیجا گیا۔ سکول کے جو گریجویٹس امریکہ سے ٹریننگ لے کر آئے تھے، محکمہ ریلوے میں انہیں اعلیٰ انتظامی اور فنی عہدوں پر فائز کیا گیا۔ جن لوگوں نے انگریزی زبان میں دسترس حاصل کر لی تھی اُن کو دمام میں محکمہ ریلوے کے معائنہ کے لیے آنے والے اعلیٰ سعودی عہدہ داروں کے ساتھ ترجمانی کے فرائض ادا کرنے کی خاطر مقرر کیا گیا۔

ایک بار ان ترجمانوں میں سے ہی ایک نے وزیرخزانہ شیخ عبداللہ سلیمان کے دورۂ دمام پر ان کے ساتھ بطور ترجمان فرائض سرانجام دیئے۔ جب ان کو یہ علم ہوا کہ یہ ترجمان اس صحرائی سکول کا سند یافتہ ہے جس کی وہ سرپرستی فرماتے رہے ہیں تو وہ بہت متاثر ہوئے۔

تقریباً 23 طلباء نے ملٹری سکول میں داخلہ حاصل کیا جہاں سے انہوں نے ثانوی اور وسطی (Intermedidiate) تعلیم مکمل کی اور ریاض کے عسکری کالج میں داخلہ لیا۔ مزید 20

سند یافتہ طلباء نے ریاض انسٹیٹیوٹ میں داخلہ لیا جو ایک یونیورسٹی کا درجہ رکھتا تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ اسلامی یونیورسٹی میں تدریس اور انتظامی امور کے شعبوں کے ساتھ منسلک ہو گئے۔

صحرائی سکولوں کے 200 سند یافتہ طلباء محکمہ تعلیم میں ملازم ہوئے۔ وہ مدرس اور تعلیمی رہنما (Guide) کے طور پر فرائض سرانجام دیتے رہے۔ صحرائی سکولوں کا زیادہ عملہ ان کے اپنے ہی سند یافتہ تھے۔

مدینہ میں لائبریریاں (کتب خانے)

مدینہ میں بہت سی عوامی لائبریریاں موجود ہیں جو زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق نادر علمی کتابوں سے بھری پڑی ہیں جن سے استفادہ نوجوان نسل اور علمی تحقیق کرنے والے طلبا اٹھاتے ہیں۔ ان میں نمایاں شاہ عبدالعزیز لائبریری ہے۔ اس کے علاوہ مسجد نبوی کی لائبریری، شیخ الاسلام عارف حکمت لائبریری، مدینہ پبلک لائبریری اور محمودیہ لائبریری وغیرہ شامل ہیں۔

مسجد نبوی میں موجود لائبریری کا اندرونی منظر

شاہ عبدالعزیز لائبریری کا بیرونی منظر

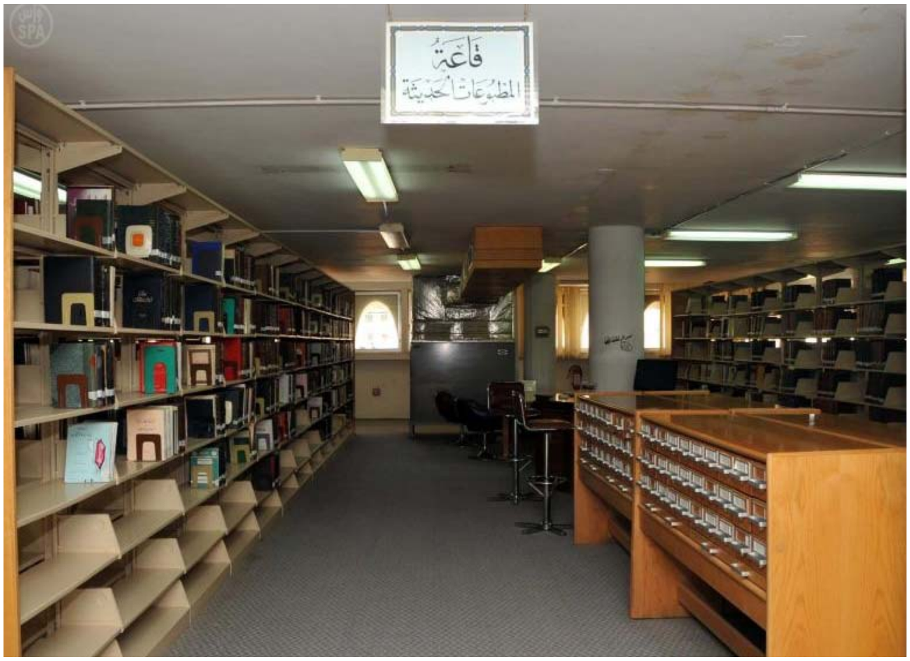

شاہ عبدالعزیز لائبریری کا اندرونی منظر

باب:11

مدینہ موجودہ دور میں

عین الزرقہ۔(نیلا چشمہ)

یہ چشمہ 51 ہجری (673ء) میں مدینہ کے گورنر مروان ابن حکم نے بنوامیہ کے پہلے فرمانروا معاویہؓ ابن ابوسفیان کے دور حکومت میں بنایا تھا۔ نیلے چشمہ کا نام اس بات سے اخذ کیا گیا تھا کہ گورنر کی آنکھوں کا رنگ نیل گوں تھا۔

اس چشمہ کو پانی بیئر ازرق کنواں سے دیا جاتا تھا جو قبا مسجد کے مغربی جانب جعفریہ کے علاقہ میں واقع تھا۔

بعدازاں اس چشمہ کو مزید پانی مہیا کرنے کے لیے قبا مسجد کے قریب نو (9) کنویں اور کھودے گئے۔

آب رسانی کے مقام

مدینہ کے شہریوں کے لیے نیلے چشمہ سے پانی کی فراہمی کے لیے مختلف جگہوں پر سپلائی کے مقام رکھے گئے تھے۔ اس مقدس شہر میں نیلے چشمہ سے پانی کے حصول کے لیے نل لگائے گئے تاکہ پانی لے جانے والے ان مقامات سے پانی لے کر اہل مدینہ کو فروخت کرسکیں۔ بعض جگہوں پر جہاں 10 میٹر گہرائی میں نل لگائے گئے تھے پانی لے جانے والوں کی سہولت کے لیے خاص قسم کی سیڑھیاں بنائی گئیں تھیں تاکہ وہ وہاں تک پہنچ کر اپنے برتن (Containers) بھرسکیں۔

شہر میں بہت سے مقامات پر پانی فراہم کرنے کی سہولت موجود تھی، جن میں مناخہ جو مصلیٰ مسجد کے قریب تھا، سہا، چھوٹا قلعہ، باب السلام، باب بصری اغوات۔ درب الجنائز اور ذکی شامل تھے۔

کھارے پانی کو پینے کے قابل بنانے کا پلانٹ (Desalination Plant)

سعودی حکومت نے اہل مدینہ کو نیلے چشمہ سے صاف اور پینے کے قابل پانی کی وافر مقدار مہیا کرنے میں پوری مدد کی۔

1344 ہجری (1926ء) میں ایک خاص محکمہ نیلے چشمہ کے نظم ونسق کے لیے قائم کیا گیا تا کہ اس چشمہ کے پانی کو بہتر طور پر استعمال کیا جا سکے۔ اس محکمہ کے پہلے سربراہ زین العابدین مدنی مقرر کیے گئے تھے۔ ان کے نیچے ایک کمیٹی قائم کی گئی جو اس کے انتظامی معاملات کو چلانے کے لیے محکمہ کے سربراہ کی معاونت کرتی تھی۔

1379 ہجری (1959ء) میں نیلے چشمہ کے محکمہ میں کل 69 ملازم کام کرتے تھے اور اس کا بجٹ بھی بہت مختصر تھا۔ 1385 ہجری (1965ء) میں اس کا بجٹ بڑھ کر 2.3 ملین سعودی ریال ہو گیا جس کے علاوہ سعودی ریال 2.2 ملین 20 انچ چوڑی پائپ لائن بچھانے کے لیے مختص کیے گئے۔ اس وقت ملازمین کی تعداد تقریباً 1000 تک پہنچ چکی تھی۔

1398 ہجری (1978ء) میں ایک شاہی فرمان کے ذریعہ مدینہ کے لیے پانی اور نکاسی آب کا ایک علیحدہ محکمہ قائم کر دیا گیا۔ اس نئے محکمہ میں نیلے چشمہ کی انتظامیہ کو بھی ضم کر دیا گیا۔ 1403-04 ہجری (1983ء) میں اس محکمہ کا کل بجٹ 314 ملین سعودی ریال ہو گیا تھا۔ پانی اور نکاسی آب کے محکمہ کے وجود میں آ جانے سے نیلے چشمہ کا محکمہ ختم ہو گیا۔

مجھے امید ہے کہ نیلے چشمہ کا نام محفوظ رکھا جائے گا، کیونکہ اس کی تاریخی حیثیت بنوامیہ کے فرمانروا معاویہؓ ابن ابی سفیان کے دور سے وابستہ ہے جو 1300 سال سے زیادہ عرصہ پر محیط ہے۔

کھارے پانی کو پینے کے قابل بنانا۔(Desalinated Water)

مدینہ کے زیرزمین پانی کی سطح سنجیدگی کی حد تک کم ہو گئی تھی کیونکہ وہاں کے لوگوں نے پانی کے نلکے استعمال کرنے شروع کر دیئے تھے۔ نیلے چشمہ کے پانی کو مشینوں کے ذریعہ نکال کر ٹینکوں اور تالابوں میں ڈالا جاتا تھا اور وہاں سے پائپوں کے ذریعہ گھروں میں

مدینہ میں موجودہ بجلی گھر

سپلائی دی جاتی تھی۔

اس طرح مدینہ کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے زیر زمین پانی کی قلت ہوگئی۔

کھارے پانی کی تبدیلی کی کارپوریشن (Swcc)[1] نے 7-4-1398 ہجری (1980ء) میں مدینہ کے پلانٹ کے پہلے مرحلہ کی ابتدا کا کام شروع کیا۔ شاہ خالد کی سرپرستی میں ایک بڑی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔

یہ تقریب مسجد قبا کے جنوب مغرب کی طرف ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر 90,000 کیوبک میٹر وسعت کے بنائے گئے پانی کے تالاب کے قریب منعقد ہوئی تھی۔ مدینہ کی جدید تاریخ کا یہ ایک یادگار دن تھا۔

یہ پلانٹ بحیرہ احمر میں ینبع[2] کے شمال میں 41 کلومیٹر کے فاصلہ پر لگایا گیا تھا۔

مدینہ میں بجلی

مدینہ میں پہلی بار بجلی 1326 ہجری (1906ء) میں ترک دور کے وقت ریلوے لائن کے ساتھ ہی آئی تھی۔ عثمانی انتظامیہ نے مسجد نبوی کی مغربی جانب ایک ریلوے اسٹیشن بنایا اور وہاں ایک جینریٹر نصب کیا جو مسجد نبوی کو بھی بجلی فراہم کرتا تھا۔ جب مسجد نبوی کی توسیع کی گئی تو ریلوے اسٹیشن اور اس کے گردونواح کی تمام عمارتوں کو منہدم کر دیا گیا۔

ریلوے اسٹیشن جس میں جنریٹر لگا ہوا تھا اور وہ مسجد نبوی کو بھی بجلی فراہم کیا کرتا تھا، اس کو مسمار کرنے کے بعد 1375 ہجری (1955ء) میں ٹھیکیدار محمد بن لادن نے ابیار علی میں جو مدینہ سے 9 کلومیٹر فاصلہ پر عیر پہاڑ کے مغرب میں واقع ہے، ایک بجلی گھر تعمیر کیا۔

ایک سال بعد مدینہ کی بجلی کمپنی کا اجرا ہوا اور ابن لادن کے بنائے ہوئے اسٹیشن کو 1957

1. (1) The Saline water conversion corporation (Swcc)
2. Yanbu۔

میں اس نئی کمپنی کا حصہ بنا دیا گیا۔ اُس وقت کے وزیرخزانہ نے رسمی طور پر یہ اعلان کر دیا کہ ابن لادن کے اسٹیشن کی ملکیت نئی کمپنی کو دے دی گئی ہے۔

اُس وقت سے ہی مدینہ منورہ کا بجلی کا نظام ترقی پر گامزن ہے۔ 1388 ہجری (1968ء) میں بجلی کی کل ترسیل 6100 کلوواٹ اور کل صارفین کی تعداد 12,315 تھی۔ پندرہ سال بعد 1983ء میں کل ترسیل 105,009 کلوواٹ اور کل صارف 189,000 ہو گئے تھے۔

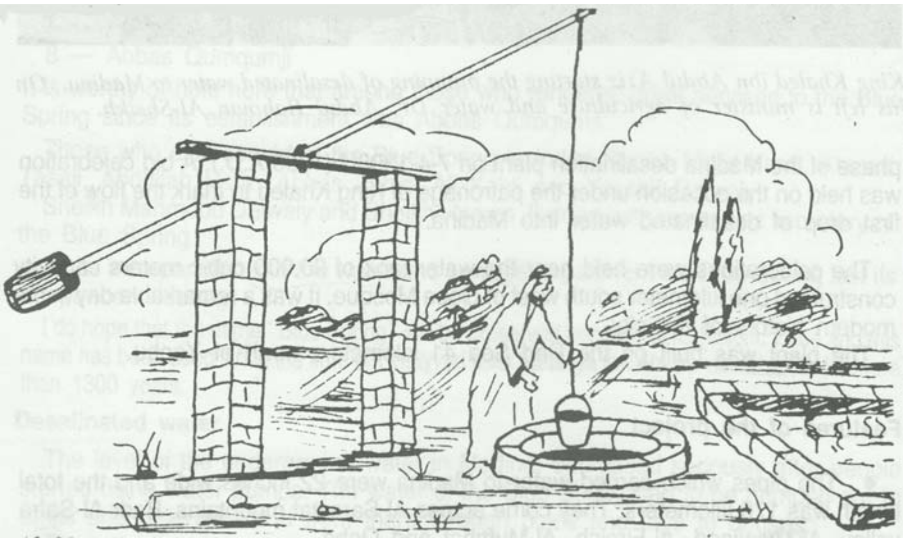

'الغرقاز' پُرانا ذریعہ آبیاری، جو عام طور پر چھوٹے باغات کی آب پاشی کے کام آتا تھا۔

باب 12

مدینہ منورہ میں ترقیاتی منصوبے

1370-1385 ہجری (1950-1965ء)

بن لادن کے تکمیل شدہ منصوبے

ٹھیکیدار محمد ابن لادن نے مسجد نبوی کی توسیع وتزئین کا کام مکمل کیا جو اس دور کے چند بہت بڑے منصوبوں میں سے ایک تھا۔

اس نے 26 دوسرے منصوبوں کو بھی مکمل کیا جن میں بہت سی نئی سڑکوں کی تعمیر اور دوسری سڑکوں کو تارکول سے پختہ کرنا تھا، مزید بہت سی مساجد کا بنانا اور اسلامک یونیورسٹی کی تعمیر بھی شامل تھیں۔

1381-1385 ہجری (1961-1965ء) میں بلدیہ نے جو منصوبے مکمل کئے

اس کتاب کے مصنف شیخ علی حافظ (1961-1965ء) بلدیہ مدینہ کے سربراہ تھے۔ اس دور میں بلدیہ مدینہ نے 70 منصوبوں کی تکمیل کی جن میں 7 پبلک پارکس اور فوارے تھے۔ ان منصوبوں کی کل لاگت 27 ملین سعودی ریال تھی۔

شہزادہ فیصل نے جو بعد میں سعودی فرمانروا ہوئے، مدینہ کے ان ترقیاتی کاموں میں خاصی دلچسپی لی جن کا ذکر مصنف کے اخبار المدینہ منورہ نے کیا تھا۔ یہ اخبار انہوں نے اپنے

(کنگ) شاہ عبدالعزیز ہسپتال

سعودی جرمن ہسپتال

بھائی عثمان حافظ کے ساتھ مل کر شروع کیا تھا۔ شہزادہ فیصل نے اس مقدس شہر کے ڈپٹی گورنر کو ہدایات دیں کہ ایک خاص کمیٹی ترتیب دی جائے جو ان پانچ منصوبوں کی نگرانی کرے جن کے تحت چند سڑکوں کی تعمیر ہونی تھی اور دوسری سڑکوں کو تارکول سے پختہ کرنا تھا۔ ان منصوبوں کی نشاندہی اخبار مذکور نے کی تھی۔

شہزادہ فیصل نے زیر تعمیر منصوبوں کا ذاتی طور پر دو گھنٹوں تک معائنہ کیا اور ان کی تکمیل کے متعلق اپنی رائے سے بھی نوازا۔

محکمہ صحت کے منصوبے

وزارت صحت نے بہت سے منصوبوں کی تکمیل کی جن میں کنگ (شاہ) ہسپتال جو باب شامی میں واقع ہے اور 1951ء سے پہلے مکمل ہو چکا تھا، شامل ہے۔ متعدد زائرین اور سعودی باشندوں نے اس ہسپتال کی تعمیر کے لیے مالی معاونت کی۔ ایک فلسطینی خاتون جو خدرہ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، نے پہلا عطیہ دیا تھا۔

سعودی حکومت نے اس ہسپتال کی عمارت ایک بڑے زمین کے ٹکڑا پر تعمیر کروائی۔ مدینہ منورہ میں زچگی کا ہسپتال بھی 1951ء سے پہلے ہی باب شامی میں تعمیر ہوا تھا۔ یہ ہسپتال مصر کی حکومت نے شاہ فاروق کی ایک آمد کی یاد میں بنوایا تھا۔سعودی حکومت نے بعدازاں اس ہسپتال میں توسیع کی تھی۔

مدینہ میں اس وقت 20 ہسپتال کام کررہے ہیں۔ 9 اندرون شہر اور 11 شہر کے مضافات میں ہیں، ان میں 2,870 بستروں کی گنجائش ہے۔شہر میں 130 صحت کے مراکز اور ڈسپنسریاں ہیں۔شہر میں 1,415 ڈاکٹر اور 1,548 نرسیں اور فنی عملہ شامل ہے۔ ایک 200 بستر کا نفسیاتی مریضوں کا ہسپتال بھی زیرتعمیر ہے۔

نشرواشاعت کے منصوبے

وزارت اطلاعات کی عمارت 1965ء میں مکمل ہوچکی تھی جو مناخہ سٹریٹ میں واقع ہے۔ سعودی ٹی وی اسٹیشن 1966ء میں ذوالحلیفہ کے علاقہ ابیارعلی میں بنایا گیا جو عیر پہاڑ کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔

27 اکتوبر 1986ء بروز سوموار شاہ فہد نے مدینہ میں ٹی وی اسٹیشن سنٹر کا افتتاح کیا اور اسی تقریب میں یہ اعلان بھی کیا گیا کہ آئندہ خادم حرمین شریفین کے لیے لفظ ہزمیجسٹی (His Majesty) استعمال نہ کیا جائے۔

کالے وسفید (Black and White) رنگ کے ٹی وی نے براہ راست اپنی نشریات کا آغاز 1967ء میں کیا اور 9 سال کے بعد یہاں سے رنگین نشریات بھی شروع ہوگئیں۔ 1984ء میں اس اسٹیشن کی نشریات پہلے اور دوسرے چینلز سے بھی شروع ہوگئیں۔

یہ اسٹیشن 120 ملین سعودی ریال کی لاگت سے 18,500 مربع میٹر پر بنایا گیا ہے جس

میں سے 4,110 میٹر پر فنی اور انتظامی امور کے لیے عمارت بنائی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ایک بڑا باغیچہ بھی دیا گیا ہے۔

اس ٹی وی اسٹیشن میں جدید فنی آلات نصب ہیں جن میں چار عدد ایف ایم ٹرانسمٹرز عام پروگراموں اور قرآن حکیم کے خاص پروگرام کی نشریات کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس اسٹیشن میں مزید 5 کلوواٹ کے چار ٹرانسمٹرز چینل نمبر 1 اور چینل نمبر 2 کے لیے نصب کئے گئے ہیں، علاوہ ازیں ایک 100 میٹر بلند ٹاور بھی نصب ہے جو 30 کلو میٹر نصف قطر تک نشریات دے سکتا ہے۔

القماشہ مارکیٹ میں آتش زدگی

مؤرخہ 18-7-1397 ہجری (1977ء) کو قماشہ مارکیٹ میں آگ لگ گئی۔ یہ آگ باب مصری سے بھڑک کر مشرق میں باب السلام چوک تک پہنچ گئی۔ اس مارکیٹ کو جواہ (اندرونی) مدینہ مارکیٹ بھی کہا جاتا تھا۔ اس کا ایک نام حدرہ مارکیٹ بھی تھا۔ تقریباً 400 دکانیں مکمل طور پر خاکستر ہوگئی تھیں لیکن کوئی جانی نقصان نہ ہوا تھا۔

باب:13
حکومتی دفاتر
عوامی خدمات

مدینہ کے علاقہ کی حاکمیت

مدینہ منورہ اور اس کے علاقہ کے تمام حکومتی محکمہ جات کی کارکردگی اور نگرانی کرنے والی تنظیم گورنر ہے۔ یہ حکومت وقت کے نمائندہ کے طور پر انتظامی امور کے لیے مکمل حاکمیت رکھتا ہے۔

مرحوم شاہ عبدالعزیز نے اپنے بیٹے شہزادہ محمد کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا اور اپنے نائب کی حیثیت سے 19 جمادی الاول 1344 ہجری (1925ء) کو انہیں اختیار دیا کہ وہ اشرف دور کے گورنر مدینہ شہزادہ احمد ابن منصور اور شہر مدینہ کے ملٹری کمانڈر عبدالمجید پاشا سے تمام اختیارات لے کر خود بطور گورنر، مدینہ کا انتظام سنبھال لیں۔

اختیارات کی منتقلی اور شہر مدینہ کا نظم ونسق اپنے کنٹرول میں لینے کے بعد شہزادہ محمد، ریاض واپس لوٹ گئے مگر گورنر کا عہدہ انہی کے پاس رہا اور مدینہ کا انتظام نامزد نائب گورنر مکمل اختیارات کے ساتھ ان کے جانشین کے طور پر چلاتے رہے۔

ڈپٹی (نائب) گورنر عبدالعزیز ابن ابراہیم، 10 ربیع الثانی 1346 ہجری (1927ء) تا 13 سفر 1355 ہجری (1936ء)

ڈپٹی گورنر عبداللہ سدیزی، 21 سفر 1355 ہجری (1936ء) تا 13 شعبان 1379 ہجری (1960ء)

سعودی دور میں مدینہ کے گورنر

شہزادہ عبدالمحسن ابن عبدالعزیز سعود 22 جمادی الثانی 1385 ہجری (1965ء) میں شاہی فرمان نمبر 1/12 کے ذریعہ یکم رجب 1385 ہجری (1965ء) میں مدینہ منورہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ وہ 20 شعبان 1406 ہجری (1985ء) تک اس عہدے پر فائز رہے۔ ان کی وفات

بروز ہفتہ 21-20 شعبان 1405 ہجری (1985ء) میں ہوئی۔

شہزادہ عبدالمجید (1406-5-15 ہجری (1986-1-25) کو مدینہ کے گورنر نامزد ہوئے۔

محکمہ پولیس

عزت مآب (HRH) شہزادہ نائف ابن عبدالعزیز وزیر داخلہ، پورے ملک اور مدینہ منورہ میں سیکورٹی (حفاظت) کے نگران ہیں۔ وزارت داخلہ متواتر ہر بدلتی صورت اور جدید ترقی کی رفتار کو زیر نظر رکھتی ہے۔ وزارت میں کام کو آسان بنانے کی خاطر کمپیوٹرز کا آغاز کیا گیا تھا۔

مدینہ منورہ کے علاقہ کے پولیس ڈائریکٹر صاحبان اور بیرونی واندرونی امور کے شعبوں کی بنیادی ذمہ داری مدینہ کے شہریوں، زائرین اور سیاحوں کی دیکھ بھال اور حفاظت کرنا ہے۔ یہ شعبے وزیر داخلہ کو جوابدہ ہوتے ہیں اور اسی کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔

محکمہ تار اور ٹیلی فون کی خدمات کا مدینہ میں آغاز

ترکوں کے دور حکومت کے دوران 1318 ہجری میں محکمہ تار کا آغاز ہوا۔ یہ سہولت سرکاری دفاتر، مدینہ کے عوام اور کاروباری ترقی کی خاطر استعمال ہوئی۔ برقی تار نے حجاز ریلوے کے زیر عمل آنے سے مدینہ شہر کو دوسرے بڑے اسٹیشنوں سے ملا دیا۔ ان اسٹیشنوں میں دمشق، العلیٰ، مدائن صالح، تبوک، مان، عمان اور دیرہ شامل ہیں۔ 1326 ہجری میں ایک دوسری ریلوے لائن کا آغاز ہوا اور اس کے ذریعہ سے مدینہ منورہ کو چھوٹے اسٹیشنوں کے ساتھ ملا دیا گیا جو حفیرہ، مخیط، باوت، ابرنیسف اور بوبرہ پر مشتمل تھے۔ یہ رابطہ دراصل اس بات کی ضمانت دیتا تھا کہ ریلوے لائن متواتر کام کرتی رہے گی۔ سال 1335 ہجری میں ترکوں کے دور حکومت ہی میں ٹیلی فون کا مدینہ میں آغاز ہوا۔ یہ ایک 50 لائینوں کا مرکزی ایکسچینج تھا۔ ٹیلی فون کا استعمال صرف فوج ہی کرتی تھی۔ 1337 ہجری میں حکومتی دفاتر بھی اسے استعمال کرنے لگے۔

اسی سال ترکوں نے وائرلیس ٹیلی فون لائن کا آغاز کیا۔ اس کا اسٹیشن باب شامی کے علاقہ سے باہر شہر کے شمالی حصہ میں فیکٹریوں سے دور بنایا گیا تھا۔ یہ سہولت اہل شہر کے ساتھ رابطہ کے لیے استعمال کی گئی تھی۔

سعودی دور میں شعبہ ابلاغ/مواصلات (Communication) نے ترقی کی سمت ایک بڑا قدم اٹھایا اور پرانی مشینوں کی جگہ جدید کمپیوٹرز سے لیس ساز و سامان مہیا کیا گیا۔

مدینہ سے اوسطاً 2595 برقی پیغام (ٹیلی گرامز) ماہانہ جاتے ہیں اور اندرون شہر آنے والے 2600 پیغام ہیں۔ یہ تعداد حج کے دوران کی تعداد میں شامل نہیں ہے جو کہ اس تعداد سے دگنا ہوتی ہے۔ 1344 ہجری کے اوائل ہی سے سعودی حکومت کے دور میں ٹیلی فون کی سہولت بڑھ گئی ہے اور یہ مزید ترقی کر رہی ہے۔ مرکزی ایکسچینجوں (Exchanges) کی تعداد 21 ہوگئی ہے اور ہر ایک میں 100 لائنوں کی گنجائش ہے اور چالو لائنوں کی تعداد 1890 تک پہنچ گئی ہے۔ ان میں سے 1451 کاروباری اور 439 دفتری امور کی لائنیں ہیں۔ سال 1376 ہجری میں وائرلیس ٹیلی فون متعارف ہوا اور اس کا باقاعدہ سرکاری آغاز 1377-2-10 میں ہوا۔ اب لوگ ملک کے اندر اور باہر کے لیے آسانی سے ٹیلی فون کا استعمال کر سکتے ہیں۔ اندرونی کالز کی ماہوار تعداد کا اندازہ 1255 تھا اور بیرونی کالز کی ماہوار تعداد 17 تھی۔ حج سیزن میں یہ تعداد دگنی ہو جاتی تھی۔

محکمہ ڈاک

سعودی حکومت کے ابتدائی ایام سے ہی ڈاک کے نظام میں بہتری آنی شروع ہوگئی تھی اور ڈاک لانے و لے جانے کے لیے اونٹوں اور خچروں کی جگہ موٹر کاروں کا استعمال عمل میں آ گیا تھا۔ 1366 ہجری (1947ء) سے ڈاک کی ترسیل ہوائی جہازوں اور موٹر کاروں کے

ذریعہ شروع ہوگئی تھی۔کل ماہوار خطوط کی تعداد تقریباً 96,290 تھی جن میں 8,664 رجسٹرڈ خطوط تھے۔

زمینی نقل وحمل(Land Tansport)

زمینی نقل وحمل میں بھی خاصی بہتری آئی تھی۔لوگوں اور سامان کی ترسیل کے لیے موٹر کاروں کا استعمال شروع ہوگیا تھا۔ مدینہ اور جدہ کا درمیانی راستہ 425 کلومیٹر چھوٹی کاروں کے ذریعہ 5 گھنٹے میں طے پاتا ہے، جب کہ دوسری سواریاں صرف 4 گھنٹے میں یہ فاصلہ طے کر لیتی ہیں۔ پہلے یہ فاصلہ اونٹوں پر 12 روز میں اور کار پر 3 دن میں طے ہوتا تھا،کیونکہ سڑکیں پختہ نہ تھیں۔

محکمہ حج سعودی دور میں

1365 ہجری (1946ء) میں سب سے پہلے محکمہ حج کے ڈائریکٹر عثمان حافظ میرے[1] بھائی مقرر ہوئے تھے۔وہ اس عہدہ پر 27-7-1386 ہجری (10 نومبر 1966ء) تک متعین رہے۔

محکمہ اوقاف

اس محکمہ کو مسجد نبوی کی خدمت اور اس کو صاف اور اعلیٰ حالت میں رکھنے کی ذمہ داری دی گئی ہے۔ یہ محکمہ وقف املاک کی تعمیر اور ان کی دیکھ بھال کا ذمہ دار بھی ہے۔ان میں عمارتوں کے کرایہ کی وصولی، ان کی تزئین و آرائش اور مسجد نبوی اور شہر کی دوسری مساجد میں ضروری سامان کی فراہمی شامل ہیں۔ یہ محکمہ مسجدوں میں مؤذن اور امام مقرر کرتا ہے اور مسجد نبوی کو دیئے گئے تحائف کی وصولی بھی کرتا ہے۔

دونوں مقدس مقام (حرمین) کی مزید دیکھ بھال اور نگرانی کی خاطر 1397 ہجری

1۔ مصنف کے بھائی

(1996ء) میں ایک شاہی فرمان جاری کیا گیا تھا جس کی رو سے شیخ ناصر محمد الراشد کو دونوں مقدس مقامات (حرمین) کے محکمہ کا صدر مقرر کیا گیا تھا اور ان کے فرائض میں دونوں حرمین کے تمام معاملات کی نگرانی کرنا شامل تھی۔ وہ اس عہدہ پر فائز کیے گئے پہلے شخص ہیں۔ اس سے پہلے انہوں نے ڈائریکٹریٹ جنرل تعلیم بنات[1] کے محکمہ کے چیئرمین کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیئے تھے۔

---

1. Directorale General of the Girls Education

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تتمہ کتاب

شاہ فہد ابن عبدالعزیز کے منصوبوں کی شمولیت

شاہ فہد کا عظیم اسلامی پراجیکٹ
قرآن حکیم پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ

تمام دنیا کے مسلمان ایک عظیم پرنٹنگ پریس کے قیام کا انتظار کر رہے ہیں، جو ایسے مقدس قرآن کی طباعت کرے گا، جو ہر طرح کی غلطیوں سے پاک ہو اور قرآنی مفہوم کو مکمل طور پر محفوظ کرے مزید یہ کہ وہ تمام مسلم اُمہ میں یکسانیت رکھتا ہو گا۔ یہ قرآن بڑی تعداد میں مسلمان ممالک میں تقسیم کیا جائے گا تا کہ تمام دوسرے قرآنی نسخوں کو اس سے تبدیل کیا جائے، کیوں کہ بعض قرآن غلطیوں سے مبرا نہیں ہیں اور انہیں اسلام دشمن قوتوں نے اس دین کی ہیئت تبدیل کرنے کی کوشش کے طور پر تیار کیا ہے۔

قرآن حکیم پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ

شاہ فہد ابن عبدالعزیز خادم حرمین شریفین اور اسلامی قدروں کے سرپرست اعلیٰ، کے دور حکومت نے اسلامی تاریخ کا ایک عظیم کارنامہ مدینہ منورہ میں پرنٹنگ پریس کے منصوبہ کی تکمیل کی شکل میں دیکھا۔ شاہ فہد تعلیم کے علم بردار اور مسلمانوں کے مددگار ہیں۔

اس پراجیکٹ (منصوبہ) کو اسلامی اور بین الاقوامی سطح پر ایک بہت بڑی کامیابی اور مقامِ فخر قرار دیا گیا ہے۔ اس منصوبہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ فہد ہماری مقدس کتاب کو کس قدر اہمیت کی نظر سے دیکھتے ہیں کیونکہ قران ہی ہماری کامیابی اور ترقی کا زینہ ہے۔

پراجیکٹ (منصوبہ) کی جگہ (مقام)

یہ منصوبہ تبوک روڈ پر زمین کے 25 ڈگری شمال اور 39 ڈگری مشرق پر اور 250 میٹر سطح سمندر سے اونچائی پر واقع ہے۔

پرنٹنگ پریس کی استعداد

اس پریس کی قرآن چھاپنے کی سالانہ استعداد 7,500,000 کاپیاں ہیں اور 100,000 (ایک لاکھ) مصحف کی ریکارڈ شدہ کیسٹ کی شکل میں ہیں۔ یہ تعداد جس میں مختلف زبانوں میں قرآن حکیم کا ترجمہ بھی شامل ہے اندرون اور بیرون ملک بانٹی جاتی ہے۔

مسجد نبوی کی سب سے بڑی توسیع شاہ فہد کے دور میں

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تاریخی طور پر مسجد نبوی کے سب سے بڑے توسیعی منصوبہ کو عملی جامع پہنانے کا کام بھی شاہ فہد ابن عبدالعزیز کے دور حکومت میں ہی سرانجام پایا تھا۔ یہ منصوبہ شاہ عبدالعزیز آل سعود جنھوں نے جزیرہ نما عرب کو اکٹھا کیا تھا، کی سوچ کی تکمیل کا مظہر تھا۔[1]

1. اس دور میں کی جانے والی مزید توسیع وتزئین کو ہم نے اس تتمہ سے نکال کر کتاب کے باب 2 (مسجد نبوی) صفحہ 104 پر شاہ فہد نے مسجد نبوی کی سب سے بڑی توسیع کروائی، کے عنوان میں درج کیا ہے۔ اسی تتمہ میں مصنف نے چند دیگر ترقیاتی امور پر بھی مختصراً نظر دوڑائی ہے ان میں مدینہ میں نیشنل گارڈ کی برانچ، مدینہ میں ہوابازی میں ترقی اور سعودی ایئر لائین کی کارکردگی کو مختصراً بیان کیا ہے۔ (مترجم)

اسلام کی سب سے پہلی میونسپلٹی مدینہ تھی

اسلام میں سب سے پہلی میونسپلٹی کا آغاز مدینہ منورہ میں ہوا۔ اسے دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ ابن خطاب نے قائم کیا اور اسے حسابہ، کا نام دیا گیا اور اس کے سر پرست (Chairman) کو اور میونسپلٹی کو اشاعت محتسب کہتے تھے۔ یہ نام ترک دور کے آخر تک قائم رہے۔ مجھے اپنی جوانی کے دور میں یاد ہے کہ اشاعت محتسب کا دفتر سوق حبابہ کے بالکل آخری کنارے پر واقع تھا۔ محتسب کے اختیارات اس قدر تھے کہ وہ ملزمان کو قید کر سکتا تھا، کوڑے مار سکتا تھا اور دوسری سزائیں بھی دے سکتا تھا۔

حضرت عمرؓ ابن خطاب نے میونسپلٹی کے کاموں کو سرانجام دیا۔

جدید میونسپلٹی بلڈنگ مدینہ منورہ

خلیفۃ الرسول حضرت عمرؓ ابن خطاب مسلمانوں کے طرز زندگی اور ان کی مذہبی اقدار کی حفاظت کے لیے فکر مند رہتے تھے۔ وہ ذاتی طور پر اس کی تقلید کرتے اورعوام کی مشکلات اور شکایات کو خواہ وہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہوں، اپنے عوام کی حفاظت اور بہتری کی خاطر فوراً حل کرتے تھے۔ وہ صفائی پر خصوصی توجہ دیتے تھے اوراس پر عمل نہ کرنے والوں کو سزا دیتے تھے۔

کتاب ''لسان العرب' جلد 12 میں لکھا ہے کہ جب حضرت عمرؓ مکہ تشریف لائے تو وہ اس کی گلیوں میں گشت کیا کرتے تھے اور لوگوں کو ہدایت کرتے کہ وہ اپنے گھروں کے صحنوں کی صفائی رکھا کریں۔ خلیفہ وقت نے ابوسفیان کے گھر کے قریب سے گزرتے ہوئے اس کے مکینوں کو اپنا صحن صاف کرنے کا حکم دیا، ابوسفیان نے کہا کہ یہ صفائی اس کے نوکر جب آئیں گے تو کر لیں گے۔ حضرت عمرؓ جب دوسری بار وہاں سے گزرے اور دیکھا کہ صحن کی صفائی نہیں کی گئی تو آپ نے اپنی چھڑی سے ابوسفیان کو مارا۔

حضرت عمرؓ کے اس رویہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بلدیہ کے کاموں کی انجام دہی کے لیے مسلسل معائنہ اور نگرانی درکار ہوتی ہے۔ میونسپلٹی کے افسران اپنے دفاتر میں بیٹھ کر ان کاموں کا جائزہ لینے کی بجائے ذاتی طور پر ان کا موقع پر معائنہ کریں۔

اضافی: باب

(عرض مترجم میں بیان شدہ نیا باب)

مصنف: مبشر احمد اختر

1- غزوہ بدر

2- رسول اللہ ﷺ کا جنگی سامان

3- حرمین برق رفتار ریل

4- سیل العرم اور انصار مدینہ

(غزوہ بدر)

"اُس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا، جو لگاتار چلے آئیں گے۔" (سورۂ انفال آیت:9)

اسلامی تاریخ کی سب سے پہلی اور فیصلہ کن جنگ جس میں کفار مکہ کے لشکر کی تعداد مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھی اور جنگی اعتبار سے بھی اسلامی لشکر نامکمل تھا، تمام فوج کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ سامان حرب کی شدید کمی تھی۔ اسلامی لشکر کی کل تعداد ۳۱۰ یا ۳۱۳ مجاہدین پر مشتمل تھی جب کہ قریش کا لشکر ایک ہزار سے اوپر مشرک جنگجو سپاہیوں پر مشتمل تھا اور ہر ایک مسلمان مجاہد کا سامنا تین یا چار مشرکین سے تھا۔ ادھر کفار مکہ فوجی لحاظ سے مکمل ہتھیار بند تھے، اُن کے ساتھ ایک سو گھوڑے، چھ سو زرہیں اور اونٹوں کی تعداد نامعلوم تھی۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہمراہ جالوت کے خلاف لڑنے والے لشکر کی تعداد بھی اتنی ہی تھی۔ انسانی قدر اور تاریخ انہی دو ادوار میں تبدیل ہوئی ہے جن میں نورانی لشکروں کا ظلماتی لشکروں سے ٹکراؤ ہوا۔ یہ دونوں لشکر حضرت اسحاق و اسماعیل علیہما السلام کی اولاد کے ممتاز ترین افراد اور خدا کو ایک ماننے والی ملت حنیفہ کے ۳۱۳ نمائندوں پر مشتمل تھے۔[1]

صحیح بخاری میں ایک حدیث منقول ہے کہ حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان اصحاب کی تعداد جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے، حضرت طالوت کے ان ساتھیوں کے

---

1. نورِ سرمدی فخر انسانیت، محمد فتح اللہ گولن۔ جلد دوم صفحہ 60

برابر بتائی جو نہر سے پار ہو گئے تھے اور وہ تین سو دس سے کچھ زیادہ تھے۔ حضرت براءؓ کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم طالوت کے ساتھ اہل ایمان کے علاوہ کوئی دوسرا نہر سے پار نہیں ہوا تھا۔[1]

مسلمانوں کی اس بے سروسامانی کی وجہ ہجرت کے بعد مالی وسائل کی کمی کے علاوہ یہ بھی تھی کہ دراصل مسلمان محض ابوسفیان کے قافلہ کو ہراساں کرنے کے لیے نکلے تھے اور ان کے کوئی جنگی عزائم نہ تھے اسی لیے ان کی جنگی تیاری بھی نامکمل تھی۔ ان حالات میں مومنین کے ایک گروہ کی رائے یہ تھی کہ کفار مکہ سے جنگ کرنے کی بجائے ابوسفیان کے تجارتی قافلہ پر ہی اکتفاء کیا جائے، مگر اللہ کی مرضی یہی تھی کہ حق کو قائم کیا جائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دی جائے۔ سورہ انفال (آیات 8,7) میں ارشاد ہوا ہے کہ ''تم لوگ اس وقت کو یاد کرو، جب کہ اللہ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ فرماتا ہے کہ وہ تمہارے ہاتھ آ جائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کو حق اور ناحق کو ناحق کر دکھائے۔'' اسی خدائی منشاء کے مطابق رب العزت نے نہ صرف مسلمانوں کو مکی فوج کے سامنے لا کھڑا کر دیا بلکہ اس جنگ میں مومنین کی مکمل مدد اپنے فرشتوں کے ذریعہ فرمائی۔ ابتدائی آیت اسی غیبی مدد کا ذکر کر رہی ہے۔

جنگ بدر کا پس منظر

نبی ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کے دو مراحل ہیں ایک مکی زندگی جو تقریباً تیرہ سال پر محیط ہے اور دوسرا مدنی زندگی جو دس سال کے عرصہ کا ہے۔

حضور ﷺ کے نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد اہل قریش کے اکثر بااثر لوگ آپ کے خلاف ہو گئے تھے مگر شروع کے چند سال انہوں نے اس بات کو زیادہ اہمیت نہ دی کیوں کہ یہ دور پس

1۔ مختصر صحیح بخاری، جلد دوم حدیث نمبر 1601 صفحہ 1052۔ دارالسلام پبلشرز

پردہ تبلیغ کا تھا اور قریش نے حضرت محمد ﷺ کو بھی کوئی ایسا دینی آدمی ہی سمجھا جو دوسرے لوگوں کی طرح الوہیت اور حقوق الوہیت کے موضوع پر گفتگو کرنے والا ہو، تاہم قریش نے آپ کی خبر کے پھیلاؤ اور اثر کے بڑھاؤ سے کچھ اندیشے ضرور محسوس کیے تھے اور وہ آپ کی تبلیغ کی قبولیت سے فکرمند رہنے لگے تھے۔

کفار مکہ کی مخالفت کا زور رسول اللہ ﷺ کے مکی دور کے دوسرے مرحلہ سے شروع ہوا جب چوتھے سالِ نبوت سے مسلمانوں کو کھلی تبلیغ کرنے کا ربانی حکم ملنا شروع ہوا۔ اس ضمن میں پہلا حکم کہ ’’آپ اپنے نزدیک ترین قرابت داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیے‘‘[1] پھر اس کے فوری بعد ہی حکم ہوا کہ ’’آپ کو جو حکم ملا ہے اسے کھول کر بیان کر دیجئے اور مشرکین سے رخ پھیر لیں۔‘‘[2]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے شرک کے خرافات اور کفر کا پردہ چاک کرنا شروع کیا، اور بتوں کی حقیقت اور قدر و قیمت کو واشگاف کرنا شروع کر دیا۔ آپ کھل کر یہ سمجھاتے کہ یہ بت کس قدر ناکارہ ہیں اور ان کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنانا ایک کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

اہل مکہ اپنے بتوں کی برائی اور مشرکین اور بت پرستوں کو گمراہ کہنے پر احساس غضب سے سیخ پاء ہو گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ غیر اللہ کی الوہیت کے انکار اور رسالت و آخرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر رسالت کے حوالے کر دیا جائے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کفار کا اپنی جانوں اور اپنے مالوں پر بھی کوئی اختیار نہ رہے گا۔ مزید یہ کہ مکہ والوں کی تمام عرب میں دینی برتری اور بالادستی کا صفایا ہو جائے گا، جو قریش کو قطعاً قابل قبول نہ تھا۔ دوسری طرف ان کے سامنے ایک ایسا شخص تھا جو صادق اور امین ہونے کے علاوہ انسانی اقدار کا اعلیٰ ترین نمونہ بھی تھا۔

---

1. الرحیق المختوم صفحہ 112　2. الرحیق المختوم صفحہ 115,114

قریش مکہ نے رسول اکرم ﷺ کو ابتداء سے ہی مختلف طریقوں سے دباؤ میں لانے کی کوشش کی، کبھی وہ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش میں رہتے تو کبھی آپ کو مختلف دنیاوی منصب اور فائدوں کا لالچ دینے کی کوشش کرتے تھے، لیکن اللہ کے رسول ﷺ کے ہر انکار کے بعد وہ آپ ﷺ کی جان کے درپے ہو گئے۔ مسلمانوں پر از حد سختیاں اور ظلم کفار کا شیوہ بن گیا اور ان کی ہر کوشش یہ ہوتی تھی کہ مسلمان مکہ سے ہجرت نہ کر سکیں اور مکہ ہی میں کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کریں۔ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کی اسلامی دعوت کی کارروائیوں کی راہ روکنے میں انفرادی اور اجتماعی کوششیں تیز کر دیں۔ رسول خدا ﷺ اور صحابہ کرام پر ہر طرح کے ظلم وستم روا رکھے۔ قریش کے بعض بدطینت سرداران اس مکروہ کام میں پیش پیش تھے جن میں ابوجہل، ابولہب وغیرہ نمایاں تھے۔ بخاری، ترمذی، ابن ماجہ، ابن کثیر اور دوسری احادیث کی کتب ان واقعات سے بھری پڑی ہیں اسی طرح مشہور تاریخ دانوں نے بھی اس وقت کے ان جور وستم کے واقعات کثرت سے بیان کئے ہیں اُن میں ابن ہشام، ابن خلدون، نسائی وغیرہ شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے مومنین پر ظلم وستم اور مومنین پر اپنی رحمت اور سکون کا قران حکیم میں بار بار ذکر فرمایا ہے اور اسلام کی کامیابی کی نوید کا بھی اکثر ذکر کیا ہے۔

کفار کے جور وستم نے ابتداء ہی سے مسلمانوں کا مکہ میں رہنا انتہائی دشوار کر دیا تھا، ان حالات کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ فتنوں سے اپنے دین کی حفاظت کے لیے ملک حبشہ ہجرت کر جائیں جس کا فرمانروا (بادشاہ) نجاشی ایک عادل حکمران ہے اور وہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ رجب 5ء نبوی میں اسلامی تاریخ کی پہلی، ہجرت بارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابن عفان اس قافلہ کے امیر تھے اور رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں بھی اس ہجرت میں شامل تھیں۔

جب قریش کا ظلم وستم مزید بڑھ گیا اور نجاشی کے حسن سلوک کی خبریں مسلمانوں تک پہنچیں تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو پھر حبشہ ہجرت کا مشورہ دیا۔ لیکن یہ دوسری ہجرت پہلی ہجرت سے زیادہ مشکل ثابت ہوئی، کیونکہ اب کی بار قریش پہلے ہی سے چوکنا تھے اور اسے ناکام بنانے کا تہیہ کیے ہوئے تھے لیکن مسلمان زیادہ مستعد ثابت ہوئے اور خدا کی مدد سے وہ کفار کی گرفت میں آنے سے پہلے ہی شاہ حبش کے پاس پہنچ چکے تھے۔ اس بار بیاسی یا تراسی (83/82) مردوں نے اور اٹھارہ یا بیس عورتوں نے ہجرت کی جیسا کہ ابن قیم نے اپنی کتاب زاد المیعاد میں لکھا ہے:

مکہ سے ہجرت کی اجازت

ابن قیم کہتے ہیں کہ جب کفار کے مسلمانوں پر مزید ظلم بڑھ گئے اور انھوں نے پے در پے اپنی ناکامیوں کے باعث مسلمانوں کا سماجی اور معاشی بائیکاٹ کر دیا اور مسلمان تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور ہو کر رہ گئے۔ ان پر کھانے پینے کی اشیاء یا غلہ وغیرہ باہر سے نہ پہنچ سکتا تھا، تب بھی رسول اللہ ﷺ اس محصوری کے باوجود اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ ایام حج میں باہر نکلتے اور حج کے لیے آنے والوں سے مل کر انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔

اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کا جو بیڑہ اٹھا رکھا تھا اس وجہ سے نبی ﷺ کی حکمت عملی یہ تھی کہ آپ رات کی تاریکی میں قبائل عرب کے پاس تشریف لے جاتے، تاکہ مکہ کا کوئی مشرک رکاوٹ نہ ڈال سکے۔ گیارہویں سن نبوت کے موسم حج (جولائی 620ء) میں آپ ﷺ منیٰ کی گھاٹی سے گزرے تو کچھ لوگوں کو باہم گفتگو کرتے سنا آپ ﷺ ان کے پاس گئے، یہ یثرب کے چھ نوجوان تھے جو قبیلہ، بنی خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے

ان کے ساتھ بات چیت شروع کی اور اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا، کہ بھئی دیکھو یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کا حوالہ دے کر یہود تمہیں دھمکیاں دیا کرتے ہیں لہٰذا یہود تم پر سبقت نہ لے جائیں۔ اس کے بعد انہوں نے فوراً ہی آپ ﷺ کی دعوت قبول کر لی اور مسلمان ہو گئے۔ یہ یثرب کی چھ سعادت مند روحیں تھیں۔ انہوں نے حضور ﷺ سے وعدہ کیا کہ وہ واپس جا کر اپنی قوم میں آپ ﷺ کی رسالت کی تبلیغ کریں گے۔[1]

پہلی بیعت عقبہ

بنی خزرج کے وہ چھ نوجوان جو حضور ﷺ کی تبلیغ سے مسلمان ہو گئے تھے، نے واپس مدینہ جا کر آپ ﷺ سے کئے گئے وعدہ کے مطابق اسلام کی تبلیغ شروع کر دی جس کے نتیجہ میں اگلے سال (سن بارہ نبوی) میں بارہ آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں پانچ آدمی وہی تھے جو پچھلے سال بھی آ چکے تھے۔ ان بارہ میں سے دو آدمی قبیلۂ اُوس سے تعلق رکھتے تھے باقی قبیلۂ خزرج سے تھے۔ ان لوگوں نے اللہ کے نبی ﷺ سے منیٰ میں عقبہ کے پاس ملاقات کی اور آپ ﷺ پر چند باتوں پر بیعت کی۔ یہ باتیں وہی تھیں جن پر آئندہ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ کے وقت عورتوں سے بیعت لی گئی تھی۔ اس بیعت سے اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا دروازہ اسلام کے لیے کھول دیا۔

بیعت پوری ہو گئی اور حج ختم ہو گیا تو نبی ﷺ نے ان لوگوں کے ہمراہ اپنا پہلا سفیر مدینہ روانہ کیا تا کہ وہاں کے مسلمانوں کو اسلامی احکام کی تعلیم دے سکے اور مشرکوں کو بھی اسلام کی تبلیغ کرے۔ یہ سفیر حضرت مصعب رضی اللہ عنہ ابن عمیر بدری تھے۔

---

1 الرحیق المختوم:196,195

دوسری بیعت عقبہ۔(بیعت عقبہ کبریٰ)

اگلے سال، سن تیرہ نبوی 622ء کے موسم حج میں مدینہ سے آنے والے مشرکین کے وفد میں سے پچھتر اشخاص نے اسلام قبول کیا ان میں دو عورتیں حضرت اُم عمارہ نسیبہؓ بنت کعب اور حضرت اُم منیع اسماءؓ بنت عمرو تھیں حضرت اُم نسیبہؓ اسلام قبول کرنے کے بعد ایک نہایت بہادر اور مخلص صحابیہ ثابت ہوئیں جنگ اُحد کا واقعہ جو اسی کتاب کے باب نمبر 8 میں دیا گیا ہے اس میں مصنف علی حافظ نے لکھا ہے کہ ام نسیبہؓ جنگ اُحد میں انتہائی بہادری اور بے خوفی کے ساتھ دشمن پر تلوار سے حملہ آور رہیں اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی خاطر آپ ﷺ کے قریب ہی جنگ کرتی رہیں۔ خود حضور ﷺ نے جنگ کے بعد فرمایا کہ میں جب بھی اُحد والے دن دائیں یا بائیں نظر دوڑاتا تھا تو نسیبہؓ کو میری حفاظت کی خاطر بہادری سے لڑتے دیکھتا تھا۔

ترکی کے موجودہ عالم دین و محقق محمد فتح اللہ گولن اپنی کتاب نور سرمدی، فخر انسانیت جلد دوم میں ابن ہشام کی سیرۃ النبویہ اور ابن کثیر کی تصنیف البدایۃ و النہایۃ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ''یہ دونوں عظیم خواتین سفر و حضر میں ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رہیں۔ بلکہ اُم عمارہؓ نے تو ارتداد کی جنگوں میں بھی شرکت کی، چنانچہ انہوں نے جنگ یمامہ میں حصہ لیا اور ہاتھ میں تلوار لے کر غزوہ احد کی طرح اس جنگ میں بھی داد شجاعت لی۔ ان کے بیٹے حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا قاصد بنا کر مسیلمہ کذاب کے پاس بھیجا تھا۔ جنہیں اس نے شہید کر دیا۔

یہ بیعت کرنے والے چھپ چھپا کر اکیلے اکیلے ایک تہائی رات گزرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ملنے کے لیے مقررہ جگہ عقبٰی میں جمع ہو گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد رسول اکرم ﷺ تشریف لے آئے، آپ ﷺ کے ہمراہ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس ابن عبدالمطلب بھی تھے۔ گو وہ اب تک اپنی قوم کے دین پر تھے، مگر چاہتے تھے کہ اپنے بھتیجے کے معاملہ میں موجود رہیں اور ان کے لیے پختہ اطمینان

حاصل کر لیں۔ سب سے پہلے بات بھی انہیں نے شروع کی۔ باہمی گفت وشنید کے بعد انصار کے ایک قائد حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول خدا ﷺ سے گزارش کی کہ اے اللہ کے رسول اب آپ گفت گو فرمائیں اور اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے جو عہد و پیمان پسند کریں کیجئے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے پانچ نکات پر بیعت لی جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے سے متعلق تھے۔ ان پانچ نکات میں ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ جب حضور ﷺ مدینہ کے انصار کے پاس پہنچ جائیں تو اہل مدینہ حضور ﷺ کی ہر حال میں مدد کریں گے اور جس چیز سے اپنی جان اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں، ان سے آپ ﷺ کی بھی حفاظت کریں گے۔ ابن اسحاق نے اس امر کو یوں بیان کیا ہے کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ ابن مسرور نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ، ہاں، اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، ہم یقیناً ہر اس چیز سے آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے جس سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ ہم سے بیعت لیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی انصار مدینہ کو یقین دلایا کہ رسولؐ ان میں سے ہیں اور وہ رسول اللہ ﷺ سے ہیں اور حضور ﷺ کسی بھی حال میں ان کو کبھی بھی چھوڑ کر نہ جائیں گے۔[2]

عقبہ کی یہ دوسری بیعت، جسے بیعت عقبہ کبریٰ کہا جاتا ہے، نے وقت کے ساتھ ساتھ یہ ثابت کر دیا کہ یثرب کے مسلمانوں کے دل اپنے کمزور مکی بھائیوں کی محبت سے سرشار تھے اور ان کی ہجرت کے بعد انصار نے مہاجرین کے ساتھ سگے بھائیوں سے بڑھ کر محبت اور اخوت کا ثبوت دیا۔ یہ دوسری بیعت اسلام کی دعوت کے آغاز سے اب تک مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑی کامیابی تھی کہ وہ ایک وطن کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے مسلمانوں کو اجازت مرحمت فرمائی کہ وہ اپنے نئے وطن کی طرف ہجرت کر جائیں۔

---

1. الرحیق المختوم: ص212، ابن ہشام 441/1)
2. الرحیق المختوم: ص212, 213

مسلمانوں نے اس اجازت کے بعد، باوجود ہجرت کے نقصانات کو سمجھتے ہوئے کہ انہیں اپنے گھر بار اور سارے مفادات کو چھوڑنا ہوگا ہجرت کی ابتدا کر دی۔ سب سے پہلے مہاجر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ابن اسحاق کے مطابق انہوں نے بیعت عقبہ کبریٰ سے ایک سال قبل ہجرت کی تھی۔ جب انہوں نے اپنی بیوی اور بچے کے ہمراہ ہجرت کرنی چاہی تو ان کے سسرال والوں نے یہ کہا کہ وہ خود تو جا سکتے ہیں مگر اپنی بیٹی کو اجازت نہیں دے سکتے کہ ان کے ساتھ در بدر ٹھوکریں کھاتی پھرے۔ چنانچہ ان کی بیوی ان سے چھین لی گئی اس پر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کو بھی تاؤ آ گیا اور انہوں نے یہ کہہ کر ان سے ان کا بچہ چھین لیا کہ اس عورت کو اگر آپ لوگوں نے ہمارے آدمی سے چھین لیا ہے تو ہم اپنا بیٹا اس عورت کے پاس نہیں رہنے دے سکتے۔ مشرکین کا ہجرت کرنے والوں پر یہ ظلم وستم کا پہلا ثبوت تھا۔ اسی طرح حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار قریش نے کہا کہ جب تم ہمارے پاس آئے تھے تو حقیر وفقیر تھے، اب تم بہت مال دار ہو گئے ہو اور چاہتے ہو کہ اپنی جان اور مال دونوں لے کر چل دو، بخدا ایسا نہیں ہو سکتا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یہ بتاؤ اگر میں اپنا مال چھوڑ دوں تو تم میری راہ چھوڑ دو گے۔ انہوں نے کہا ہاں تو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا، اچھا تو پھر ٹھیک ہے۔ چلو میرا مال تمہارے حوالے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کا علم ہوا تو فرمایا، ''صہیب نے نفع اٹھایا۔ صہیب نے نفع اٹھایا''۔[1]

عیاش رضی اللہ عنہ ابن ربیعہ، ابوجہل کے ماں جائے بھائی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے، پیچھے پیچھے ابوجہل اپنے بھائی حارث کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچ گیا اور بات بنائی کہ ماں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک عیاش کو نہ دیکھ لوں گی دھوپ سے سائے میں نہ جاؤں گی

[1] الرحیق المختوم: ص220، ابن ہشام: 477/1

اور نہ سر میں کنگھی کروں گی اس لیے تم چل کر انہیں شکل دکھا دو پھر واپس آ جانا۔ وہ بیچارے ماں کی محبت میں ساتھ ہو لیے راستے میں دونوں بھائیوں نے انہیں قید کر لیا اور مکے میں انہیں لے کر اس طرح داخل ہوئے کہ وہ رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ کافی عرصہ یہ قید میں رہے اور آخر کار ایک جانباز مسلمان ان کو نکال لانے میں کامیاب ہو گیا۔

اس طرح کے بے شمار ظلم و ستم مہاجرین مکہ کو ہجرت کے وقت پیش آئے مگر اللہ کے مجاہدین اپنے ایمان کی پختگی کی وجہ سے، ہر طرح کی سختی برداشت کرتے ہوئے یثرب پہنچ گئے۔ بیت عقبہ کبریٰ کے تقریباً دو ماہ کے اندر ماسوائے چند لوگوں کے تمام مومنین خالی ہاتھ مکہ سے ہجرت کر چکے تھے، چونکہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اب تک ہجرت کی اجازت نہیں دی تھی اس لیے آپ ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ چند اور مسلمان مکہ ہی میں رکے رہے۔

اسی دوران قریش مکہ نے مسلمانوں کے اتنے بڑے انخلاء سے حواس باختہ ہو کر قریش کی پارلیمنٹ، دارلندوہ میں قبائل قریش کا ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا اور مختلف تجاویز پر غور کرنے کے بعد نبی ﷺ کے قتل کی ظالمانہ تجویز پر اتفاق کیا۔ اس مجرمانہ قرارداد کے طے پا جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مکہ سے روانگی کی اجازت دے دی اور ہجرت کے وقت کا تعین بھی کر دیا یہ کام وحی کے ذریعہ ہوا جو حضرت جبریلؑ لے کر آئے تھے اور انہوں نے مزید یہ بھی پیغام دیا کہ آپ ﷺ اس رات اپنے بستر پر نہ گزاریں۔

رسول اللہ ﷺ 27 صفر 14 (نبوت) مطابق 13,12 ستمبر 622ء کی درمیانی رات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹا کر ان تمام مشرکین کے سامنے جو آپ کے گھر کے باہر دارلندوہ کے فیصلہ کے مطابق نگرانی کر رہے تھے کہ جب بھی حضور ﷺ باہر تشریف لائیں تو حضور ﷺ کا کام تمام کر دیں (نعوذ باللہ)، اللہ تعالیٰ کی خاص مدد کے ساتھ ان مشرکین کی آنکھوں میں دھول

جھونک کر اپنے سب سے قابل اعتماد ساتھی حضرت ابوبکرؓ صدیق کے گھر پہنچ کر ان کے ساتھ مکہ سے باہر نکل گئے۔ دونوں حضرات نے تین راتیں مکہ سے باہر یمن کے راستہ پر پانچ میل کے فاصلہ پر غار ثور میں گزاریں۔

قباء میں تشریف آوری

دوشنبہ 8 ربیع الاول 14 نبوت یعنی 1 ہجری مطابق 23 ستمبر 622ء کو رسول اللہ ﷺ قباء پہنچے۔ مسلمانان مدینہ کو چونکہ حضور ﷺ کی مکہ سے روانگی کا علم ہو چکا تھا اس لیے مسلمان روزانہ صبح ہی صبح بستی سے باہر نکل آتے تھے اور آپ کی راہ دیکھتے رہتے، مختلف روایات کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے قباء میں چار روز یا دس روز یا چوبیس دن قیام فرمایا اور اسی دوران مسجد، قباء کی بنیاد رکھی جو کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بعد پہلی مسجد ہے۔[1]

مدینہ میں داخلہ

اللہ کے رسول ﷺ بروز جمعہ حکم خداوندی سے قباء سے مدینہ کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں بنونجار جو آپ ﷺ کے ننہیال کا قبیلہ تھا نے آپ کا پرجوش استقبال کیا اور انہوں نے بھی حضور ﷺ کی معیت میں یثرب کا رخ کیا۔ راستہ میں ہی جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے وادئ رانوناء میں اس مقام پر نماز جمعہ ادا کی جہاں اب مسجد جمعہ واقعہ ہے۔ مدینہ میں ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ اس کے گھر پر قیام فرمائیں، اس لیے حضور ﷺ نے اپنی اونٹنی کو کھلا چھوڑ دیا کہ جہاں وہ بیٹھے گی اسی گھر میں رسول اللہ ﷺ کا قیام ہوگا، اونٹنی چلتے چلتے چند بار رُکی اور ہر بار لوگ اسے بٹھانے کی کوشش کرتے مگر رسول اللہ ﷺ یہ فرماتے کہ اونٹنی کی راہ چھوڑ دو یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔ چنانچہ مسلسل چلنے

1۔ الرحیق المختوم: ص240

کے بعد اونٹی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی۔ انہوں نے فوراً کجاوہ اٹھا لیا اور اپنے گھر لے کر چلے گئے۔

اُدھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی مکہ میں تین روز ٹھہر کر اور لوگوں کی امانتیں جو رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں انہیں ادا کر کے ہجرت کر لی۔

مدنی زندگی

رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی کو ہم تین مراحل میں تقسیم کر سکتے ہیں، جو یوں ہیں:

1- پہلا مرحلہ: جس میں فتنے اور اضطرابات برپا کیے گئے۔ اندر سے مشکلات کھڑی کی گئیں اور باہر سے مدینہ کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے چڑھائیاں کی گئیں یہ مرحلہ 6 ہجری صلح حدیبیہ پر ختم ہوتا ہے۔

2- دوسرا مرحلہ: جس میں بت پرست قیادت کے ساتھ صلح ہوئی یہ مرحلہ 8 ہجری فتح مکہ پر ختم ہوتا ہے۔ یہی مرحلہ شاہان عالم کو دعوتِ دین پیش کرنے کا بھی ہے۔

3- تیسرا مرحلہ: جس میں خلقت اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے کا ہے قوموں اور قبیلوں کے وفود کی آمد کا بھی یہی مرحلہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کے آخیر، ربیع الاول 11 ہجری تک محیط ہے۔

مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کا ابتدائی مشن

رسول اکرم ﷺ اور مکہ کے اکثر مسلمانوں کی کامیاب ہجرت کرنے سے قریش مکہ کی تلملاہٹ اور بوکھلاہٹ اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ ان کے جوش غضب اور احساس محرومی نے انہیں بدلہ بازی پر مجبور کیا اور انہوں نے عبداللہ بن ابی کو جو ابھی تک مشرک تھا ایک دھمکی آمیز

خط بھجوایا کہ وہ نہ صرف انصار مدینہ کا سردار ہے بلکہ انصار اسے بادشاہ بنانے پر متفق ہیں اور یہ کہ آپ نے ہمارے صاحب کو پناہ دے رکھی ہے یا تو آپ لوگ انہیں نکال دیجئے یا پھر ہم آپ پر پوری طاقت سے یورش کر کے آپ کے مردوں کو قتل کر دیں گے اور آپ کی عورتوں کی حرمت کو پامال کر ڈالیں گے۔

اس خط کے ملتے ہی عبداللہ بن ابی مشرکین مکہ کے حکم کی تعمیل کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا کیونکہ وہ پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کے مدینہ آنے سے خار کھائے ہوئے تھا کہ آپ ﷺ نے اس کی بادشاہت چھینی ہے۔ جب نبی ﷺ کو اس کی خبر ہوئی، تو آپ ﷺ ان کے پاس گئے اور فرمایا: ''کیا قریش کی دھمکی آپ لوگوں پر بہت اثر کر گئی ہے، تم خود اپنے آپ کو جتنا نقصان پہنچا دینا چاہتے ہو، قریش اس سے زیادہ تم کو نقصان پہنچا نہیں سکتے۔ کیا تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے خود ہی لڑنا چاہتے ہو؟ حضور ﷺ کی اس بات سے لوگ بکھر گئے اور وقتی طور پر عبداللہ بن ابی اپنے ارادہ سے باز آ گیا۔

حضور اکرم ﷺ نے مدینہ پہنچ کر فوری حکمت عملی کے طور پر اپنی تمام کوششیں اللہ کے دین کو مضبوط کرنے کی خاطر شروع کر دیں تھیں، انہوں نے مدینہ میں رہنے والے کفار کو محبت اور دوستی کا پیغام دیا۔ مسلمانوں میں باہمی بھائی چارے اور اخوت کے اصول وضع کیے۔ مدینہ کے گرد و نواح میں آباد یہودیوں کے ساتھ صلح اور بھائی چارے کے معاہدے کئے، دینی تربیت کے لیے مسلمانان مدینہ کا تعلیمی پروگرام مرتب کیا اور مسجد نبوی کی بنیاد رکھی وغیرہ وغیرہ۔

ایک نئے دین کے پودے کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ کی فضا میں پھلنے پھولنے میں پوری مدد کی اور اپنے رسول ﷺ کو ہر طرح کی ٹریننگ دی کہ وہ ایک عظیم مملکت کی بنیاد رکھ سکیں۔ مسلمانوں کو ایک بین الاقوامی جماعت بننے کے لیے جو لوازمات درکار تھے یعنی مذہبی، عسکری اور اخلاقی

اقدار وہ سب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ان مومنین کو عطا کر دیئے، قران ایک مکمل ضابطہ حیات کی صورت میں حضور ﷺ کو دیا گیا اور چند ہی سالوں میں یہ چھوٹی سی جماعت پوری دنیا کو فتح کرنے کے علاوہ اسلامی مساوات کے ذریعہ کئی صدیوں تک کامیابی سے ان پر حکومت کرنے کے قابل ہوگئی۔

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ہر خوبی سے سرفراز فرمایا تھا۔ایک طرف تو وہ اعلیٰ پایہ کے معلم واستاد تھے تو دوسری طرف فراست ومحبت کا پیکر بھی تھے۔عسکری لحاظ سے ان جیسا کمانڈر دنیا میں پیدانہیں ہوسکا۔آپ ﷺ کی جنگی کمانڈر کی حیثیت کو آج بھی پوری دنیا خاص طور پر مغرب کے مفکرین پہلانمبر دیتے ہیں۔''رسول ﷺ ایک ماہر سپہ سالار کی طرح اپنی حکمت عملیاں بدلتے رہتے تھے۔عموماً ایک ہی حکمت عملی کو دوبارہ نہ دہراتے تھے جس سے آپ کے دشمنوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا۔حضور ﷺ نے غزوہ بدر میں اپنے دشمنوں کے خلاف یہی حکمت عملی اپنائی لیکن مشرکین اسے سمجھ نہ سکے جس کے نتیجہ میں جنگجوؤں، گھوڑوں اور اونٹوں کی کثرت کے باوجود ان کے آغاز میں ہی پاؤں اُکھڑ گئے۔ جب کہ مسلمانوں کے پاس دوتین گھوڑوں اور چند نیزوں اور تیروں کے سوا کچھ نہ تھا۔[1]

مسلمانوں کی عسکری حکمت عملی

یکم ہجری میں جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کے خلاف جنگ کرنے کی اجازت دے دی تو آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل فوری اقدامات فرمائے:

رسول اللہ ﷺ ایک انتہائی ماہر منصوبہ ساز بھی تھے جو آنحضرت ﷺ کی زندگی کے ہر روپ سے عیاں ہوتا ہے مسلمانوں کے مدینہ میں محفوظ رہنے کے لیے فوری اقدام رسول اکرم ﷺ نے شروع

1۔ نورسرمدی (محمد فتح اللہ گولن): جلددوم، صفحہ 37

میں ہی کر دیئے تھے جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ تاہم دین اسلام کی حفاظت اور ترقی کے لیے آنحضرتﷺ نے دوررس اور مستقل اقدامات بھی کرنے شروع کر دیئے۔ ان میں سے چند یہ تھے:

1- مسلمانوں کی عزت اور وقار کو بلند رکھنے اور قریش مکہ اور مدینہ کے کفار پر مسلمانوں کی برتری ثابت کرنے کی خاطر، خبر رسانی کا عدیم النظیر جال بچھانا شروع کیا جس کے نتیجہ میں مرکز تک پل پل کی خبر پہنچتی، جہاں اس کا فوری تجزیہ کیا جاتا تھا۔ آپﷺ کی فوجی منصوبہ بندیوں اور فتوحات کی بناء پر بعض مغربی مؤرخین آپﷺ کو عسکری پیغمبر بھی کہتے ہیں۔

2- قریش مکہ کی سازشوں کو روکنے کی خاطر اور مدینہ کے مسلمانوں کی دھاک بٹھانے کے لیے، مدینہ کے قرب و جوار میں مشرق اور مغرب کی طرف جانے والے اہم تجارتی راستوں پر اسلامی فوج نے نقل و حرکت اور نگرانی شروع کر دی۔ یہ تجارتی شاہراہ بحر احمر کے کنارے کنارے یمن سے شام تک جاتی تھی اور اہل مکہ کی معاشی زندگی کا انحصار صرف اسی راستہ پر تھا جس کا اندازہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ اہل مکہ کی جو تجارت اس شاہ راہ کے بل پر کی جاتی تھی اس کا حجم ڈھائی لاکھ اشرفی سالانہ تھا، طائف اور دوسرے مقامات کی تجارت اس کے علاوہ تھی۔

3- مدینہ کی حفاظت کی خاطر مختلف قبائل عرب جن کا تا حال مسلمانوں سے امن کا معاہدہ نہ تھا، ان سے معاہدے کیئے گئے۔

4- جنگ بدر 2 ہجری تک مسلمانوں نے آٹھ بار کفار کے تجارتی قافلوں سے مڈبھیڑ کی لیکن نہ ہی کسی سریا یا غزوہ[1] میں لوٹ مار ہوئی اور نہ ہی قتل و غارت کیوں کے مقصد کفار کو ڈرانا اور تنبیہ کرنا تھا۔ دوسرے یہ کہ ان میں سے کسی مہم میں بھی حضورﷺ نے اہل مدینہ کا کوئی آدمی

1۔ غزوہ وہ فوجی مہم ہے جس میں نبیﷺ بنفس نفیس تشریف لے گئے ہوں۔ سریہ وہ فوجی مہم ہے جس میں آپﷺ خود تشریف نہ لے گئے ہوں۔

قریش کی تجارتی شاہراہ
شمال
شام
فرات
دجلہ
دریائے
دریائے
بحر ابیض
دریائے اردن
بحر مردار
ایلہ
تبوک
جهینه
خیبر
مدینه
ذوانعشیرة
بدر
الابلوا
الحجفه
مکه
طائف
ینبوع
رابغ
جده
بحر احمر
مخا
عدن
خلیج عدن
بحر عرب
خلیج فارس
افریقه

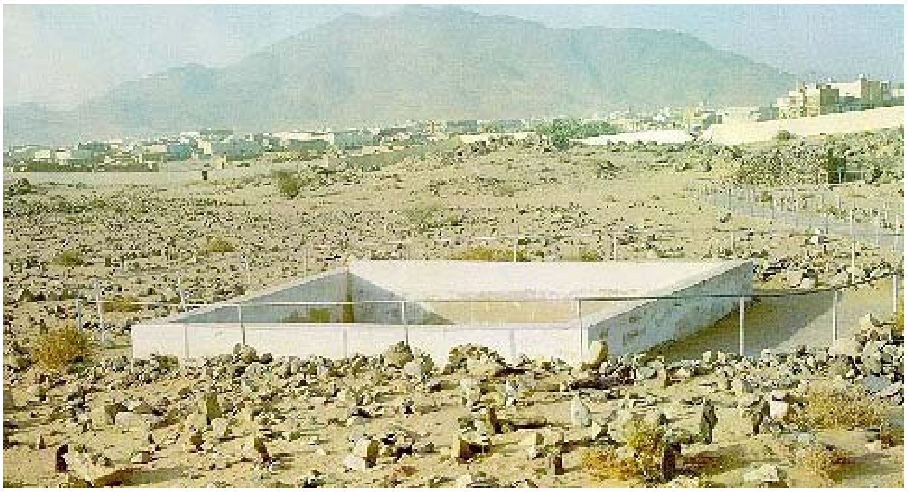

میدان بدر اور شہدائے بدر کا قبرستان

شامل نہ کیا بلکہ تمام دستے خالص مکی مہاجرین سے ہی مرتب فرماتے رہے تا کہ یہ کشمکش قریش کے اپنے گھر والوں میں ہی رہے اور دوسرے قبیلوں کے اس میں الجھنے سے آگ پھیل نہ جائے۔

(5) مسلمان ہجرت کے وقت اپنے مال و متاع سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے کیونکہ کفار کے ڈر سے ہجرت خاموشی سے کی جاتی رہی تھی اور مہاجر اپنے سب اثاثے و مال و زر مکہ میں ہی چھوڑ جاتے تھے یا پھر مال و زر لے کر نکلنے والوں کے ساتھ وہ سلوک کیا جاتا، جیسا کفار نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے کیا تھا جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے کہ ان کا تمام مال اس بہانہ سے لے لیا گیا تھا کہ جب وہ مدینہ آئے تھے تو خالی ہاتھ تھے لیکن یہاں آ کر ان کا مال بہت زیادہ ہو گیا اس لیے تمام مال کافروں نے رکھ لیا۔ اہل مکہ بعد میں یہ مال و متاع اونٹوں پر لاد کر شام اور یمن کی منڈیوں میں فروخت کرتے تھے۔ مدینہ کے قریب سے گزرنے والے قافلوں میں مسلمانوں کا مال و اسباب بھی ہوتا تھا جسے واپس لینا ضروری ہو گیا تھا۔

بعض تاریخ دان کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو حق پہنچتا تھا کہ جس طرح ان کے اموال ضبط کیے گئے تھے، اسی طرح وہ بھی ان سرکشوں کے اموال ضبط کریں۔ نیز ایسے لوگوں کی سرزنش بھی ضروری تھی جنہوں نے مسلمانوں پر ہر طرح کے ظلم وستم روا رکھے تھے۔

جنگ (غزوہ) بدر کی ابتدائی وجہ

شعبان ۲ ہجری (فروری یا مارچ ۶۲۳ء) میں قریش کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ تقریباً ایک ہزار اونٹوں پر تجارتی مال، جس کی بے شمار مالیت تھی ابوسفیان کی نگرانی میں شام سے مکہ جا رہا تھا اور اس کی حفاظت کی خاطر صرف تیس یا چالیس آدمی تھے۔

یورپ کا ایک مشہور مورخ وی سی بودلے رسول اللہ ﷺ کی سوانح عمری پر اپنی لکھی کتاب میں بیان کرتا ہے کہ ابوسفیان کا یہ قافلہ تجارتی سامان کے علاوہ جنگی ہتھیار بھی خرید کر مکہ لا رہا تھا، اور اس قافلہ کا تجارتی منافع پچاس ہزار دینار (سونے کے ٹکڑے) تھا۔ اہل مکہ یہ تمام منافع اور جنگی سازو سامان مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی فوج تشکیل دینے کے لیے استعمال کرنے پر متفق تھے۔[1]

اس قافلہ کی خبر رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے شام جاتے ہوئے دیر سے ملی تھی جس کی وجہ سے حضور ﷺ کو اس کی واپسی کا انتظار کرنا پڑا اور دو صحابہ کو اس قافلہ کے حالات دریافت کرنے کی خاطر انہیں شمال کی طرف روانہ کیا جو مقام حوراء تک پہنچ کر وہیں ٹھہرے رہے۔ جب ابوسفیان قافلہ لے کر وہاں سے گزرا تو ان دونوں اصحاب نے تیز رفتاری سے واپس آ کر آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع کی۔ اہل مدینہ کے لیے یہ ایک سنہری موقع تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ میں اعلان کروایا کہ قریش کا قافلہ مال و دولت لیے چلا آ رہا ہے، اس کے لیے نکل پڑو ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے تمہارے لیے مال غنیمت بنا دے۔ تاہم آپ نے کسی پر روانگی ضروری قرار نہیں دی تھی

1- The Messanger, the Life of Mohammed, Newyork, 1946 by V.C. Bodley.

بلکہ اسے لوگوں کی رغبت پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ اہل مدینہ نے رسول اللہ ﷺ کے اس سفر کو بھی گزشتہ نگرانی مہمات کی طرح تصور کیا اور کسی کو بھی فوجی ٹکر کا گمان نہ ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابہ کرام مدینہ ہی میں رہے اور ان کی بعد ازاں باز پرس بھی نہ ہوئی۔

ابوسفیان اپنے قافلہ کو لے کر مکہ کے لیے روانہ ہوا، وہ حد درجہ محتاط تھا کیونکہ مدینہ کا راستہ اس کے لیے پُر خطر اور غیر محفوظ تھا۔ وہ راستہ میں ہر گزرنے والے قافلہ سے مدینہ کے گرد ونواح کے حالات کے متعلق پوچھ گچھ کرتا جا رہا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو قافلہ کی نگرانی کی دعوت دے دی ہے، لہٰذا اس نے فوراً اپنا خاص قاصد جو ایک سبک رفتار ساربان تھا جس کا نام زم زم بن عامر غفاری تھا کو مکہ روانہ کر دیا کہ اہل مکہ کو صورت حال سے آگاہ کرے تا کہ فوری مدد بھجوائی جائے۔ قاصد نے مکہ پہنچنے سے پہلے عرب کے دستور کے مطابق اپنے اونٹ کے کان کاٹے، اس کی ناک چیر دی، کجاوا الٹا کر دیا اور اپنا کرتا پھاڑا، اور مکہ میں داخل ہو کر اہل مکہ کو مخاطب کیا کہ لوگو' تمہارا تمام مال ابوسفیان کے پاس ہے مگر اس پر محمد ﷺ دھاوا بولنے جا رہے ہیں۔ ابوسفیان تم سے مدد چاہتا ہے، اس کی مدد کو نکلو۔ اہل مکہ یہ پیغام سن کر ہر طرف سے دوڑے چلے آئے، چنانچہ سارے مکہ میں دو ہی طرح کے لوگ تھے، یا تو جو خود جنگ کے لیے نکل رہے تھے یا اپنی جگہ کسی دوسرے کو بھیج رہے تھے۔ معززین مکہ خود بھی پیچھے نہ رہے صرف ابولہب نے اپنی جگہ اپنے ایک قرضدار کو بھیج دیا۔ قریش نے گرد و پیش کے قبائل کو بھی بھرتی کیا اور بھر پور تیاری کے ساتھ ایک مضبوط فوج ابوجہل کی قیادت میں تیار کر کے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

ادھر ابوسفیان کا قافلہ بدر کے قریب پہنچ چکا تھا جو مدینہ سے جنوب مغرب کی طرف 155 کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں اس نے پوچھ گچھ کی تو معلوم ہوا کہ چند سواروں نے بدر

کے چشموں سے اپنے مشکیزے پانی سے بھرے اور چلے گئے۔ ابوسفیان نے ان کے اونٹوں کی مینگنیاں توڑ کر دیکھیں تو ان میں سے کھجور کی گٹھلیاں برآمد ہوئیں، ابوسفیان نے کہا کہ خدا کی قسم یہ یثرب کا چارہ ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے قافلہ کا رخ مغرب کی جانب موڑ کر ساحل سمندر کا رُخ کر لیا اور بدر سے گزرنے والی تجارتی شاہراہ کو چھوڑ دیا اور یوں اپنے قافلہ کو مدنی قافلہ سے بچالیا۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ سے ابوسفیان کے قافلہ کے تعاقب کے لیے نکلے، تو آپ ﷺ کے ساتھ ایک مختصر سی جمعیت تھی، جن میں 305 یا 313 صحابہ کرام کے علاوہ دو گھوڑے تمیس سے چالیس اونٹ اور چند زرہیں تھیں کیونکہ ان کا ارادہ تو صرف قریش کے قافلہ کو ہراساں کرنا تھا۔ اُدھر مکی لشکر طیش کھائے ہوئے پوری تیاری کے ساتھ بدر سے کچھ دور جحفہ کے مقام پر پہنچ چکا تھا۔ اس لشکر کی کل تعداد تیرہ سو تھی جن کے پاس ایک سو گھوڑے اور چھ سو زرہیں تھیں۔ اونٹوں کی تعداد ٹھیک معلوم نہ ہو سکی تھی۔ لشکر کا سپہ سالار ابوجہل بن ہشام تھا۔ قریش کے نو معزز آدمی فوج کی رسد کے ذمہ دار تھے۔ ایک دن نو اور ایک دن دس اونٹ ذبح کیے جاتے تھے۔

ابوسفیان نے جب تجارتی شاہراہ کو چھوڑ کر سمندر کا راستہ لے لیا تو اس نے اپنے قاصد مکی لشکر کی طرف روانہ کئے کہ اس کا قافلہ محفوظ ہے اور مکہ والے واپس آ جائیں۔ یہ پیغام انہیں جحفہ ہی میں موصول ہوا، پیغام سن کر مکی لشکر نے واپس جانے کا ارادہ کر لیا لیکن ابوجہل نہایت تکبر اور غرور کے ساتھ بولا کہ ''خدا کی قسم ہم واپس نہ ہوں گے، یہاں تک کہ بدر جا کر وہاں تین دن قیام کریں گے اور اس دوران اونٹ ذبح کریں گے۔ لوگوں کو کھانا کھلائیں گے اور شراب پلائیں گے۔ لونڈیاں ہمارے لیے گانے گائیں گی اور سارا عرب ہمارے سفر و اجتماع کا حال سنے گا اور

اس طرح ہمیشہ کے لیے مسلمانوں پر ہماری دھاک بیٹھ جائے گی''۔

مگر بنوزہرہ کے تین سو آدمیوں نے مکہ کے لشکر کو خیر باد کہہ دیا اور ان کا کوئی بھی آدمی جنگ بدر میں شامل نہ ہوا۔ بنوزہرہ کی واپسی کے بعد مکی لشکر کی تعداد ایک ہزار رہ گئی تھی۔ کفار کے لشکر نے اپنا سفر جاری رکھا اور بدر کے قریب پہنچ کر اس نے ایک ٹیلے کے پیچھے پڑاؤ ڈالا۔ یہ ٹیلہ وادی بدر کی حدود میں جنوبی دہانے پر تھا۔

اسلامی لشکر کو مکی فوج کا علم ہونا

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ کو اختیاری رغبت کے تحت قریش کے تجارتی قافلہ کا پیچھا کرنے کی دعوت دی تھی اور مختصر افراد جن کی کل تعداد 313 کے قریب تھی، نامکمل جنگی ساز و سامان کے ساتھ مدینہ سے بدر کی جانب نکلے اور چند روز کی مسافت کے بعد وادی صفراء کے قریب جا پہنچے اور وہاں سے قبیلہ جہینہ کے دو آدمیوں کو ابوسفیان کے قافلے کے حالات معلوم کرنے کے لیے بدر روانہ کیا۔ آپ ﷺ کو اسی جگہ تجارتی قافلہ اور مکی لشکر دونوں ہی کے متعلق اطلاعات فراہم ہوئیں۔ آپ ﷺ نے ان اطلاعات کا گہرائی سے جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب ایک خونریز ٹکراؤ کا وقت آ گیا ہے کیونکہ اگر قریش کے فوجی لشکر کو اس علاقہ میں یوں ہی دندناتا ہوا پھرنے دیا جاتا، تو اس سے قریش کی فوجی ساکھ کو بڑی تقویت مل جاتی اور مسلمانوں کی آواز دب کر کمزور ہو جاتی اور اس کے بعد اسلام کے خلاف کینہ و عداوت کا بازار گرم ہو جاتا۔ یہاں تک کہ مدینہ ہر طرح سے غیر محفوظ ہو جاتا۔ بعض تاریخ دان لکھتے ہیں کہ اگر مسلمان مکی فوج کو کھلا چھوڑ دیتے تو وہ مدینہ پر چڑھ دوڑتی تا کہ اسلام جو ان کے لیے ایک عظیم خطرہ بن چکا تھا کا مکمل خاتمہ کر دیا جائے۔

حالات کی اس اچانک اور پر خطر تبدیلی کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اپنی اعلیٰ فوجی

قیادت سے مشورہ کیا اور درپیش حالات کا تذکرہ فرمایا اور کمانڈروں اور فوجی قیادت سے تبادلۂ خیالات کیا۔ اس موقع پر ایک گروہ خونریز ٹکراؤ کا نام سن کر کانپ اٹھا اور اس کا دل لرزنے لگا۔ اسی گروہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورہ انفال کی آیات 5 اور 6 میں ان کی حالت یوں بیان کی ہے، ''یہ تجھ سے بالکل سچی بات میں جو واضح ہو چکی ہے، جھگڑ رہے ہیں گویا کہ وہ موت کو دیکھتے ہوئے اس کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔''

قائدین لشکر اور دیگر صحابہ کرام ثابت قدمی سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھڑے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ ''اے اللہ کے رسول آپ کو جو اللہ نے راہ دکھائی ہے آپ اس پر رواں دواں رہیے، ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ ''تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو ہم یہیں بیٹھے ہیں۔'' بلکہ ہم یہی کہیں گے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے پروردگار چلیں اور لڑیں، ہم بھی آپ کے ساتھ ساتھ لڑیں گے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے بھی یہی بات کی۔ اسی طرح حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کی بات کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سب کے حق میں کلمہ خیر ارشاد فرمایا اور دعا دی۔ یہ تینوں حضرات مہاجر تھے جو لشکری تعداد میں کم تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ انصار کی رائے بھی معلوم کریں کیونکہ وہی لشکر میں اکثریت رکھتے تھے اور جنگ کا زیادہ بوجھ انہی کے شانوں پر پڑنے والا تھا۔ دوسرے بیعت عقبہ کی رو سے ان پر لازم نہ تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کریں۔ اس لیے حضور ﷺ نے پھر فرمایا کہ ''لوگو! مجھے مشورہ دو۔'' مقصود انصار سے تھا اور یہ بات انصار کے کمانڈر اور علمبردار حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ نے بھانپ لی، اور عرض کیا کہ بخدا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ، اے اللہ کے رسول آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں۔ تب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

''اے اللہ کے رسول، ہم تو آپ پر ایمان لائے ہیں، آپ کی تصدیق کی ہے اور یہ گواہی دی ہے کہ آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں سب حق ہے اور ہم نے آپ کو اپنی سمع وطاعت کا عہد و میثاق دیا ہے، لہٰذا اے اللہ کے رسول! آپ کا جو ارادہ ہے اس کے لیے پیش قدمی فرمائیے۔ اگر آپ ﷺ ہمیں ساتھ لے کر سمندر میں کودنا چاہیں گے تو ہم اس میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ کود پڑیں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔''[1]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آپ نے فرمایا: ''چلو اور خوشی خوشی چلو۔ اللہ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔''

''یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت تمہارے ہاتھ لگے گی، تمہاری چاہت تھی کہ بغیر شوکت والی (کمزور) جماعت تمہارے ہاتھ لگے اور حق تعالیٰ کی چاہت تھی کہ وہ دین حق کو اپنے فرمان سے سچا ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ بنیاد سے کاٹ دے۔'' (سورہ انفال، آیت نمبر 7)

اسلامی لشکر رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں بدر کی جانب بڑھا اور چند پہاڑی موڑ گذر کر بدر کے قریب نزول کیا۔ یہاں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ گرد و پیش کی خبر لینے کے لیے نکل پڑے۔ ابھی دور ہی سے مکی لشکر کے کیمپ کا جائزہ لے رہے تھے کہ ایک بوڑھا دیہاتی مل گیا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ مکہ کا لشکر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی روز دشمن کے حالات جاننے کے لیے ایک جاسوسی دستہ بھی روانہ فرمایا جو مہاجرین کے تین قائد، علی بن ابی طالب، زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص رضوان اللہ عنہما صحابہ کرام پر مشتمل تھا۔ وہ سیدھے بدر کے چشمہ پر پہنچے۔ وہاں دو یا تین غلام مکی لشکر کے لیے پانی بھر رہے تھے۔ انہیں

1۔ الرحیق المختوم: صفحہ 285

گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ قریش کے سقے تھے اور ان کے لیے پانی بھرنے کے لیے آئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو انہوں نے بتایا کہ وادی کے آخری دہانے پر جو ٹیلہ نظر آ رہا تھا، قریش اسی کے پیچھے ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کتنے لوگ ہوں گے۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ انہیں معلوم نہیں۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ وہ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن نو اونٹ اور ایک دن دس۔ آپ ﷺ نے فرمایا تب تو لوگوں کی تعداد نو سو سے ایک ہزار کے درمیان ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی معلومات کی خاطر چند اور سوال پوچھے اور فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر کے ٹکروں کو تمہارے پاس لا کر ڈال دیا ہے۔

اسی رات اللہ عزوجل نے ایک بارش نازل فرمائی جو مشرکین پر موسلا دھار برسی اور ان کی پیش قدمی میں رکاوٹ بن گئی، لیکن مسلمانوں پر پھوار بن کر برسی اور انہیں پاک کر دیا نیز ریت میں سختی آ گئی اور قدم ٹکنے کے لائق ہو گئے۔ اللہ نے ان کے دلوں میں سکون بھر دیا۔

مسلمانوں کا بدر کے چشموں پر قبضہ

ان حالات میں رسول اللہ ﷺ نے اسلامی لشکر کو بدر کے چشموں کی طرف حرکت دی تا کہ مشرکین سے پہلے وہاں پہنچ جائیں۔ چنانچہ عشاء کے وقت آپ ﷺ نے بدر کے قریب ترین چشمہ پر پڑاؤ ڈالا۔ اس موقع پر حضرت حباب رضی اللہ عنہ بن منذر نے ایک ماہر فوجی کی حیثیت سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر اس جگہ پر آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے قیام فرمایا ہے تو پھر ہمیں آگے پیچھے ہٹنے کی کوئی گنجائش نہیں یا یہ محض جنگی حکمت عملی کے طور پر ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ محض جنگی حکمت عملی کے طور پر ہے۔ حضرت حباب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ مناسب جگہ نہیں ہے، آپ ﷺ آگے تشریف لے چلیں اور قریش کے سب سے قریب جو چشمہ ہے وہاں پڑاؤ

ڈالیں پھر ہم باقی چشموں کو پاٹ دیں گے اور اپنے چشمہ پر حوض بنا کر پانی بھر لیں گے اور دشمن پانی سے محروم رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے بالکل صحیح مشورہ دیا اور اس کے بعد آپ ﷺ لشکر کو لے کر دشمن کے قریب ترین چشمہ پر قابض ہو گئے۔ پھر صحابہ کرام نے حوض بنایا اور باقی چشموں کو بند کر دیا۔

مسلمانوں نے میدان جنگ کے شمال مشرق میں ایک اونچے ٹیلے پر چھپر تعمیر کیا جہاں اللہ کے رسول ﷺ تشریف فرما ہو کر پورے میدانِ جنگ کو دیکھ سکتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس مرکزی قیادت کے چھپر کی نگرانی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی کمان میں انصاری نوجوانوں کے ایک دستہ کے سپرد کر دی۔

ترتیب لشکر اور شب گذاری

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی ترتیب فرمائی پھر میدان جنگ میں تشریف لے گئے اور لڑائی کے متعلق صحابہ کرام سے گفت وشنید فرمائی، اور وہیں ایک درخت کے تنے کے پاس رات گزاری اور مسلمانوں نے بھی پر سکون اور پر اعتماد طور پر رات بسر کی۔

یہ رات جمعہ 17 رمضان 2ھ کی رات تھی۔ اسلامی لشکر پر اطمینان وسکون طاری ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ سورۂ انفال آیت 11 میں اپنے احسانات بیان فرماتے ہیں کہ اس جنگ بدر میں جب کہ اپنی کمی اور کافروں کی زیادتی، اپنی بے سروسامانی اور کافروں کے پر شوکت سروسامان دیکھ کر مسلمانوں کے دل پر برا اثر پڑ رہا تھا، پروردگار نے اُن کے دلوں کے اطمینان کے لیے اُن پر اونگھ ڈال دی۔[1]

---

[1] تفسیر ابن کثیر، جلد دوم۔ صفحہ 466

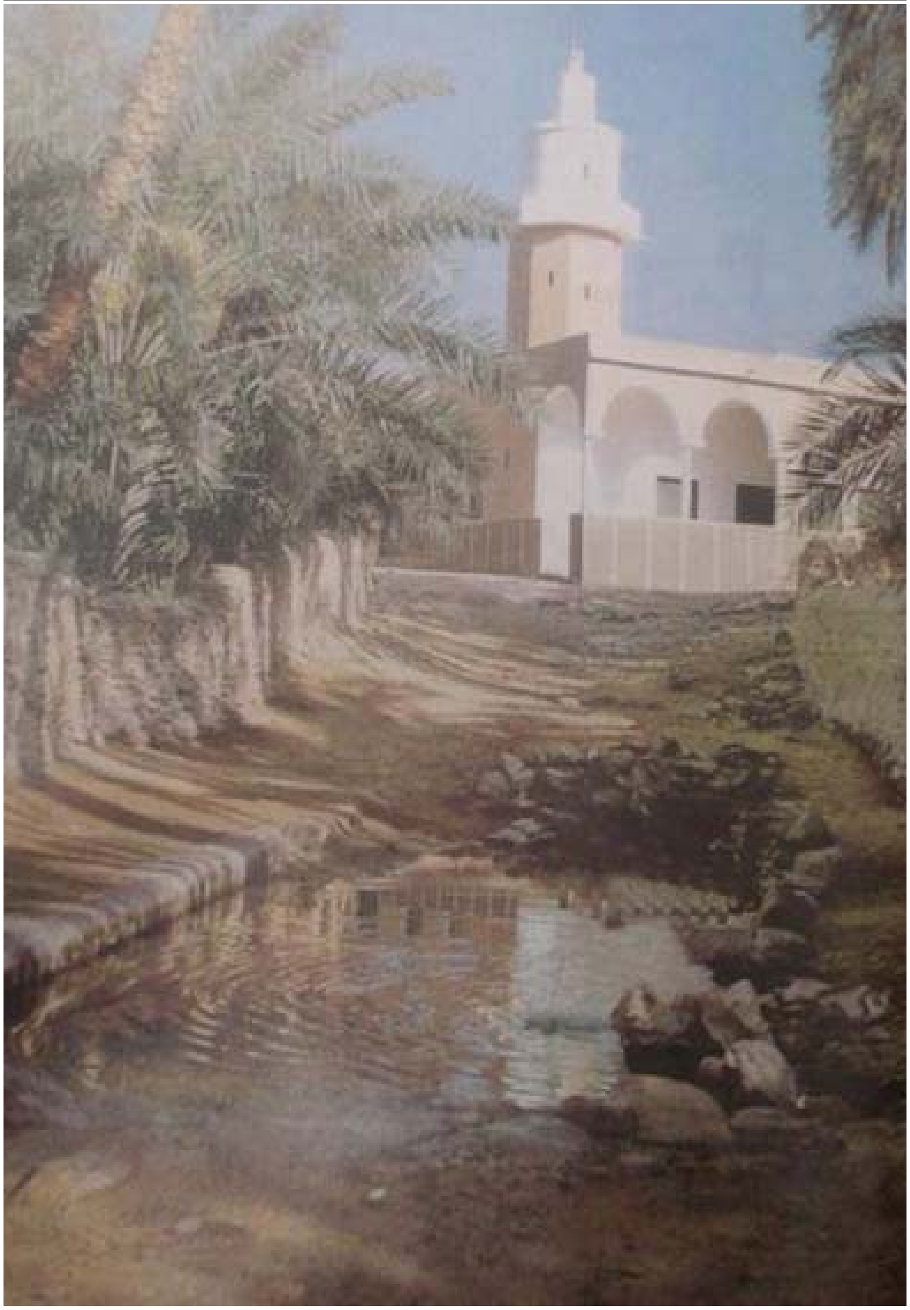

بدر کے مقام پر ایک چشمہ......پس منظر میں مسجد العریش ہے

میدان جنگ میں مکی لشکر کی آمد

قریش نے وادی کے دہانے کے باہر اپنے کیمپ میں رات گزاری اور صبح اپنے تمام دستوں سمیت ٹیلے سے اتر کر بدر کی جانب روانہ ہوئے۔ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کو دکھائی دینے لگیں تو قریش کی فوجی کثرت اور شان وشوکت کو دیکھ کر رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور یوں دعا کی کہ ''اے اللہ، تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما دے۔ اگر آج تیرے ماننے والے ناکام ہو گئے تو آئندہ تیری عبادت کرنے والا کوئی شخص نہ ہوگا۔'' حضور ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ بہت لمبی دعا فرمائی۔ آپ ﷺ کی دعا کی قبولیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اسی وقت وحی کے ذریعہ خبر دی کہ ''میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کروں گا جو آگے پیچھے آئیں گے۔'' (سورۂ انفال، آیت 9)

اس جنگ میں سب سے زیادہ سخت امتحان مہاجرین مکہ کا تھا جن کے اپنے بھائی بند سامنے صف آرا تھے۔ کسی کا باپ، کسی کا بیٹا، کسی کا چچا، کسی کا ماموں، کسی کا بھائی اس کی اپنی تلوار کی زد میں آ رہا تھا اور اپنے ہاتھوں اپنے جگر کے ٹکڑے کاٹنے پڑ رہے تھے۔ اس کڑی آزمائش سے صرف وہی لوگ گزر سکتے تھے جنہوں نے پوری سنجیدگی کے ساتھ حق سے رشتہ جوڑا ہو اور باطل کے ساتھ سارے رشتے قطع کر ڈالنے پر تل گئے ہوں۔ ادھر انصار کا امتحان بھی کچھ کم سخت نہ تھا۔ اب تک تو انہوں نے قریش اور اس کے حلیف قبائل کی دشمنی صرف اس حد تک مول لی تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ دے دی تھی لیکن اب تو وہ اسلام کی حمایت میں اُن کے ساتھ لڑنے بھی جا رہے تھے۔ جس کے معنی یہ تھے کہ ایک چھوٹی سی بستی سارے ملک عرب سے لڑائی مول لے رہی ہے۔ یہ جسارت صرف وہی لوگ کر سکتے تھے جو کسی صداقت پر ایسا ایمان

لے آئے ہوں کہ اس کی خاطر اپنے ذاتی مفاد کی انہیں ذرہ برابر پرواہ نہ ہو۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی صفیں درست فرمائیں۔ آپ ﷺ نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ کو دائیں، دوسرے کو بائیں اور تیسرے کو درمیان میں رکھا۔ اس دور میں یہ حکمتِ عملی معروف نہ تھی۔ درمیان والا حصہ مہاجرین اور ان سرداران انصار پر مشتمل تھا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر موت کی بیعت کی تھی۔ آپ ﷺ نے درمیانی حصہ کے مہاجرین کی قیادت حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور انصار کی قیادت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔ اسلامی فوج کا پرچم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے اس غزوے کا خصوصی شعار ''اَحد۔ اَحد'' کا نعرہ مقرر فرمایا تھا۔ احد اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک نام ہے، کہ جس کا کوئی ثانی نہیں۔

دوسری طرف مشرکین کی فوج اسلحہ سے لیس مبارزت کے لیے تیار تھی۔ ان کے سردار ابو جہل نے اللہ سے فیصلہ کی دعا کی۔ اُس نے کہا کہ اے اللہ ہم میں سے جو فریق قرابت کو زیادہ کاٹنے والا اور غلط حرکتیں زیادہ کرنے والا ہے اسے تو آج توڑ دے اور جو فریق تیرے لیے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے آج اس کی مدد فرما۔

علامہ ابن کثیر سورہ انفال کی آیت 19 کی تشریح بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مکہ سے نکلنے سے پہلے ان مشرکوں نے خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر دعا کی تھی کہ الٰہی! دونوں لشکروں میں سے تیرے نزدیک جو اعلیٰ اور زیادہ بزرگ ہو اور زیادہ بہتری والا ہو، تو اس کی مدد کر۔ پس اس آیت میں ان سے فرمایا جا رہا ہے کہ لو اللہ کی مدد آ گئی۔ تمہارا کہا ہوا پورا ہو گیا۔ ہم نے اپنے نبی کو جو

1۔ تفہیم القرآن، جلد دوم۔ صفحہ 126 2۔ الرحیق المختوم صفحہ 280

ہمارے نزدیک بزرگ، بہتر اور اعلیٰ تھا غالب کر دیا۔[1]

مبارزت

جنگ کا آغاز کرتے ہوئے قریش نے اپنے انتہائی بہادر شہسوار نکالے جو سب ایک ہی خاندان کے تین افراد تھے۔

دوسری جانب سے رسول اللہ ﷺ نے انصار کے تین جری اور بہادر بھیجے مگر قریش نے غرور و تکبر میں آ کر آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ اُن ہی کی قوم سے ان کے ہم عصر اور ہم پلہ لوگوں کو بھیجیں۔ اس کے جواب میں اللہ کے رسول ﷺ نے نہ صرف اپنے ہی خاندان بلکہ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو موت کے دروازے پر دستک دینے کے لیے بھیجا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا ''حمزہ، عبیدہ اور علی'' اُٹھو۔ اُن میں سے ہر کوئی بہادری میں پورے لشکر پر بھاری تھا۔ ان میں دو آپ کے چچازاد بھائی اور تیسرے آپ کے چچا تھے۔ ادھر قریش کے تینوں مبارز عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ یعنی دو بھائی اور ان میں سے ایک کا بیٹا مسلمانوں کے مقابل ہوئے۔ معرکہ آرائی شروع ہوئی اور جلد ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے مدمقابل ولید کا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کا کام تمام کر دیا۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن ربیعہ کا مقابلہ کیا۔ آپ سب سے معمر تھے لیکن عتبہ کے ہر وار کا مقابلہ کرتے رہے اور دونوں نے ایک دوسرے کو گہرے زخم لگائے۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے مدمقابلوں سے فارغ ہو کر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی مدد کو آئے اور عتبہ کا کام تمام کر دیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو سخت زخمی حالت میں اٹھا لائے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ جنگ کے چوتھے یا پانچویں روز جب مسلمان مدینہ واپس ہوئے تو وادیٔ صفراء کے مقام پر انتقال فرما گئے۔

اس مبارزت کا آغاز مشرکین کے لیے انتہائی برا تھا۔ وہ ایک ہی جست میں اپنے تین

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد دوم، صفحہ۔ 473۔ تفسیر آیت 19، سورہ انفال۔

بہترین کمانڈروں اور شہ سواروں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور ان کی صفوں میں مایوسی پھیل گئی تھی۔ انہوں نے گھبراہٹ اور بیچارگی میں بلاسوچے سمجھے یکبارگی حملہ کر دیا۔

دوسری طرف مسلمان اپنے رب سے نصرت اور مدد کی دعا کرنے کے بعد اپنی اپنی جگہوں پر جمے رہے اور دفاعی موقف اختیار کئے رکھا اور مشرکین کے تابڑ توڑ حملوں کو روک رہے تھے اور انہیں خاصا نقصان پہنچا رہے تھے۔

پھر گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی اور لڑائی اپنے عروج پر تھی تو آپ ﷺ نے دیکھا ہر ایک مسلمان کا مقابلہ تین کافروں کے ساتھ ہے اس وقت رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے خوب تضرع کے ساتھ دعاء فرمائی۔ اُدھر اللہ نے فرشتوں کو وحی فرمائی کہ ''میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم اہل ایمان کے قدم جماؤ، میں کافروں کے دل میں رُعب ڈال دوں گا۔'' اور رسول اللہ ﷺ کے پاس وحی بھیجی کہ ''میں ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کروں گا، جو آگے پیچھے آئیں گے۔

مورخین کا کہنا ہے کہ مکہ کی فوج کو مسلمانوں کے مقابلہ میں تعداد اور جنگی ساز و سامان کے لحاظ سے بہت زیادہ فوقیت حاصل تھی، لیکن اُن کے قدم شروع ہی میں اکھڑ گئے تھے جب کہ ان کے تین چوٹی کے جرنیل اور سردار قتل کر دیئے گئے، مزید یہ کہ اپنی فوجی قوت کے زعم میں وہ بغیر کسی منصوبہ بندی کے اپنی طاقت اور اسلحہ کا ضیائع کر رہے تھے۔''

اُدھر رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں اسلامی لشکر کا نظم و نسق بے مثال تھا، اس کی نقل و حرکت اور جنگ کا طریق کار بھی عمدہ تھا۔ سپاہیوں کو سمجھا دیا گیا تھا کہ کہاں اور کس وقت تیر استعمال کرنے ہیں اور کب نیزے اور تلواریں استعمال ہوں گی وغیرہ وغیرہ۔ رسول اکرم ﷺ خود بھی زرہ پہن کر بہ نفس نفیس جنگ کے میدان میں آ گئے تھے اور فوج کو ضروری ہدایات

دے رہے تھے۔ حضور ﷺ نہ صرف مسلمانوں کی ہمت افزائی فرما رہے تھے بلکہ ان کو خوش خبری بھی سنا رہے تھے کہ اللہ کی مدد اس کے فرشتوں کی شکل میں آ گئی ہے اور ان شاء اللہ دشمن کو شکست کا سامنا ہوگا۔

ابوجہل کا قتل

جیسا کہ ذکر آ چکا ہے کہ جنگ کے آغاز میں ہی مشرکین کے لشکر میں اضطراب اور گھبراہٹ پھیل گئی تھی ابوجہل کوشش کرنے لگا کہ اپنے لشکر کا حوصلہ بلند رکھے، وہ اپنے بتوں خاص طور، لات وعزیٰ کی قسمیں دے دے کر ان کی ہمت بڑھانے کی کوشش کرتا رہا، مگر جلد ہی اسے اپنی بے بسی کا احساس ہونے لگا جب مسلمانوں نے اپنے جوابی حملوں کی تندی کے سامنے ان کی صفوں کو الٹنا شروع کر دیا۔ ابوجہل اپنے گھوڑے پر میدان جنگ کے چکر کاٹتا رہا اس نے اپنے گرد مشرکین کا ایک غول جمع کر رکھا تھا اور ان لوگوں نے تلواروں اور نیزوں سے اس کے گرد گھیرا بنایا ہوا تھا۔ لڑائی کے دوران ہی دو نوعمر انصاری بھائیوں نے اس پر حملہ کر کے اسے سخت زخمی کر دیا تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی حالت میں اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور وہ سر رسول اللہ ﷺ کے حضور پیش کیا۔ روایت ہے کہ بعد میں اس کی تلوار رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو عطا کی تھی کیونکہ دونوں نوعمر بھائی اسی جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ اُن نوجوانوں کے نام عوف بن حارث اور معاذ (معوذ) بن حارث تھے[1]

مکی لشکر کی مکمل شکست

جب ان کے سردار ابوجہل کا قتل ہوا تو قریش کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور کافر لوگ نا

1 الرحیق المختوم صفحہ 300، سنن ابی داؤد، باب اجاز علی جریح۔ الخ 373/2۔ (صحیح بخاری، 444/1، 568/1)

صرف مکہ بلکہ ہر سمت بھاگ کھڑے ہوئے۔

مسلمانوں نے ان بھاگتے ہوئے دشمنوں کا تیروں، نیزوں اورتلواروں سے نشانہ کیا، ان کے ستر آدمی مارے گئے اور اتنی ہی تعداد میں قید کئے گئے، جب کہ چودہ مسلمانوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ دراصل کفار کی لڑائی کا مقصد صرف عداوت اور حسد تھا۔ ان کی ساری توجہ اس بات پر مرکوز تھی کہ وہ مسلمانوں کی سرکوبی کر کے تمام دنیائے عرب پر اپنی دھاک بیٹھائیں گے اور فتح حاصل کرنے کے بعد بقول ابوجہل کے شراب پینے پلانے، رقاصاؤں کا رقص کرانے اور طرب ونشاط کی محفل سجانے کی قسم پوری کریں گے۔[1] جب کہ مسلمانوں نے وہاں نمازیں ادا کیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ و زاری کی اور اسلام کی سربلندی کے لیے دعائیں کیں۔

ان دونوں جماعتوں کے درمیان یہ واضح فرق تھا کہ ان میں سے ایک جماعت اطمینان و سکون سے مالا مال ہوکر بلندیوں کو چھو رہی تھی تو دوسری جماعت تنگی و اضطراب میں مبتلا ہوکر دنیا کی پستیوں میں جا گری تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں اور مسلمانوں کے جذبہ ایمانی کی وجہ سے یہ بے سروسامان جماعت اللہ تعالیٰ کی محبوب و پسندیدہ جماعت بن گئی۔ اسی وجہ سے اللہ نے رسول اللہ ﷺ اور ان کی مختصر اور کمزور جماعت کی مدد ایک ہزار فرشتوں سے کی تا کہ اللہ کا دین دن دگنی رات چگنی ترقی کر سکے۔ یہی وہ ابتداء تھی جس کی وجہ سے چند ہی سالوں میں یہ دین دنیا کے بیشتر متمدن ملکوں پر حق و انصاف کے ساتھ حکمرانی کرتا رہا۔

1۔ نور سرمدی محمد فتح اللہ گولن: جلد دوم 72

جنگ بدر کے چودہ شہدا کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

-1	مہجعؓ بن صالح	قوم عک سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت عمر فاروق کے آزاد کردہ غلام تھے۔
-2	عبیدہؓ بن حارث	شہادت کے وقت عمر 63 سال تھی۔ سب سے پہلے اسلامی سریہ کے سردار بھی بنائے گئے تھے۔
-3	عمیرؓ بن ابی وقاص	یہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے بھائی ہیں۔ شہادت کے وقت ان کی عمر 16 سال کی تھی۔ نبی ﷺ نے ان کو چھوٹے ہونے کی وجہ سے جنگ سے واپس کرنا چاہا تو یہ رونے لگے اس لیے آپ نے اجازت دے دی۔
-4	عاقلؓ بن بکیر	
-5	عمیرؓ بن عبد عمرو	ذوالشمالین آپ کا لقب تھا۔ بنو زہرہ کے حلیف تھے۔
-6	عوفؓ بن حارث	
-7	معوذؓ بن حارث	یہ عوف بن حارث کے بھائی ہیں۔
-8	حارثؓ یا (حارثہ) بن سراقہ	آپ کے حلق میں تیر لگا تھا۔
-9	یزیدؓ بن حارث یا (حرث) بن قیس بن مالک	انصاری صحابی ہیں۔
-10	رافعؓ بن معلیٰ	یہ بھی انصاری صحابی ہیں۔
-11	عمیرؓ بن حمام	حضرت عبیدہ بن حارث کے ساتھ مواخات[1] تھی۔ دونوں نے ہی سرخرو ہو کر شہادت کو گلے لگایا۔

-1 مواخات = بھائی چارہ، بھائی بندی

12- عمارؓ بن زیادہ بن رافع یہ انصاری صحابی ہیں

13- سعدؓ بن خیثمہ انصاری ان کے والد خیثمہ غزوہ احد میں شہید ہوئے۔

14- مبشرؓ بن عبد منذر یہ انصاری صحابی ہیں۔

بدر کے مقام پر نصب کتبہ جس پر شہدائے بدر کے نام درج ہیں

جنگ بدر کے قیدیوں سے سلوک

رسول اللہ ﷺ کی بدر سے مدینہ تشریف آوری کے ایک دن بعد جنگی قیدیوں کی آمد ہوئی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے رائے مانگی، حضرت ابوبکرؓ نے سفارش کی کہ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اس طرح آئندہ کے جنگی اخراجات کے لیے رقم بھی دستیاب ہو جائے گی اور ہو سکتا ہے اللہ رب العزت ان لوگوں کو اسلام قبول کر لینے کا شرف بخش دیں۔ حضرت عمرؓ نے اس رائے کے خلاف مشورہ دیا کہ سب کے سر قلم کر دیئے جائیں کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کی ہے۔ تاہم اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی وسیع القلبی اور دور اندیشی کی عادت کی بناء پر حضرت ابوبکرؓ کی رائے مان لی اور فدیہ کی ادائیگی کی شرط پر ان کو رہا کرنے کا فیصلہ فرمایا، فدیہ کی رقم ایک ہزار سے لے کر چار ہزار درہم تک مقرر تھی۔

جو قیدی فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے اور خود پڑھے لکھے تھے، وہ دس بچوں یا ان پڑھ بڑوں کو لکھنا پڑھنا سکھلا کر رہائی حاصل کر سکتے تھے، البتہ بعض مجبور اور غریب قیدیوں کو بغیر فدیہ لیے بھی رہا کیا گیا تھا۔ ان میں مطب بن حطب، صیفی بن ابی رفاعہ اور ابوعزہ جمحی شامل تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے داماد ابوالعاص کو بھی اس شرط پر بلا فدیہ چھوڑ دیا کہ وہ حضرت زینبؓ کی راہ نہ روکیں گے۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ حضرت زینبؓ نے ابوالعاص کے فدیہ میں کچھ مال بھیجا تھا جس میں ایک ہار بھی تھا۔ یہ ہار درحقیقت اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کا تھا اور حضرت زینب کی رخصتی پر انہیں یہ ہار ملا تھا، جب رسول اکرم ﷺ نے اسے دیکھا تو آپ پر رقت طاری ہوگئی اور آپ نے صحابہ کرامؓ سے اجازت چاہی کہ ابوالعاص کو چھوڑ دیں۔ صحابہ نے اسے بسروچشم قبول کر لیا۔ ابوالعاص کو اس شرط پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ حضرت زینبؓ کی راہ چھوڑ دیں گے اور یوں حضرت زینبؓ نے ہجرت فرمائی۔[1]

1۔ الرحیق المختوم: صفحہ 315

مدینہ میں ان قیدیوں کو رکھنے کے لیے کوئی خاطر خواہ جگہ نہ تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انہیں صحابہ کرام میں تقسیم فرما دیا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت فرمائی۔ اس نصیحت کے نتیجہ میں صحابہ کرام نے ان قیدیوں کو اپنے عزیزوں سے بھی بہتر سلوک کے ساتھ رکھا۔ مغربی مورخین نے بھی قیدیوں کے ساتھ مسلمانوں کے اس حسن سلوک کو نمایاں طور پر سراہا ہے۔

مشہور تاریخ دان سر ولیم مائیر لکھتا ہے کہ ''محمد ﷺ کے حکم کی تعمیل میں اہل مدینہ اور وہ مہاجرین جو اپنے گھر رکھتے تھے ان کو قیدی تقسیم کئے گئے اور انہوں نے ان کے ساتھ بہترین سلوک کیا۔ ایک قیدی نے بعد کے دنوں میں کہا کہ، مدینہ کے لوگوں پر اللہ کی رحمت ہو، انہوں نے ہمیں سواری دی جب کہ وہ خود پیدل چلتے تھے۔ وہ ہمیں گندم کی روٹی دیتے تھے جب کہ وہ قلیل مقدار میں میسر تھی اور خود کھجوروں پر گزر کرتے تھے۔ یہ بات حیران کن نہ تھی کہ جب ان کے عزیز ان کی رہائی کے لیے فدیہ لے کر آتے تو اکثر قیدی مسلمان ہونے کا اعلان کر دیتے۔ مسلمانوں کے حسن سلوک کا دیرپا اور مثبت اثر ان لوگوں پر بھی ہوا جنہوں نے فوری طور پر اسلام قبول نہیں کیا تھا''[1]

رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر سے بھلائی کا پہلو نکالا۔ اس دور میں جس کے پاس طاقت ہوتی تھی وہ دوسروں کو وحشیانہ ظلم وستم کا نشانہ بناتا تھا۔ لیکن جب مسلمانوں کو غزوہ بدر میں فتح نصیب ہوئی تو انہوں نے انسانی اقدار کی اعلیٰ ترین مثال قائم کی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی بلند اخلاقی اور اعلیٰ ظرفی کا نتیجہ تھی۔

قیدیوں سے درگزر کرنے کے مثبت اثرات

1- قیدیوں کے فدیے کے مطالبے کو مشرکین نے بخوشی قبول کر لیا تھا۔ اس فدیہ کا لینا دراصل جو مال مسلمانوں نے ہجرت کے وقت مکہ میں ہی چھوڑا تھا، اس کے کچھ حصہ کی وصولی تھا

1 (Sir, william Muir, The Life of muhamned, London, 1877

جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا کیا۔

2- مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں خواندگی کی شرح انتہائی پست تھی، حالانکہ مستقبل میں علم اور دین کی نشر و اشاعت میں ان کے کردار کے پیش نظر ان کا پڑھے لکھے ہونا اشد ضروری تھا۔

3- جن لوگوں نے مسلمانوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھانا تھا، انہیں مدینہ ہی میں ٹھہرنا تھا اس طرح ان کو اسلام کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملنا تھا اور جب وہ مکہ واپس لوٹتے تو وہ لوگ اپنے گھروں میں خدا اور رسول اللہ ﷺ کا داعی ثابت ہوتے۔ مثلاً ابو جہل کے بھائی ابن ہشام قبول اسلام تک دوبارہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہ ہوئے، کیونکہ ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے عفو و درگزر اور مروت کے برتاؤ نے انہیں آپ ﷺ کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر شرمندہ کر دیا تھا۔

4- مسلمانوں کا قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک ایک انہونی بات تھی جو کوئی اچھے سے اچھا شخص بھی اپنے جنگی دشمن کے ساتھ روا نہ رکھتا تھا یہی وجہ ہے کہ رسول خدا کا قیدیوں کے ساتھ ایسا برتاؤ موجودہ دور میں بھی غیر مسلم محققین تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یورپ امریکہ اور دوسرے ممالک جب بھی دنیا میں آج تک ہونے والے انبیاء بڑے بڑے مصلحین اور لیڈران کی فہرست ترتیب دیتے ہیں تو ہمیشہ ہی سرفہرست رسول اللہ ﷺ کا نام رکھتے ہیں۔

جنگ بدر کی اہمیت اور اسلامی تاریخ پر اثرات

1- جنگ بدر اسلامی معرکوں میں سے ان معدودے چند معرکوں میں شامل ہے جس کا ذکر قرآن نے نام لے کر صراحت کے ساتھ کیا ہے اور اس غزوہ کا جنگ احد کے ساتھ موازنہ بھی کیا ہے۔ یہ جنگ روئے زمین کی واحد جنگ ہے جہاں اللہ نے اپنے فرشتوں کو براہ راست لڑائی میں حصہ لینے کا حکم فرمایا اور فتح کے بعد مسلمانوں کو شکرگزار ہونے کی تلقین فرمائی۔

مشہور عالم دین اور مترجم قرآن عبداللہ یوسف علی کے مطابق شکرگزاری کا مطلب نظم وضبط (ڈسپلن) بھی ہوسکتا ہے کیونکہ بدر کی جنگ میں مسلمانوں نے اعلیٰ نظم وضبط کا مظاہرہ کیا تھا جب کہ جنگ احد میں وہ اس پر مکمل طور پر کار بند نہ ہوئے تھے۔

جنگ بدر ہجرت کے دوسرے سال ہی میں واقعہ ہوئی تھی، اس وقت مسلمان انتہائی تنگی کا زمانہ گزار رہے تھے۔ میدان جنگ میں جانے والی فوج کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے کہ تعداد اور فوجی سامان کی قلت ہر مسلمان سپاہی کے لیے تشویش کا باعث بنی ہوئی تھی دوسری طرف کفار کی فوجی آن بان سے بھی وہ از حد متفکر تھے۔ اللہ کے رسول نے اس حالت میں دعا فرمائی کہ ''اے اللہ اگر آج یہ گروہ ہلاک ہوگیا تو رہتی دنیا تک کوئی بھی تیرا نام لیوا نہ رہے گا۔'' رب العزت نے بھی اپنے رسول ﷺ کی اس دعا کو فوری طور پر قبول فرمایا اور فرشتوں کو اہل ایمان کی مدد کرنے کے لیے روانہ کیا۔

2- فتح بدر کے بعد مسلمانوں میں ایک بڑا اور اہم مسئلہ کھڑا ہوگیا تھا، جو جنگ میں ملے ہوئے مال کی ملکیت اور اس کی تقسیم کے متعلق تھا۔ کیوں کہ جنگ بدر اسلام کی پہلی منظّم جنگ تھی اور اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی رہنمائی نہ ملی تھی کہ غنائم کی ملکیت اور تقسیم کا طریقہ کار کیا ہونا چاہیے اور ابھی تک مسلمان بھی عرب قبائل کے پرانے طریقہ کو ہی اپنائے ہوئے تھے۔

اس فتح کے بعد مال غنیمت کے تین دعویدار پیدا ہو گئے تھے، ایک وہ گروہ جو زمانہ جاہلیت کے طریقہ یعنی جس نے جو لوٹ لیا وہ اسی کا ہو گیا کے مصداق اپنا حق جتا رہے تھے، دوسرا فریق وہ گروہ تھا جس نے جنگ کے بعد دشمن کا پیچھا کر کے اسے مار بھگایا اور اہل مدینہ کو محفوظ کیا تھا اور تیسرا فریق وہ جو جنگ کے دوران رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر مامور تھا۔ تاریخ میں ذکر ہے کہ مسلمانوں میں یہ تنازعہ نہایت شدت اختیار کر گیا تھا اور کوئی ایک فریق بھی اپنے حق سے دستبردار

ہونے کو تیار نہ تھا اور اس نزاع نے از حد تلخی اختیار کر لی تھی۔ اسی موقع پر اللہ نے سورۂ انفال نازل فرمائی جس کو جنگ بدر پر الٰہی تبصرہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

اس سورت کی ابتداء ہی انفال کے نام سے کی گئی ہے نہ کہ غنائم کے لفظ سے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ''تم سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں'' پھر اللہ تعالیٰ نے اوپر بیان شدہ قضیہ، کا فیصلہ فرما دیا اور ان کو اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت قرار دے دیا۔ انفال جمع ہے نفل کی اور عربی زبان میں نفل اس کو کہتے ہیں جو واجب یا حق سے زائید ہو۔ اسلامی عقیدہ کے مطابق مسلمانوں کی جنگ دنیا کے مادی فوائد بٹورنے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ وہ اس کا اجر آخرت میں پائیں گے، مگر اللہ اپنے کرم سے اکثر اوقات مومنوں کو دنیا میں بھی انعام و اکرام سے نوازتا ہے جو اجرِ آخرت کے انعام کے علاوہ ہوتا ہے اور انفال کہلاتا ہے۔ اسی سورۂ کی آیت نمبر ۴۱ میں ان اموال کی تقسیم کا طریقہ بھی وضع کر دیا گیا ہے۔ اس مال کی تقسیم کے وقت انہیں غنائم یعنی مال غنیمت کا نام دیا ہے۔

3- یہ جنگ کفر و اسلام کے مابین پہلی اور سب سے اہم جنگ تھی اور اللہ نے بھی اپنے دین کی مضبوطی اور ترقی کے لیے اس جنگ کا ہی انتخاب فرمایا تھا۔ جنگ سے پہلے اور جنگ کے دوران خدائی مدد ہر آن مسلمانوں کے شامل حال رہی۔ بارش کا برسنا، ان پر اونگھ کا طاری ہونا اور دلوں میں سکون بھر دینا وغیرہ یہ تمام انعام اسی ذات باری کی طرف سے تھے اور یہ جنگ اسلام کی بقاء کے لیے فیصلہ کن بنا دی گئی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں کہ ''واٹر لو میں بارش نہ ہوئی ہوتی تو یورپ کا سیاسی نقشہ بدل جاتا، لیکن اگر بدر میں نہ ہوئی ہوتی تو کیا ہوتا؟ تمام کرہ ارض کی ہدایت و سعادت کا نقشہ ہی پلٹ جاتا۔''[1]

---

[1] ترجمان القرآن: جلد دوم صفحہ 107، تشریح آیت 11 سورہ الانفال (مولانا ابوالکلام آزاد)

بعض یورپی مورخین اس جنگ میں رونما ہونے والے غیر معمولی واقعات کی وجہ سے اسے غیبی مدد (Divine Intervention) کا نام دیتے ہیں۔ امریکن مورخ ہربرٹ برگ لکھتا ہے کہ اس جنگ کی تاریخ زیادہ تر قرآن، احادیث نبوی اور محمد ﷺ پر لکھی گئی سوانعمریوں پر مبنی ہے جو جنگ کے چند سالوں بعد ہی لکھی گئی تھیں۔[1]

مسلمانوں کو اللہ کے دین کے علم بردار اور حق وسچائی کے وارث کے طور پر نامزد کیا گیا تھا۔ اب یہ ایک ایسی قوم بن گئی تھی جس کو نہ صرف اللہ کے رسول کی سرپرستی میسر تھی بلکہ ان کی ہر لمحہ کی تربیت نے انہیں جلد ہی اس مقام پر پہنچا دیا کہ عرب وعجم کے لوگ اللہ کے دین میں داخل ہونے کو باعث افتخار سمجھنے لگے تھے۔

مدینہ اب مدینۃ الرسول کے نام سے جانا جاتا تھا، ایک بدو قوم نے انتہائی، مہذب، با اخلاق اور کامیاب حکومت کی بنیاد رکھ دی تھی جو حق اور انصاف کی علم بردار بھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت سے آج تک تمام مہذب دنیا میں ایک عادل حکمران، عظیم ریفارمر اور اعلیٰ پایہ کے فوجی کمانڈر کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ اللہ کی تائید ونصرت اس مختصر جماعت کے ساتھ ہر وقت رہتی تھی، دوست دشمن سب ہی آپ ﷺ کی عظمت کے معترف ہیں۔

4- اس جنگ میں مسلمان فوج کی تعداد کفار مکہ کے لشکر کے مقابلہ میں بہت ہی کم تھی لیکن جس پامردی سے اللہ کے سپاہیوں نے اپنے سے تین گنا مضبوط دشمن کو چند ہی گھنٹوں میں زیر کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ عرصہ دراز سے یورپین مورخ اس جنگ کا ذکر کرتے ہوئے حیرت کا اظہار کرتے ہیں کہ ایک مختصر اور بے سروسامان فوج اتنی بڑی طاقت کو کیسے شکست دے سکتی ہے اور پھر خود ہی رسول اکرم ﷺ کی قائدانہ صلاحیت اور اسلامی مجاہدوں کی بہادری کے گن

1- The develppment of exegesis in early islam: the authenticity of Muslim By Herbert Berg.

گاتے ہیں۔ اس جنگ میں گو تمام فوج بہادری سے معرکہ آرا رہی تھی لیکن تاریخ دان حضرت علی اور حضرت حمزہ رضوان اللہ عنہا کی بہادری اور شجاعت کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں اور جنگ بدر کی کامیابی میں ان کا کردار کلیدی قرار دیتے ہیں۔

جنگ بدر اور اسلام کے بارے ممتاز غیر مسلم شخصیات کی آراء

مشہور برطانوی مورخ مارگولیوتھ جنگ بدر کے بارے لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اس عظیم جنگ کی فتح میں حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ کی بہادری اور شجاعت کا بڑا حصہ تھا اور نبی ﷺ نے بعد از جنگ ان دونوں کی شجاعت کی تعریف فرمائی تھی اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا فرمائی تھی۔[1]

ایک امریکی تاریخ دان، ایف۔ای۔ پیٹرز لکھتا ہے کہ ''فتح بدر مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑی نفسیاتی کامیابی ہی نہ تھی بلکہ اس جنگ نے مہاجر مسلمانوں کی مالی تنگدستی اور پریشانیوں کو بھی مال غنیمت کی صورت میں کافی حد تک کم کر دیا تھا۔ قریش کا جانی نقصان بہت زیادہ تھا، خاص طور ان کے روساء کی ایک بڑی تعداد ہلاک کر دی گئی تھی جس کی وجہ سے ان کی قیادت ہمیشہ کے لیے مفلوج ہو گئی تھی۔ اس جنگ کے مال غنیمت میں سے ایک ایسی تلوار بھی ملی تھی جس نے تاریخ اسلام میں بہت شہرت حاصل کی ہے جو الذوالفقار کے نام سے جانی جاتی ہے''۔[2]

اس وقت یہ تلوار ترکی کے شہر استنبول کے مشہور میوزیم (عجائب گھر) توپ کپئی میں دیگر اسلامی تبرکات کے ساتھ محفوظ رکھی ہوئی ہے۔ تمام عالم اسلام میں بدر کا نام فتح کی علامت سمجھا جاتا ہے اور اس نام کے ساتھ روحانی اقدار بھی شامل ہو گئی ہیں۔ اکثر مسلم ممالک اپنی فوجی

1- Mohammed and the rise of Islam 1913 by S.Margoliouth.

2- Allah's' common wealth, 1973 by F.E.Peters

مہمات کو بدر کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ مصر کی فوج نے 1973ء کی کارروائی میں یہی نام استعمال کیا تھا، اسی طرح پاکستان اور دیگر مسلمان ممالک بھی اپنی فوجی کارروائیوں یا مشقوں کا نام اسی جنگ کی مناسبت سے رکھتے ہیں۔

برطانوی مورخ مارگو لیوتھ اپنی کتاب میں مزید لکھتا ہے کہ تاریخ اسلام میں کوئی واقع بھی جنگ بدر سے بڑھ کر نہیں ہے اور قرآن نے صحیح طور پر اس کو یوم نجات (Day of deliverance) کہا ہے کہ یہ وہ دن ہے جس سے پہلے مسلمان کمزور تھے مگر اس دن کے بعد وہ طاقتور بھی ہو گئے اور دولت، عزت وشہرت ان کے پاؤں چھونے لگ گئیں۔[1]

مورخ ''طور اندرے'' لکھتا ہے کہ بدر کی جنگ تاریخ اسلام ہی کی نہیں بلکہ دنیا کی تمام تاریخی جنگوں میں اہم ترین ہے۔ بدر کی فتح نے مسلمانوں کو ان کی بقاء کی گارنٹی ہی نہیں دی تھی بلکہ مدینہ کے مسلمانوں کو زندہ رہنے کی ضمانت بھی مل گئی تھی جو بعد میں ایک بہترین قوم ثابت ہوئی۔[2]

یہ جنگ اسلام کی مستقبل میں ترقی اور عروج کے لیے ایک مضبوط زینہ ثابت ہوئی۔ یورپی مورخ اور دانشور اے نکلسن کے مطابق یہ جنگ مسلمانوں کے لیے ایک بہت لمبی دوڑ (Marathon) کی حیثیت رکھتی ہے۔[3] یعنی اس جنگ سے اسلامی عروج تک کا فاصلہ طے کرنا مسلمانوں کی مستقل جدوجہد اور کاوش کو ظاہر کرتا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کی تربیت اور تعلیم سے اللہ کے کھلاڑی اس لمبی دوڑ کے اختتامی فیتہ کو کامیابی سے عبور کر گئے تھے۔

1- Mohammed and the rise of Islam 1913 by S.Margoliouth.

2- Mohammed the man and his Faith, 1960 by Toor Andre.

3- A Literary History of the Arabs, 1969 by A.Nicholson

ENCYCLOPAEDIA BRITANNICA

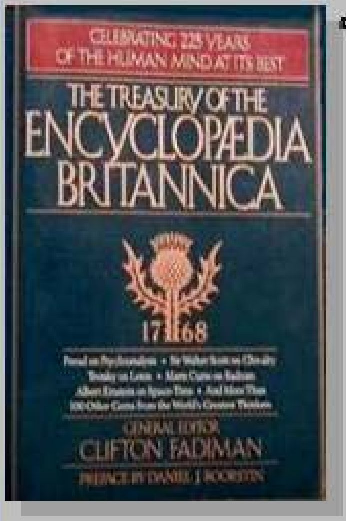

".... A mass of detail in the early sources show that he was an honest and upright man who had gained the respect and loyalty of others who were like-wise honest and upright men." (Vol. 12)

MUHAMMAD is the most successful of all Prophets and religious personalities."

انسائکلو پیڈیا برطانیہ کا رسول اللہ ﷺ کی ذات پر تاثر

رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی اعلیٰ اقدار کے متعلق عالمی شخصیات کی رائے:

1- جارج برناڈ شاہ George Bernard Shaw

(1856-1950)

ڈرامہ نویس، نقاد اور دانشور۔ (آئیر لینڈ)

''میں نے ان پر تحقیق کی، وہ ایک بہترین انسان ہیں اور میری دانست میں عیسائیت کی مخالفت سے بہت دور ہیں، انہیں انسانیت کا نجات دہندہ کہنا چاہیے۔ اگر کسی بھی مذہب کو انگلستان بلکہ نہیں، یورپ پر حکمرانی کا موقع مل سکتا ہے، تو وہ اسلام ہی ہے''۔

(The Genuine Islam. vol.1, No.8 1936)

2- بوس ورتھ سمتھ ریجینالڈ Bosworth Smith, Reginald.

(1839-1908)

مصنف اور دانشور۔ (انگلستان)

''وہ اپنی ذات میں سیزر اور پوپ تھے، مگر پوپ کسی دعویٰ کے بغیر اور سیزر کسی بھی شان وشوکت کے بغیر۔ ان کے پاس نہ فوج تھی، نہ محافظ نہ محلات اور نہ ہی ذرائع معاش۔ اگر کسی شخص کو یہ دعویٰ کرنے کا حق دیا جائے کہ وہ کہے کہ اس کی فرمانروائی محض ربانی مدد کی مرہون منت ہے تو وہ صرف محمد ﷺ ہی ہو سکتے ہیں، جن کو مکمل طاقت بغیر دنیاوی اسباب کے میسر ہوئی۔'' انہوں نے چودہ سو سال میں جس کام کی تکمیل کی ہے، اس کا اظہار دنیا کی صرف پندرہ ممتاز ہستیوں کے اقتباسات کو چند تختیوں پر لکھ کر پیش کرنے سے مکمل نہیں ہوتا۔

خدا نے 6000+ آیات کے ذریعہ جو پیغام ان کو دیا تھا یہ کام ان کا نچوڑ ہے۔

3- مائیکل ایچ ہارٹ Michael H.Hart

. (1932)

مصنف و ماہر اجرام فلکی (امریکہ)

''محمد (ﷺ) کے متعلق دنیا کے سب سے بااثر شخص ہونے کا میرا انتخاب شاید کچھ قاری صاحبان کو حیران کر دے اور چند دوسرے بھی یہ سوال اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن وہ تاریخ میں واحد شخصیت ہیں جو دینی اور دنیاوی سطح پر کامیاب ترین انسان تھے۔''

(A Ranking of The most influential persons in history, Newyork 1978, p.33)

4- نپولین بونا پارٹ Napoleon Bonaparte

(1769-1821)

(فرانسیسی فوجی وسیاسی لیڈر شہنشاہ فرانس)

''میری دانست میں وہ وقت دور نہیں، جب میں دنیا کے انتہائی زیرک اور تعلیم یافتہ لوگوں کو اکٹھا کروں گا اور قرآن کے اصولوں پر مبنی ایک ایسا عادلانہ نظام ترتیب دوں گا جو انسانیت کی خوشیوں کے لیے یکتا ہوگا۔''

(Quoted In Christian Cher Fils Bonaparte ET Islam Paris 1914)

5-لامارٹائین Lamrtine.

(1790-1869)

(ایک مشہور فرانسیسی تاریخ دان)

''اگر اعلیٰ مقصد، وسائل کا فقدان اور حیران کن نتائج ہی اعلیٰ دماغی کا معیار ہوں، تو کس کی مجال ہے کہ موجودہ تاریخ میں محمد (ﷺ) کے ساتھ کسی اور بڑے شخص کا مقابلہ کر سکے......''

(Speaking on The Essentials of human greatness wonders:)

6- پروفیسر، کرسٹائین سنوک ھرگرونجی Christaian Snouck Hurgronje.

(1857-1936)

ایک ولندیزی دانشور۔ ماہر مشرقی تہذیب (Oriental Culhres)۔ (ہالینڈ)

''حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی کسی بھی قوم نے اسلام کی ان کوششوں کے برابر کبھی کچھ نہیں کیا جیسا اسلام نے اقوام عالم کو متحد رکھنے کے تصور کی پذیرائی کی......''

7- ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon)

(1737-1794)

برطانوی تاریخ دان، مصنف اور ممبر پارلیمنٹ (انگلستان)

''نبی (ﷺ) کی عزت اور وقار نے کبھی بھی انسانیت کی تحریم وتعظیم کا تجاوز نہیں کیا ہے، ان کا ہر فرمان شکر گزاری کے عمل کو عقلی اور دینی اقدار کے اندر رہنے کی ہدایت کرتا ہے......''

(History of The Saracenempires, London, 1870, P.54)

8- تھامس کارلائیل (Thomas Carlyle)

(1795-1881)

فلاسفر، طنز نگار، مورخ اور استاد (سکاٹ لینڈ)

''اِس شخص (ﷺ) کے خلاف مغرب کے ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت بہتان بازی کا ایک انبار کھڑا کیا گیا، جو ہمارے لیے باعث شرم ہے۔ ایک اکیلے شخص نے کس طرح باہمی لڑائیوں میں ملوث قبائل اور خانہ بدوش بدوؤں کو صرف دو عشروں ہی میں ایک عظیم اور مہذب قوم میں تبدیل کر دیا تھا......ایک سنجیدہ اور عظیم ہستی، جو اپنے مقصد کا شیدائی تھا۔ انہیں دنیا کو روشن کرنا تھا اور خالق دنیا نے یہ طے کر رکھا تھا......''

(In His Book: Heroes And Heroworship)

9- سروجنی نائیڈو (Sarojini Naidu)

(1879-1949)

شاعرہ، مضمون نگار اور دانشور (ہندوستان)

''یہ دنیا کا پہلا مذہب ہے جس نے نہ صرف جمہوریت کی تلقین کی، بلکہ اس پر عمل بھی کیا۔ جب آذان کی آواز بلند ہوتی ہے اور نمازی آپس میں اکٹھے ہوتے ہیں تو اسلامی جمہوریت روزانہ پانچ بار عمل میں آتی ہے، جب ایک کسان اور شہنشاہ اکٹھے دوزانو ہو کر یہ اعلان کرتے ہیں۔ ''اللہ سب سے بڑا ہے......''

(Ideals of Islam, Vide Speeches & Writings, Madras, 1918)

10- اینی بیسنٹ (Annie Besant)

(1847-1933)

مصنفہ، مقرر، صوفیانہ خیال کی مالک اور سوشلسٹ۔ (انگلستان)

''کوئی بھی شخص، جو عرب کے اس عظیم پیغمبر کی سوانح حیات اور کردار کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ اس جلیل القدر خالق کے فرستادہ کے احترام میں کھو جاتا ہے، گو میں آپ کے سامنے بہت سی باتیں رکھوں گی۔ جو غالباً بہت سوں کو معلوم بھی ہوں گے، تاہم جب بھی میں خود ان کو بار بار پڑھتی ہوں تو عرب کے اس انتہائی محترم معلم کی تعظیم و تکریم کے کئی در کھل جاتے ہیں......''

(The Life and Teaching of Muhamad)

11- سٹینلے لین پول (Stanley Lane-Poole)

(1854-1931)

ماہر آثار قدیمہ، مشرقی تہذیب کا دلدادہ۔ (انگلستان)

''جنہوں نے انہیں دیکھا، وہ دیکھتے ہی ان کی تعظیم و تکریم میں ڈوب گئے، وہ جو ان کے قریب آئے، ان سے محبت کرنے لگے۔ جنہوں نے ان کا ذکر کیا تو کہا، 'میں نے ان جیسا نہ پہلے دیکھا تھا نہ اب۔ وہ بہت کم گو تھے، لیکن جب بولتے تو انتہائی موثر انداز اور استدلال کے ساتھ اور کوئی بھی ان کی گفتگو کو فراموش نہ کر سکتا تھا......''

(In Speeches and Table Talk of the Prophet Muhammad)

12- واشنگٹن ارونگ (Washingtun Irving)

(1783-1859)

افسانہ نویس، مضمون نگار، تاریخ دان اور سفارت کار۔ (امریکن)

''انہوں نے اپنے انتہائی عروج کے دوران بھی وہی سادہ بود و باش رکھی جو انہوں نے اپنے مشکل ترین دنوں میں اختیار کر رکھی تھی۔ شاہانہ طرز بیان یا کوئی غیر معمولی توقیر ملنا انہیں ناپسند تھا......''

13- پروفیسر جولیس میسرمان (Prof Jules Masserman)

(1905-1994)

دماغی ونفسیاتی امراض کا معالج۔ سابق صدر امریکن تنظیم برائے نفسیاتی امراض۔ (امریکہ)

''پاسچر اور ساک پیشوائی اور رہنمائی کے پہلے درجہ پر آتے ہیں۔ گاندھی اور کنفوشس ایک طرف اور سکندر، سیزر اور ہٹلر دوسری طرف، یہ سب دوسرے یا شاید تیسرے درجہ پر آتے ہوں گے۔ عیسیٰ اور بدھا صرف تیسرے درجہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر تمام زمانوں کے سب سے بڑے پیشواء اور راہنما، محمد (ﷺ) ہی ہوں گے، جو ان تینوں درجات کو اکٹھا کرنے کے بعد ہی آتے ہیں۔ موسیٰ بھی اس درجہ میں کچھ کمی کے بعد ہی آئیں گے۔

14- مہاتما گاندھی (Mahatma Gandhi)

(موہن داس کرم چند گاندھی)

(1869-1948)

موجودہ ہندوستان (بھارت) کے بانی، سیاست دان اور بانی تحریک عدم تشدد

''مجھے اس شخص کی تلاش تھی، جس نے موجودہ دور میں بھی کسی اختلاف کے بغیر کروڑوں بنی نوع انسان کا دل موہ لیا ہو...... میں مکمل طور پر مطمئن ہوں کہ اسلام کی کامیابی میں تلوار کا دخل نہ تھا، بلکہ یہ پیغمبر (ﷺ) کی انتہائی سادگی، ارادہ کی پختگی، وعدوں کی پاسداری، بے خوفی و بے باکی، ان کا اللہ پر غیر متزلزل ایمان اور اپنے مشن پر یقین تھا......''

(نوعمر ہندوستان۔Young India)

15- انسائیکلوپیڈیا برطانیہ (Encyclopaedia Britannica)

(225 سالہ قدیم) (برطانیہ)

انسائیکلوپیڈیا: (ایک کتاب (مجموعہ) جو علم و دانش کے تمام شعبوں کی تفصیل بیان کرتی ہے)

''ابتدائی ذرائع سے کثیر تعداد میں ملنے والی تفصیلات بتاتی ہیں، کہ وہ ایک دیانت دار اور راست باز شخص تھے، ان کی عزت اور وفاداری کرنے والے بھی وہ تھے جو ان ہی کی طرح دیانت دار اور راست باز تھے۔ (جلد 12)

''محمد ﷺ تمام انبیاء اور دینی شخصیات میں کامیاب ترین انسان تھے۔''

16- کنور مہندر سنگھ بیدی (Kunwar Mohinder Singh Bedi)

(1998-1909)

اردو شاعر و دانشور (بھارت)

نام لیوا ہیں محمدؐ کے پرستار تو ہیں — یعنی مجبور پئے احمدِ مختار تو ہیں
عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں — صرف مسلم کا محمدؐ[1] پہ اجارہ تو نہیں

(1992ء میں دبئی (UAE) مشاعرہ میں پڑھی نعت/منقبت سے دو اشعار

1. رسول اللہ ﷺ رحمت العالمین ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا جنگی سامان

رسول اکرم ﷺ کا جنگی سامان

اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے بعد کفار مکہ اور ان کے حواری قبائل بشمول یہود کی اسلام دشمن سرگرمیوں میں شدت آ جانے کی وجہ سے مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کی خاطر مدینہ اور اس کے اردگرد رہنے والے یہودیوں اور دیگر قبائل کے ساتھ صلح کے معاہدے کئے۔ مگر مشرکین مکہ کے ایماء پر یہود اور دوسرے قبائل در پردہ خطرناک اسلام دشمن سرگرمیوں میں ملوث رہتے تھے، ان میں منافقِ دین عبداللہ بن اُبی پیش پیش تھا۔ اللہ نے ہجرت سے پہلے مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت نہ دی تھی اور مسلمان کفار مکہ کے ظلم وستم برداشت کرنے پر مجبور تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس دور میں کسی جنگی سرگرمی میں حصہ نہ لیا تھا۔

علامہ ابن کثیر بیان کرتے ہیں کہ ''جب تک حضور ﷺ مکہ میں رہے، مسلمان بہت ہی کمزور تھے، تعداد میں بھی، چنانچہ جب لیلۃ العقبہ میں انصاریوں نے رسول الکریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تو انہوں نے کہا کہ اگر حضور ﷺ حکم دیں تو اس وقت منی میں جتنے مشرکین جمع ہیں ان پر شب خون ماریں۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ابھی اس کا حکم نہیں دیا گیا۔[1]

مکی زندگی میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی خاص جنگی سامان اپنے پاس نہ رکھا تھا ماسوائے چند ہتھیاروں کے جو عرب قبائل کی بود وباش کا حصہ تھے، اسی لیے تاریخ میں بیان ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی تو صرف ایک خاندانی تلوار جو اُن کے والد ماجد کی وصیت کے

1۔ تفسیر ابن کثیر، جلد سوم صفحہ 22-521، تفسیر آیات 40,39 سورۃ حج۔

مطابق انہیں ملی تھی آپ ﷺ کے پاس تھی۔

تاہم اوائل ہجرت میں ہی، مسلمانوں کی دگرگوں حالت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دشمنوں سے جنگ کی اجازت دے دی۔ یہ اجازت پہلی بار سورہ حج آیات 39 اور 40 میں دی گئی تھی، اس اجازت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی حفاظت اور اسلام کی سربلندی کے لیے عسکری منصوبہ بندی کرنی شروع کر دی۔ مسلمانوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ جنگی ساز وسامان اپنی حفاظت کی خاطر اپنے پاس رکھا کریں۔

نوٹ: جنگ بدر کے فوری بعد سورہ انفال وارد ہوئی جس کو اس جنگ پر ربانی تبصرہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس کی آیت نمبر 60 میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دیکھے اور ان دیکھے دشمنوں سے چوکنا رہنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ عسکری طور پر حسب توفیق ہتھیار بند رہا کریں اور فوری طور پر کسی بھی ناگہانی جنگ یا افتاد کا مقابلہ کرنے کے قابل بنیں۔ اسی آیت میں حکم ہوا ہے کہ مومن گھوڑے بھی پالا کریں، اس طرح ان کا اپنے دشمنوں پر رعب و دبدبہ قائم رہے گا۔ اس دور میں جنگ کے لیے گھوڑوں کی بہت اہمیت ہوتی تھی اور مسلمانوں میں اس امر کی اللہ نے تلقین فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود حضور ﷺ کے پاس ایک فوجی کمانڈر کے طور پر ضرورت وقت کے مطابق کافی حربی سامان ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کے کچھ حربی سامان کی تفصیل یوں ہے:

رسول اللہ ﷺ کے عسکری ہتھیار و دیگر حربی سامان

1- عسکری ہتھیار

1- تلواریں۔ آپ ﷺ کے پاس نو تلواریں تھیں، جن کی تفصیل یوں ہے۔

1- الماثور (Al Mthar)

الماثور تلوار کو ماثور الفجر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ تلوار نبی ﷺ کو وراثت میں آپ ﷺ کے والد

ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی وصیت کے مطابق نبوت سے پہلے ملی تھی اور آپ کی حیات طیبہ میں ہمیشہ آپ ﷺ کے پاس رہی۔ ہجرت مکہ کے وقت بھی یہی تلوار حضور ﷺ کے ساتھ تھی۔ رسول اکرم ﷺ کے آخری ایام زندگی میں یہ تلوار کچھ اور جنگی ہتھیاروں کے ساتھ حضرت علیؓ کو دے دی گئی تھی۔

اس تلوار کی لمبائی 99 سینٹی میٹر بتائی گئی ہے۔ اس کا دستہ سونے کا بنا ہوا ہے جو دو سانپوں کی شکل میں ہے۔ اس تلوار کی تزئین کندن اور فیروزہ کے پتھروں سے کی گئی ہے۔ تلوار پر کندہ رسول اللہ کا لفظ بہت مدھم پڑ چکا ہے اور مشکل سے پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کے دستہ کے پاس کوفی رسم الخط میں عبداللہ بن عبدالمطلب کندہ ہے۔ تلوار کی نیام پر ایک طرف سونے کا کام کیا گیا ہے، اور دوسری طرف پھولوں کی مینا کاری کی گئی ہے۔ نیام کی کل لمبائی 85 سینٹی میٹر ہے۔

2- البتار (Al-Battar)

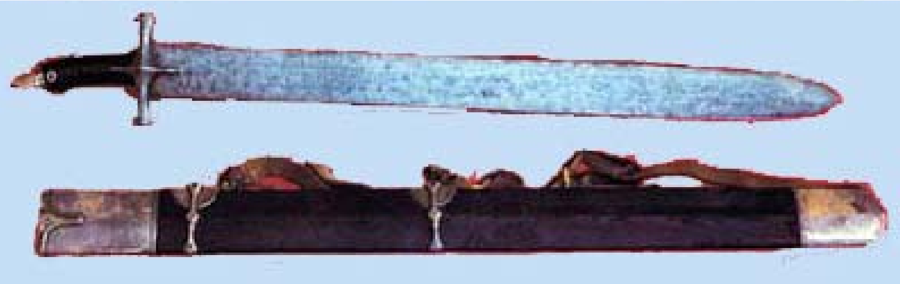

یہ تلوار رسول اللہ ﷺ کو بنو قنیقاع کے مال غنیمت میں سے ملی تھی۔ اس مال غنیمت سے

حضور ﷺ کو تین کمانیں، دو زرہیں، تین تلواریں اور تین نیزے ملے تھے۔

یہ شمشیر پیغمبروں کی تلوار کہلاتی ہے اور اس پر عربی زبان میں چند انبیاء کرام کے نام کندہ ہیں جو داوٗد، سلیمان، موسیٰ، ہارون (Aaron)، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور محمد علیہما السلام) کے ہیں۔

اس تلوار پر حضرت داوٗد علیہ السلام کا ایک خاکہ بھی کندہ ہے جب انہوں نے جالوت جس کی یہ اصل تلوار تھی کا سر کاٹا تھا۔ اس تلوار پر ایک اور تحریر بھی لکھی ہوئی ہے جو انباطی

(Nabataeon) رسم الخط میں تحریر ہے۔[1]

دراصل یہ تلوار جالوت (Goliath) کی تھی جو حضرت طالوت سے جنگ آزمائی کے لیے اپنی فوج کی کمان کر رہا تھا۔ دوسری طرف طالوت کی فوج اسلامی تھی اور اللہ کی سر بلندی کے لیے یہ جنگ لڑ رہی تھے۔ حضرت داوٗد علیہ السلام اس وقت تک نبی مامور نہیں ہوئے تھے اور ایک عام سپاہی کے طور پر طالوت کے ماتحت اس جنگ میں شامل ہوئے۔ طالوت کا اصل نام

(1) انباطی (Nabataean) قدیم رسم الخط جو ارامی، عبرانی اور عربی کے حروف کا مرکب ہے۔

بائبل میں ساول لکھا ہے یہ قبیلہ بن یمیں کا ایک تیس سالہ نوجوان تھا۔ کہتے ہیں کہ نبی اسرائیل میں اس سے خوبصورت کوئی شخص نہ تھا اور ایسا قدآور کہ لوگ اس کے کندھے تک آتے تھے۔ (بائبل۔ سموئیل، باب 10,9) داؤد علیہ السلام اس وقت ایک کم سن نوجوان تھے، اتفاق سے طالوت کے لشکر میں عین اس وقت پہنچے، جب کہ فلسطینوں کی فوج کا گراں ڈیل پہلوان جالوت (جو لیت) بنی اسرائیل کی فوج کو دعوتِ مبارزت دے رہا تھا اور اسرائیلوں میں سے کسی کو ہمت نہ پڑتی تھی کہ اس کے مقابلہ میں نکلے۔ حضرت داؤد یہ رنگ دیکھ کر بلا جھجک اس کے مقابلہ میں میدان میں کود پڑے اور اسے قتل کر دیا۔ اس واقعہ نے انہیں تمام اسرائیلیوں کی آنکھ کا تارا بنا دیا۔ طالوت نے اپنی بیٹی ان سے بیاہ دی اور آخر کار وہی اسرائیلیوں کے نبی اور فرمانروا بنے[1]۔

بعض روایات کے مطابق جالوت حضرت داؤد علیہ السلام کی غلیل سے پھینکے گئے ایک پتھر سے ہلاک ہوا تھا۔ تاہم یہ روایت ضعیف ہے۔

3- ذوالفقار: (Dhu al-Faqar)

یہ تلوار رسول اللہ ﷺ کو جنگ بدر میں مال غنیمت کے طور پر ملی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ رسول الکریم ﷺ نے یہ تلوار حضرت علیؓ بن ابی طالب کو دے دی تھی اور حضرت علیؓ نے اس تلوار کے

1۔ تفہیم القرآن۔ جلد اول، صفحہ 191، تفسیر آیات 247 تا 251 سورہ بقرہ)

الذوالفقار تلوار کی خیالی تصویر۔ تحقیق سے اس شکل کی کوئی تلوار ثابت نہیں ہوئی

ساتھ جنگ اُحد میں خوب داد شجاعت دی، اکثر ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تلوار حضرت علیؓ اور ان کے خاندان کے پاس رہی تھی اور اس تلوار کے دو منہ تھے۔ غالبًا اس سے مراد تلوار پر کندہ وہ دو لکیریں ہیں جو اس کے درمیان سے گزرتی ہیں۔ بعض لوگوں نے ذوالفقار تلوار کے نچلے حصہ کو دو منہ والی تلوار کے طور پر دیکھایا ہے اور اس کی تصاویر بھی اکثر چھاپی جاتی ہیں لیکن تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ اصل ذوالفقار تلوار ایک ہی منہ والی تھی۔ اس وقت یہ تلوار استنبول (ترکی) کے عجائب گھر توپ کپئ میں محفوظ ہے اور یہ ایک منہ والی تلوار ہی ہے اسلامی دنیا میں یہ تلوار برکت اور بہادری کی علامت سمجھی جاتی ہے۔

4- حتف (Hatf)

حتف تلوار بھی رسول اللہ نے بنو قنیقاع کے مال غنیمت سے حاصل کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے البتار تلوار جالوت کو شکست دینے کے بعد مال غنیمت کے طور پر

حاصل کی تھی۔ اس وقت وہ 20 سال سے کم عمر رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کولوہے اور فولاد کے استعمال کا علم عطا فرمایا تھا جس وجہ سے وہ اسلحہ اور جنگی سامان بنانے کے ماہر تھے۔ جالوت کو شکست دینے کے بعد البتار تلوار آپ کو اس کے مال غنیمت کے طور پر ملی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے حتف تلوار خود بنائی جو البتار تلوار کے متشابہ ہے، مگر لمبائی میں گیارہ سینٹی میٹر زیادہ ہے۔ انہوں نے خود اس تلوار کا استعمال کیا اور پھر یہ یہود کے کسی قبیلہ کو منتقل ہوگئی اور اسرائیلیوں کے پاس رہی تاوقتیکہ یہ تلوار محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔

اس وقت یہ تلوار استنبول (ترکی) کے عجائب گھر توپ کپئ میں محفوظ رکھی ہوئی ہے۔ اس تلوار کی لمبائی 112 سینٹی میٹر اور چوڑائی 8 سینٹی میٹر ہے۔

5- المخذم (AL-Mikhdham)

بتایا گیا ہے کہ یہ تلوار حضرت علیؓ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو پیش کی گئی تھی۔ جنہوں نے اسے شام میں ایک جھڑپ کے بعد حاصل کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ سے پھر یہ تلوار حضرت علیؓ اور ان کے صاحبزادوں کے پاس واپس آ گئی تھی۔

اس کی لمبائی 97 سینٹی میٹر ہے اور اس پر زین الدین العابدین کا نام کندہ ہے۔ اس وقت یہ تلوار استنبول (ترکی) کے عجائب گھر توپ کپئ میں محفوظ ہے۔

6- الرسوب (Al Rasub)

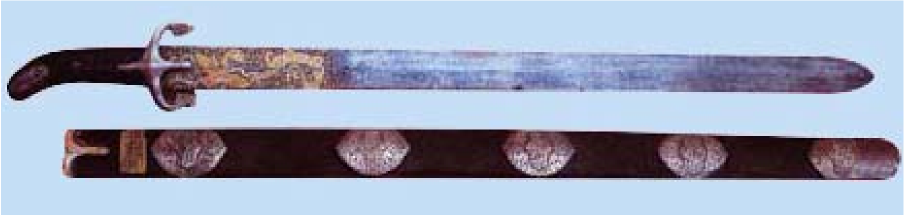

رسول اللہ ﷺ کی نو تلواروں میں سے یہ تلوار الرسوب آنحضرت ﷺ کے خاندان میں دوسرے ہتھیاروں کے ساتھ محفوظ رکھی گئی تھی جس طرح اسرائیلی خاندانوں میں ان کا مقدس صندوق رکھا جاتا تھا۔ یہ تلوار 140 سینٹی میٹر لمبی ہے۔ اس تلوار پر سونے کے گول دائرے بنے ہوئے ہیں جن پر جعفر الصادق کا نام کندہ ہے۔

اس وقت یہ تلوار استنبول (ترکی) کے مشہور عجائب گھر توپ کپئ میں محفوظ ہے۔

7- العضب (AL-Adb)

اس تلوار کے نام کا مطلب کاٹنا یا تیز دھار ہے۔ یہ تلوار نبی ﷺ کو ان کے ایک صحابی نے جنگ بدر سے پہلے پیش کی تھی اور آپ ﷺ نے اس کا استعمال جنگ اُحد میں کیا تھا۔ آپ ﷺ کے صحابہ کرام نے بھی اس کا استعمال اپنی اطاعت گزاری کے طور پر کیا تھا۔

یہ تلوار اس وقت مصر کی مشہور حسین مسجد میں محفوظ رکھی ہوئی ہے۔

8- القضیب (AL-Qadib)

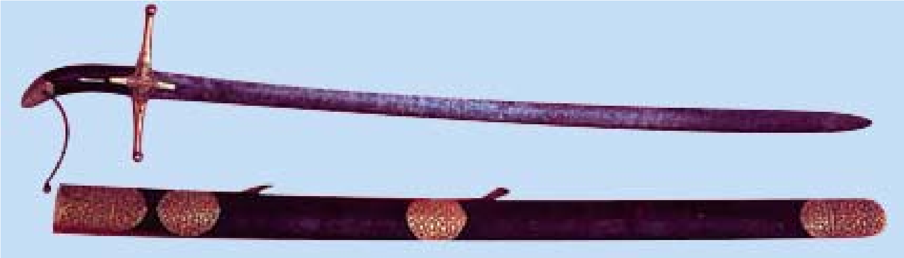

القضیب ایک باریک پھل (بلیڈ) والی تلوار ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ ایک لوہے کی چھڑی کی مانند ہے۔ یہ تلوار دفاع یا سفری رفاقت کے طور پر استعمال کی جاتی تھی مگر جنگوں میں اس کا استعمال نہیں کیا گیا۔ اس تلوار کے ایک طرف کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے اور ساتھ ہی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بھی لکھا ہوا ہے۔

تاریخ میں کہیں نہیں ملتا کہ اس تلوار کا استعمال کسی بھی جنگ میں کیا گیا ہو۔ یہ تلوار رسول اکرم ﷺ کے گھر میں ہی رہی اور بعد میں فاطمی خلفاء نے اس کا استعمال کیا۔

اس کی لمبائی 100 سینٹی میٹر ہے اور اس کی میان جانور کی رنگ شدہ کھال سے بنی ہوئی ہے۔ اس وقت یہ تلوار بھی استنبول (ترکی) کے عجائب گھر توپ کپئی میں محفوظ ہے۔

9- قلعی (Qali)

یہ تلوار قلعی یا قُلعی کے نام سے جانی جاتی ہے۔ غالباً یہ نام ملک شام کی ایک جگہ یا

بھارت میں چین کے قریب ایک مقام کے نام سے ماخوذ کیا گیا ہے، بعض محقق اس لفظ کو سفید سیسہ یا ٹین سے مراد لیتے ہیں جو ایک معدنی پیداوار ہے اور مختلف علاقوں میں ملتی ہے۔ پرانے پیتل اور لوہے کے سامان کو چمکدار بنانے کے لیے اس دھات کا استعمال کیا جاتا ہے جسے قلعی کرنا کہتے ہیں۔

یہ تلوار بھی اُن تین تلواروں میں سے ایک ہے جو رسول اللہ ﷺ کو بنوقنیقیاع کے مال غنیمت سے ملی تھیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے دادا نے جب مکہ میں زم زم چشمہ کی کھدائی کروائی تھی تو وہاں سے بھی قلعی تلواریں برآمد ہوئی تھیں۔

اس تلوار کی لمبائی 100 سینٹی میٹر ہے۔ اس تلوار کے دستہ پر کندہ ہے کہ ''یہ مقدس تلوار بیعت رسول سے وابستہ ہے۔''

یہ تلوار بھی اس وقت ترکی کے شہر استنبول کے عجائب گھر میں محفوظ رکھی ہوئی ہے۔

تیر کمان: (Bows)

مختلف ذرائع سے چھان بین کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے ذاتی تیر کمان جو مختلف اوقات میں چھ بتائے جاتے رہے ہیں، میں سے صرف ایک کمان ہی موجودہ دور میں آپ ﷺ کی طرف وثوق کے ساتھ منسوب کی جاسکتی ہے اس کا نام الکتوم (Al Katum) ہے۔ یہ تیر کمان موجودہ دور میں کچھ دوسرے اسلامی تبرکات کے ساتھ ترکی کے مشہور عجائب گھر توپ کپئ میں محفوظ ہے۔

یہ کمان بانس اور کھجور کی لکڑی کو ملا کر بنائی گئی تھی۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس تیر کمان کی

الکتوم تیر کمان

بناوٹ 615 عیسوی میں کی گئی۔ بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ یہ کمان جنگ اُحد میں ٹوٹ گئی تھی اور حضرت ابوقتادہ حارثؓ ابن ربیعی انصاری کو ملی، جنہوں نے خلافت راشدہ کے دور میں اسے حکومت کے مال خانہ میں جمع کروا دیا تھا۔ یہ کمان عثمانیہ دور میں سلطان شاہ احمد کے عہد (1603 تا 1617ء) میں ترک حکومت کے تصرف میں آ گئی تھی۔ اب موجودہ شکل میں اس پر کچھ تعریفی شعر بھی کندہ کئے گئے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کے باقی ماندہ تیر کمان جو وقتاً فوقتاً حضور ﷺ کے پاس رہے، ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

1- راوجا (Rawaja)

2- سفراء (Asafra) یہ پیلے رنگ کو نمایاں کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بنو قنیقاع کے مال غنیمت میں سے ملا تھا۔

3- بیضاء (Al-Bayda) یہ سفید رنگت میں تھا اور صنوبر کے درخت کی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ کہا جاتا

ہے کہ یہ کمان بھی بنو قریظہ کی غنیمت میں سے ملا تھا۔

4- ساداد (Al Saddad) ساداد کا مطلب سیدھا ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یوں ہے کہ جب بھی اس کمان میں سے تیر پھینکا گیا وہ اپنے نشانہ سے کبھی نہ چونکا تھا۔

5- زوارہ (Az-Zawara) یہ کمان خم دار تھی، اور اس کے چلنے پر کوئی آواز نہیں آتی تھی۔

3- نیزے (Spears)

آپ ﷺ کے پاس پانچ عدد نیزے تھے۔ جن کے نام درج ذیل ہیں:

(1) المتھوی (Al muthwi)

(2) المنتھی (Al muntaha)

(3) انبھا (Al annabah)

(4) البیضاء (Al Bayda) (یہ بڑے سائز کا تھا)۔

(5) ناظحہ (Al nazah)

(روایت ہے کہ یہ نیزہ آپ ﷺ عیدین کے خطبہ ادا کرتے وقت تھامے رکھتے تھے اور پھر نماز پڑھاتے وقت سترہ کے طور پر اپنے سامنے بطور امام گاڑ لیا کرتے تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضور ﷺ بعض اوقات اس نیزہ کو تھام کر چلا بھی کرتے تھے۔

زرہ بکتر (Armor)

رسول اللہ ﷺ کے پاس سات عدد زرہ تھیں، جن کے نام یوں ہیں:

(1) ذوالفضول۔ اس زرہ کو حضور ﷺ نے بعد میں ایک یہودی ابوعاص شام کو اپنے خاندان کے لیے تیس صاع[1] جو، ادھار لینے کے عوض فروخت کر دیا تھا۔ ذوالفضول لوہے کی بنی ہوئی تھی۔

رسول اکرم ﷺ کے پاس باقی ماندہ زرہ کے نام یوں ہیں:

(1) ذوالوشہ (Dhal al wishah)

(2) ذوالھواشی (Dhal Al-Hawashi)

(3) اسعدیہ (As-sadiyyah)

(4) فدھا (Fiddah)

(5) البترہ (Al-Batra)

(6) الخرنیق (Al Khirniq)

ترکش (Quiver)

رسول اللہ ﷺ کے ذاتی ترکش کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کے پاس صرف ایک ہی ترکش تھا جس کا نام الکافور تھا (Al-Kafur) تھا۔ اس کے ساتھ ایک رنگ شدہ چمڑے کا پٹہ، تین

1۔ صاع، پرانا تول کا پیمانہ۔ ایک صاع 3.18 کلوگرام کے برابر تھا۔

چاندی کے گول کنڈے، ایک بکلس اور ایک چاندی کا بنا ہوا کنارہ لگا ہوا تھا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابن تیمیہ نے بیان کیا ہے کہ ایسی کوئی معتبر تحریر نہیں ملتی جس سے ثابت ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی کمر کے گرد کوئی پٹہ باندھا ہو۔

ڈھال (Shields)

کہا جاتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس کئی ایک ڈھال تھیں ان میں دو ڈھال مشہور ہوئیں جن کے نام ارزوق (Al- Zaluq) اور الفوطق (Al-Futaq) تھے۔ حضور ﷺ کو الفوطق تحفہ میں ملی تھی اور اس کے اوپر ایک مورت بنی ہوئی تھی جس پر آپ ﷺ ہاتھ رکھ لیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مورت کو آہستہ آہستہ معدوم یا مدھم کر دیا تھا۔

خُود (Helmet)

مورخین نے رسول اللہ ﷺ کے دو خُود کا ہی ذکر کیا ہے۔ ایک کا نام المواشہ (Al Muwashah) تھا جو لوہے کا بنا ہوا تھا جس پر تانبے سے آرائش کی گئی تھی۔

دوسرے خود کا نام ذوالسبوغ (As- Sabugh) تھا۔

لباس و دیگر حربی سامان

بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تین جُبے (لمبی عربی قمیضیں) تھے، جن کو انہوں

نے دوران جنگ ہی پہنا تھا۔ ان میں سے ایک سبز رنگ کا ریشمی کمخواب/ زربفت کا بنا ہوا تھا۔ مشہور عام تھا کہ حضرت عروہؓ بن الزبیر کے پاس ایک لباس تھا جو ریشمی کمخواب کے سبز کپڑے کا بنا ہوا تھا اور اس پر کڑھائی کی گئی تھی، وہ اسے جنگ کے دوران ہی پہنا کرتے تھے۔ امام احمد سے منقول ہے کہ جنگ کے دوران ریشم پہننے کی اجازت ہے۔[1]

1۔ امام احمد بن حنبل سے منسوب یہ روایت ضعیف ہے۔

(نوٹ: رسول اللہ ﷺ کی تلواروں اور دوسرے حربی سامان پر ہمیں سونے چاندی کا مُلمع اور ہیرے موتیوں کی آرائش موجودہ دور میں ملتی ہیں یہ غالباً عثمانی دورِ حکومت میں کی گئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے وقت یا خلفاء راشدین کے دور میں یہ ہتھیار اپنی اصل سادہ حالت میں موجود تھے۔ حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ یہ سب فتوحات ان لوگوں نے حاصل کی ہیں جن کی تلواروں پر سونے چاندی کا ملمع نہ تھا بلکہ ان کی تلواروں پر چمڑے، رانگ اور لوہے کا معمولی کام ہوتا تھا۔ (مختصر صحیح بخاری 1256 صفحہ 843)۔ (مترجم)

نوٹ: رسول اللہ ﷺ کے دور یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہا کے وقت میں مردوں کا ریشم کے استعمال کرنے پر کوئی معتبر بیان نہیں ملتا جب کہ احادیث میں کثرت سے مردوں کو اس کے استعمال کی ممانعت کی گئی ہے۔ بخاری، مسلم، ابن ماجہ و دوسری کتب اس مسئلہ کو صراحت سے بیان کرتی ہیں۔ میری نظر سے بھی ایسی کوئی حدیث نہیں گزری جس میں عام حالت یا حالت جنگ میں ریشم کے استعمال کی اجازت دی گئی ہو ماسوائے کسی خاص بیماری یعنی خارش وغیرہ کے دوران اگر مریض کی بہتری اسی سے ہو۔

ایک حدیث بار بار یوں بیان کی گئی ہے کہ، جس شخص نے دنیا میں ریشم کا لباس پہنا وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔ (بخاری، ابن ماجہ و مسلم وغیرہ) البتہ حضورؐ نے اپنی شہادت والی انگلی اور درمیانی دو انگلیوں کو ملا کر کہا، کہ صرف اتنا جائز ہے یعنی اس کپڑے کا بیل بوٹا یا حاشیہ مراد ہے۔ دو احادیث اس طرح بیان ہوئی ہیں:

(1) ''حضرت علیؓ سے روایت ہے، کہ آنحضرت ﷺ کو تحفہ آیا ایک جوڑا کپڑے کا جس میں ریشم شریک تھا تانے یا بانے میں۔ آپؐ نے وہ مجھ کو بھیج دیا، میں آپؐ کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اس کو کیا کروں، کیا پہنوں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں اس کو پھاڑ کر اوڑھنیا بنا دے تینوں فاطموں کی۔''

تشریح: ایک فاطمہ بنت اسد حضرت علیؓ کی والدہ، دوسری فاطمہ بنت امیر حمزہؓ، تیسری سیدۃ النساء جناب فاطمۃ الزہراؓ صاحبزادی عالیہ شان۔ (سنن ابن ماجہ)

(2) ''حضرت علیؓ سے ہی روایت ہے، آنحضرت ﷺ نے بائیں ہاتھ میں حریر لیا اور دائیں ہاتھ میں سونا پھر دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور فرمایا یہ دونوں چیزیں حرام ہیں۔ میری امت کے مردوں پر اور حلال ہیں میری امت کی عورتوں پر۔'' (سنن ابن ماجہ، بخاری)

دوسری طرف حضورؐ نے سفید لباس کی تعریف فرمائی ہے۔ بخاری اور سنن ابن ماجہ میں کئی احادیث بیان ہوئی ہیں جن میں سفید لباس کو بہتر قرار دیا ہے۔

ایک حدیث ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ''بہتر کپڑے تمہارے سفید ہیں۔'' (ابن ماجہ۔ 3566)

اس طرح حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''بہتر لباس جس کو تم پہن کر اللہ کی زیارت کرتے ہو، اپنی قبروں میں اور مسجدوں میں وہ سفید ہے۔'' (ابن ماجہ 3568) (مترجم)

متفرق سامان

☆ ایک سیاہ رنگ کا علم یا جھنڈا، جس کا نام العقاب تھا۔سنن ابی داؤد میں حدیث مروی ہے کہ کسی صحابی نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا علم دیکھا جو زرد رنگ کا تھا۔ (زاد المعیاد 1/50)

☆ سفید جھنڈے جو بعض اوقات سیاہ بھی بیان کئے گئے ہیں۔

☆ ایک خیمہ یا شامیانہ جو 'الکان' کہلاتا تھا۔

☆ ایک ہاتھ لمبی خمدار لکڑی جو رسول اللہ ﷺ گھوڑے پر سواری کرتے وقت یا پیدل چلتے وقت اپنے پاس رکھتے تھے۔

☆ ایک ڈنڈا (Baton) جس کا نام العرجون (Al-Arjun) تھا۔

☆ ایک عصاء جس کا نام الممشوق (Al-Mamshuq) تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہی عصاء تھا جسے بعد میں خلفاء راشدین اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے۔

☆ کہا جاتا ہے کہ ایک زمانہ میں حضور ﷺ کے پاس دس گھوڑے تھے۔ ان میں ایک کا نام 'سکب' تھا اور جنگ احد میں آپ ﷺ اس پر سوار تھے۔ ایک اور گھوڑے کا نام لزاز تھا جو شاہ سکندریہ مقوقش نے ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا بقیہ میں سے چھ گھوڑوں کے نام یوں کہے جاتے ہیں: ظرب، ورد، ضریس، ملاوح، سبحہ اور بجر۔

☆ تین خچر تھے، ایک کا نام دُلدُل تھا۔ حبشہ کے بادشاہ نے بھیجا تھا۔ آپ ﷺ نبوت کے اوائل میں اسی کو استعمال فرماتے رہے تھے اس کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت حسن وحضرت حسینؓ

اس پر سوار ہوتے تھے، ان کے بعد محمد بن حنفیہ کے پاس رہا۔

دوسرے خچر کا نام فضہ تھا جس کو صدیق اکبرؓ نے ہدیہ کیا تھا۔

تیسرے کا نام ایلیہ تھا جو شاہ ایلہ نے بھیجا تھا۔

☆ ایک گدھا تھا جس کا نام یعفور تھا۔

☆ سواری کی دو اونٹنیاں قصویٰ، اور عصباء تھیں۔ ہجرت کے وقت آپ ﷺ قصویٰ پر سوار تھے اور حجۃ الوداع کا خطبہ بھی اسی پر سوار ہو کر دیا تھا۔

حرمین برق رفتار ریل

موجودہ دور میں سعودی حکومت کا شاندار کارنامہ

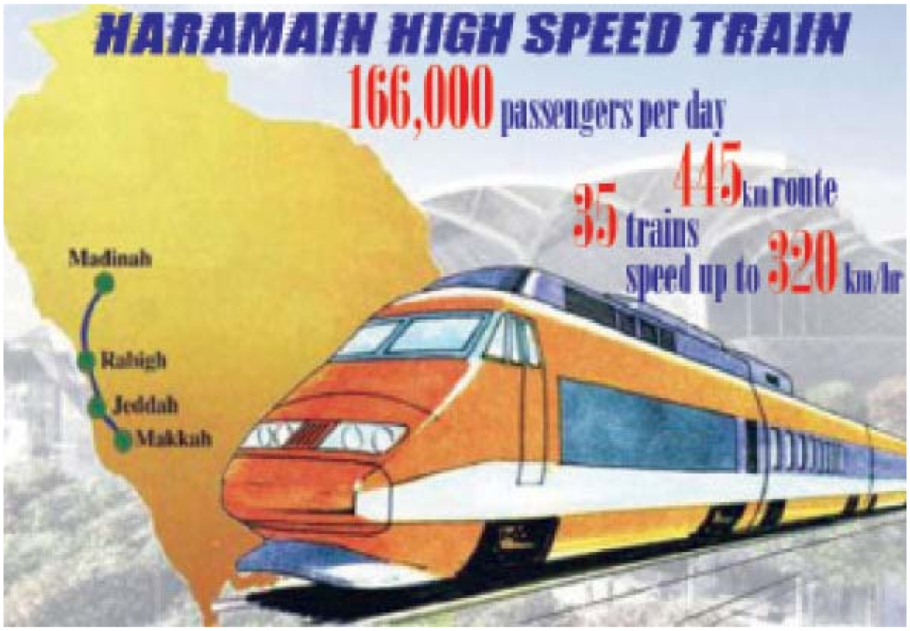

حرمین برق رفتار ریل

(HARMAIN HIGN SPEED RAIL)

اس تیز رفتار ریل کا منصوبہ سعودی حکومت اور الشعلہ گروپ (کنسورشیم) کے مابین ایک معاہدہ کے تحت اکتوبر 2011ء میں طے پایا، جس کے تحت الشعلہ کنسورشیم کو اس سبک رفتار ریل منصوبہ کو بنانا ہے جو مکہ تا مدینہ کا سفر تین گھنٹوں میں طے کرے گی اور تکمیل کے بعد اس کا نظم و نسق بھی اسی گروپ کے پاس رہے گا۔ یہ کنسورشیم 14 کمپنیوں پر مشتمل ہے جن میں دو کا تعلق سعودی عرب اور بقیہ 12 کمپنیوں کا تعلق ہسپانیہ (اسپین) سے ہے۔ معاہدہ کے تحت یہ کنسورشیم تکمیل کے بعد پہلے 12 سال کے لیے سعودی کمپنی اینکو (INECO) کے ساتھ مل کر اس نظام کے چلانے کا ذمہ دار ہوگا۔ اس گروپ میں شامل تمام کمپنیاں تکنیکی لحاظ سے منصوبہ کے مختلف شعبوں

پر کام کرنے کی انتہائی مہارت رکھتی ہیں۔ تیز رفتار گاڑیاں ہسپانیہ ہی کی کمپنی تلگو (TALGO) فراہم کرے گی۔

جیسا کہ ابتداء ہی میں ذکر کیا گیا ہے کہ حرمین ریل کا معاہدہ اکتوبر 2011ء میں لکھا گیا تھا، جس کی رو سے کام کی تکمیل 2014ء تک ہونی تھی، لیکن یہ منصوبہ مختلف مشکلات کے باعث اپنی اصل تکمیل کی تین سالہ معیاد سے پیچھے ہے، تاہم اب امید کی جا رہی ہے کہ سال 2018ء کے اوائل تک یہ پراجیکٹ مکمل ہو جائے گا، کیونکہ اس کو درپیش تکنیکی اور مالی مشکلات پر قابو پا لیا گیا ہے۔

حرمین برق رفتار ٹرین[1] جس کو صحرائی تیز رفتار لائن بھی کہا جاتا ہے[2] مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے جدہ اور شاہ عبداللہ اقتصادی شہر[3] کو بھی اپنے ساتھ منسلک رکھے گی۔ ان چاروں اسٹیشنوں کا تعمیر شدہ رقبہ لندن کے مشہور ٹریفالگر سکوائر[4] کے ریل اسٹیشن جو یورپ کا انتہائی مصروف سینٹر ہے سے 30 گنا بڑا ہے۔ ابتدائی طور پر اس ٹرین کے ذریعہ چھ کروڑ افراد کے سالانہ سفر کرنے کا اندازہ لگایا گیا ہے جو یورو ریل (Euro-Rail) سینٹ پنکر یا[5]، لندن اسٹیشن کے سالانہ مسافروں سے چھ گنا زیادہ ہے، امید کی جاتی ہے کہ سال 2042ء تک یہ تعداد ساڑھے تیرہ کروڑ ہو جائے گی۔

حرمین ریل کے یہ چاروں اسٹیشن علامتی طور پر مختلف رنگوں کے امتزاج سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ مدینہ اور مکہ کے اسٹیشن گہرے رنگوں کے ذریعہ ظاہر کئے گئے ہیں۔ مکہ اسٹیشن سونے

---

1 Haramain High Speed Train. (HHR)

2 Desert High Speed Line.

3 King Abullah Economic City (KAEC)

4 Trafalgar Square- London.

5 Euro Rail Saint Pancra, Londen.

مکۃ المکرّمہ ریلوے اسٹیشن (سنہرے علامتی رنگ کے ساتھ)

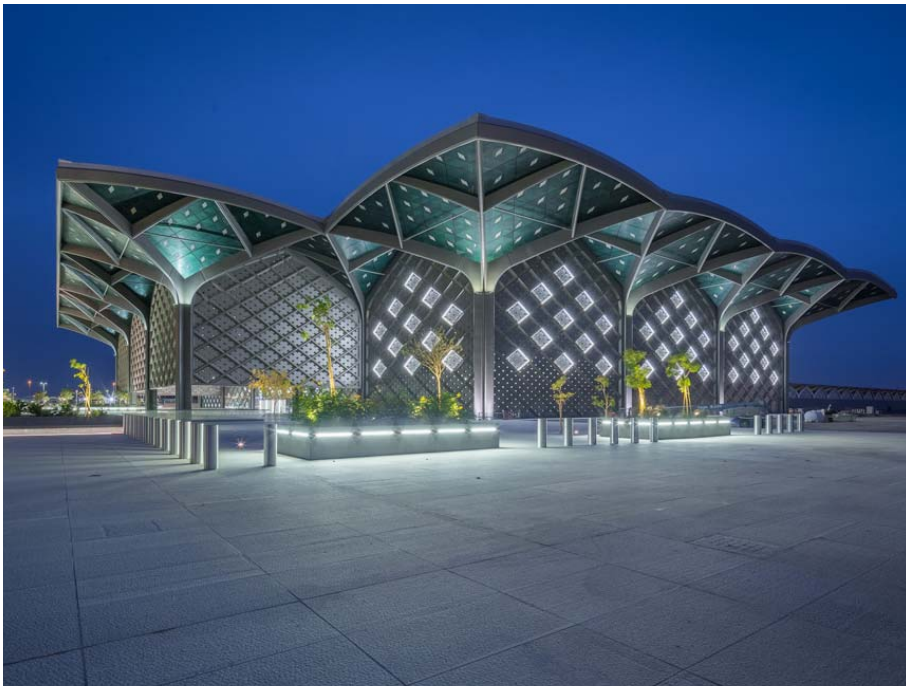

مدینۃ المنورہ ریلوے اسٹیشن (سبز علامتی رنگ کے ساتھ)

جدہ ریلوے اسٹیشن کا اندرونی منظر (ارغوانی علامتی رنگ کے ساتھ)

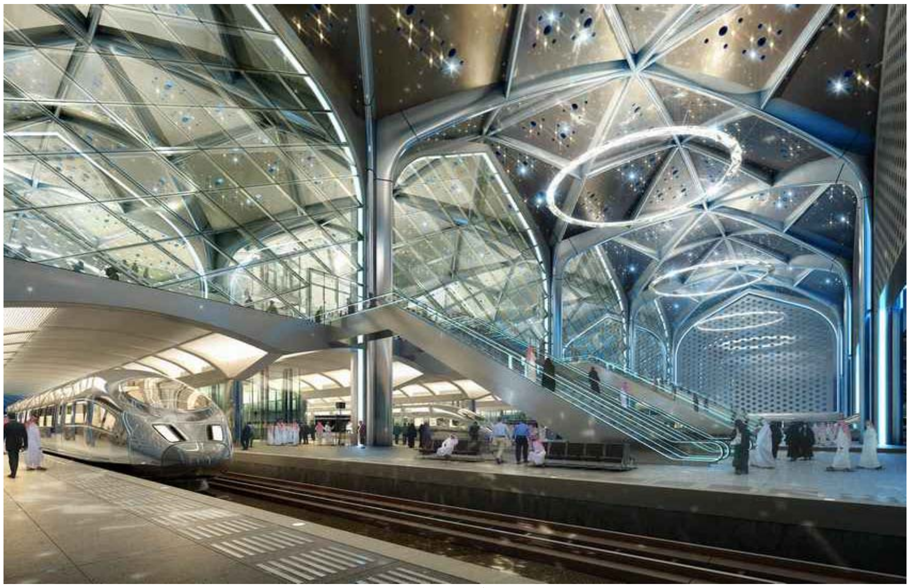

کنگ عبداللہ اقتصادی شہر کا ریلوے اسٹیشن (نیلے اور سلور علامتی رنگ کے ساتھ)

کے پتا کی شکل میں بابرکت کعبہ اور اس شہر کی عظمت کی علامت ہے، جب کہ نمایاں سبز رنگ مدینہ میں مسجد نبوی کے روحانی فیضان کا مظہر ہے، جدہ اسٹیشن ارغوانی (Purple) رنگ کے ساتھ اسی شہر سے مناسبت رکھتا ہے۔ نیلا اور سلور رنگ شاہ عبداللہ اقتصادی شہر کی جدت کا مظہر ہے۔

ان تمام اسٹیشنوں کے ڈیزائن مشترک ہیں اور 25 میٹر اونچی بیرونی محرابوں کو اندرونی 9 میٹر اونچائی والی پلیٹ فارم پر واقع محرابوں کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ یہ محرابیں آپس میں ضم ہوتی ہوئیں ایک گنبد نما چھت بناتی ہیں۔ ہر اسٹیشن سورج کے راستہ کے مطابق بنایا گیا ہے۔ مدینہ اسٹیشن کا رخ مشرق کی طرف اور مکہ اسٹیشن کا رخ شمال کی طرف ہے۔ چھت کے کھلے حصوں سے دن کی روشنی انتظار گاہوں میں پہنچائی گئی ہے، رات کے وقت روشنی کا اس طرح استعمال کیا گیا ہے کہ چھدے ہوئے حصوں سے یہ روشنی یوں ظاہر ہوتی ہے کہ جیسے آسمان پر ستارے جگمگا رہے ہوں۔ محرابوں پر لٹکے ہوئے فانوس اجتماعی حصوں[1] کو خوبصورتی سے منور کرتے ہیں۔ مزید ہر اسٹیشن کی تعمیر میں اسلامی کلچر اور تہذیب کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ موسم کی شدت اور دھوپ کی حدت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر مقام پر مسافروں کے آرام کی خاطر مناسب ٹھنڈی ہوا دی گئی ہے۔

453 کلومیٹر لمبا یہ منصوبہ بے شمار زمینی اور موسمی دشواریوں کے باوجود تکنیکی اور فنی لحاظ سے ایک شاہکار ہونے کی حیثیت کے ساتھ ساتھ مشرق وسطی کا سب سے بڑا نقل وحمل کا منصوبہ ہے، یہ ٹرانسپورٹ منصوبوں میں دنیا کے چند مشکل ترین کاموں میں شامل ہوتا ہے۔

صحرائی ریت اور جھکڑ تعمیری کام میں دشواری پیدا کر رہے تھے، جس وجہ سے بھی یہ منصوبہ اپنے اصل وقت پر مکمل نہ ہو سکا۔ ریلوے لائن کا ایک 20 کلومیٹر کا ٹکڑا سرکتے ہوئے ریت کے ٹیلوں کی زد میں رہتا ہے، جو سالانہ 30 میٹر کے، قریب اپنی جگہ تبدیل کر سکتا ہے اور اس علاقہ

1۔ Common Areas

حرمین برق رفتار ریل کا انجن جس پر چاروں اسٹیشنوں کے علامتی رنگوں کی پٹیاں بنی ہیں

حرمین برق رفتار ریل کی اپر کلاس بوگی کا اندرونی منظر

کے ریلوے ٹریک کو مکمل ڈھانپ سکتا ہے۔ مزید 197 کلو میٹر کا علاقہ صحرائی ریت اور جھکڑوں کی وجہ سے کئی مشکلات سے دو چار ہو سکتا ہے۔ جن میں گاڑی کے ڈرائیور کی قوت بینائی کا متاثر ہونا، ریل کے پہیوں میں ریت کا گھس جانا اور روڑی والے ٹریک میں ریت آ جانے سے ٹریک میں لچک کی کمی ہو جانا شامل ہیں۔

ان مشکلات سے نپٹنے کے لیے مختلف طریقوں سے کام لیا گیا ہے۔ جن میں ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ رکاوٹ کی دیواروں کا بنانا، خندقیں کھودنا۔ اور ٹریک (لائن) پر روڑی بچھانے کی بجائے کھلے علاقہ میں سلیب ٹریک[1] کا استعمال کیا گیا ہے کیونکہ روڑی میں سے ریت سرایت کر کے تہہ میں اکٹھی ہو جاتی ہے اور نکالی نہیں جا سکتی لیکن سلیب پر پڑی ریت آسانی سے صاف ہو جاتی

ٹرین کا کیبن برائے طعام

1. Slab Track

ہے۔ٹرین (گاڑی) کے پہیوں کے قریب ہوا پھینکنے والی مشینیں[1] نصب کی گئی ہیں تا کہ پٹری کو ریت سے صاف رکھا جائے۔گاڑی کے ڈبوں اور ڈرائیور کے کیبن کو مضبوطی سے سر بمہر (سیل) کیا گیا ہے تا کہ ریت اور طوفانی جھکڑوں سے مکمل بچاؤ ہو سکے وغیرہ۔

حرمین سبک رفتار ٹرین کا کل فاصلہ 453 کلومیٹر ہے اور یہ تیز رفتار اور جدید طرز کی ریل گاڑی مکہ سے مدینہ تک کا سفر تین گھنٹہ میں طے کرتے وقت جدہ کے تاریخی شہر اور شاہ عبداللہ اقتصادی شہر (رابغ) سے بھی گزرے گی۔اس ٹرین کا راستہ وہ مشہور تاریخی حرمین روٹ ہے جو

1. Blowers

جزیرہ نما عرب کے مغربی ساحل کے جنوبی شہر مکہ کو مدینہ سے ملاتا تھا۔ مدینہ سے چلتے ہوئے یہ ریل سطح سمندر سے 654 میٹر کی بلندی پر سے اپنا سفر شروع کرتی ہوئی شاہ عبداللہ اقتصادی شہر رابغ اور جدہ جو دونوں سطح سمندر پر واقعہ ہیں سے گزرتی ہوئی شہر مکہ جو سطح سمندر سے 277 میٹر بلند ہے پر اختتام پذیر ہوگی۔ جدہ میں اس ٹرین کو شاہ عبدالعزیز بین الاقوامی ہوائی اڈہ سے ایک خاص لائین اور دو فلائی اوورز[1] کے ذریعہ حجاج کرام کی خدمت کے لیے ملایا گیا ہے، جہاں اللہ کے مہمانوں کی دیکھ بھال کے لیے خاص سہولتیں مہیا کی گئیں ہیں۔

یہ ریل خالصتاً مسافر بردار گاڑی ہے، اس کا دوہرا ٹریک ہے، جس وجہ سے اس کی رفتار اور کارکردگی میں کوئی خلل نہیں آئے گا۔ اس ٹرین کی رفتار 350 کلومیٹر تک رکھی گئی ہے تاہم اسے 300 کلومیٹر کی رفتار سے زیادہ نہیں چلایا جائے گا۔ یہ ریل صحرائی موسم کو زیر نظر رکھ کر تیار کی گئی ہے اور شدید موسم و گرمی کو روکنے کے لیے خاص قسم کی ایئر کنڈیشنگ کا بندوبست کیا گیا ہے، جس کے لیے وافر بجلی کی سپلائی دی جائے گی تاکہ کسی بھی خرابی کے باوجود ٹرین کا ایئر کنڈیشنگ سسٹم مزید دو گھنٹے تک کام کرتا رہے۔ اس میں مسافروں کے آرام کا خاص خیال رکھا گیا ہے اور یہ ٹرین جدید سہولیات سے لیس ہے۔

اندازہ کیا گیا ہے کہ ابتدائی مراحل میں اس ٹرین کے ذریعہ 19,600 مسافر فی گھنٹہ مکہ سے جدہ سفر کریں گے اور مکہ سے مدینہ فی گھنٹہ 3800 مسافر سفر کریں گے۔ جیسا کہ ابتداً میں بتایا گیا ہے کہ سالانہ چھ کروڑ مسافر اس ریل سے فائدہ اٹھائیں گے۔ تاحال انتظامیہ نے سفری ٹکٹ کی قیمت مقرر نہیں کی، جو امید ہے پراجیکٹ کے اختتام کے بعد ہی مقرر ہوگی۔

اس پراجیکٹ کے ڈائریکٹر باسم بن احمد غلمان نے دسمبر 2016ء میں سعودی عمرہ سوسائٹی

---

1. Flyovers

مکہ کے ایک اجلاس میں بتایا تھا کہ حرمین ریل کا ابتدائی بجٹ 62 بلین سعودی ریال جو 13.6 بلین یورو اور 16.5 بلین امریکی ڈالر کے برابر ہے منظور کیا گیا تھا، تاہم بعد کی مشکلات کے باعث جس میں پراجیکٹ کا بند ہو جانا اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ قیمتوں میں اضافہ کی وجہ سے پراجیکٹ بنانے والے کنسورشیم کی 500 ملین یورو کی مانگ کے برعکس سعودی حکومت نے مزید 150 ملین یورو جو 638 ملین سعودی ریال یا 170 ملین امریکی ڈالر کے برابر ہے ادائیگی کے لیے منظور کر دیئے تھے۔

انہوں نے مزید کہا کہ اس پراجیکٹ میں 19 لاکھ (1.9 ملین) میٹر مواصلاتی کیبل (تار)، 40 لاکھ (4 ملین) ٹن بجری، استعمال کی گئی ہے، مزید 1500 (CCTV) کیمرے برائے انتظامی کنٹرول نصب کئے گئے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ جدہ اسٹیشن سہولیات کے لحاظ سے سب اسٹیشنوں سے بہتر ہے، لیکن اخراجات کے لحاظ سے مکہ کا الروسیفہ اسٹیشن ان سب پر سبقت لے گیا ہے۔

اس پراجیکٹ کے لیے بجلی پیدا کرنے کے 39 سنیٹر بنائے گئے ہیں اور مسافروں کی سہولت کی خاطر کمپیوٹر کے 147 wi-fi پوائنٹ پیغامات بھیجنے اور وصولی کے لیے نصب کئے گئے ہیں، مزید مسافروں کو ریل اسٹیشنوں سے بس اور کار سٹاپ پر جانے کی مفت سہولت دی گئی ہے۔ پراجیکٹ ڈائریکٹر نے مزید بتایا کہ بجلی بنانے والے چھ مرکزی پلانٹ 2 بلین سعودی ریال کے خرچ سے بنائے گئے ہیں۔

سعودی دور میں مدینہ کی ترقی کے لیے کئے گئے منصوبوں میں سے یہ پراجیکٹ نہ صرف مدینہ کی تاریخ کا ایک انتہائی اہم جز ہے، بلکہ سعودی عرب کی تاریخ میں بھی ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پراجیکٹ کی کل عملی زندگی 120 سال متعین کی گئی ہے۔

سیلِ العرم
اور
انصارِ مدینہ

سیلِ العرم اور انصارِ مدینہ

''آخر کار ہم نے ان پر بند توڑ سیلاب بھیج دیا، اور ان کے پچھلے دو باغوں کی جگہ دو اور باغ ان کو دیئے، جن میں کڑوے کسیلے پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑی سی بیسریاں۔ یہ تھا ان کے کفر کا بدلہ جو ہم نے اُن کو دیا، اور ناشکرے انسان کے سوا ایسا بدلہ ہم اور کسی کو نہیں دیتے۔''

(سورۂ سبأ آیات 16-17)

وجہ سیلاب اللہ کی ناراضگی

یہ قرآنی آیات اللہ تعالیٰ نے قوم سبا پر اپنی ناراضگی کے اظہار کے لیے بیان فرمائی ہیں۔ اس قوم پر اللہ نے اپنا بے پناہ فضل اور احسان کئی صدیوں تک جاری رکھا تھا، تاہم جب یہ قوم اپنی سرکشی کی وجہ سے الٰہی احکامات کی تعمیل کی بجائے کفر میں مبتلا ہوگئی تو ان پر ایک سخت عذاب، آبی طوفان کی شکل میں بھیجا گیا۔ عربی زبان میں سیل، سیلاب کے معنی پر کہا جاتا ہے اور عرم جنوبی عرب کی زبان کے لفظ عرمن سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی بند کے ہیں۔

اسلامی تاریخِ مدینہ یا ابتدائی اسلامی تاریخ میں اوس اور خزرج قبائل کا انتہائی اہم کردار رہا ہے۔ یہ دونوں قبائل رسول اللہ ﷺ کے انصار کہلاتے ہیں۔ انہی دونوں قبیلوں نے ہجرت سے پہلے آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی کے آخری دور میں ان سے روابط قائم کیے اور بیعت عقبہ اول و ثانی میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ان دونوں قبائل ہی نے اللہ کے نبیؐ کو مکہ سے ہجرت فرما کر یثرب (مدینہ) منتقل ہونے کی دعوت دی اور آپ کی حفاظت کے ضامن ٹھہرے تھے۔ ہجرت کی

ابتدا اور اس کے بعد کی تاریخ کے دوران دونوں قبائل کا کردار ہمیشہ قابلِ تحسین وتقلید رہا ہے۔

ان حقائق کی بناء پر یہ مناسب ہو گا کہ ان دونوں قبائل کے اصل مسکن کا تفصیلی جائزہ لیا جائے کہ کن وجوہ کی وجہ سے انہوں نے اپنا وطن چھوڑا تھا۔

یمن اوس وخزرج کا آبائی مسکن

یمن کے مشہور مورخ وجغرافیہ دان، ابومحمد الحسن ابن احمد الحمدانی نے بیان کیا ہے کہ بنواوس اور بنوخزرج ملک یمن کے رہنے والے تھے اور دوسری صدی عیسوی میں اس ملک میں سیلاب کی تباہ کاریوں کی وجہ سے دیگر قبائل کے ساتھ وہاں سے انخلاء کر گئے تھے اور یہ دونوں قبیلے یثرب (مدینہ) میں سکونت پذیر ہوئے۔

اس کتاب میں مصنف علی حافظ نے بھی ابتداء ہی میں انصار کے تعارف بارے صفحہ 34,33 پر ایسا ہی کہا ہے، تاہم وہ سکونت مدینہ کا آغاز دوصدی قبل از مسیح بیان کرتے ہیں۔ اکثر تاریخ دان ومحقق یمن کے اس شدید سیلاب جس کا ذکر قرآن کریم میں بھی آیا ہے، کے آنے کے زمانہ پر حتمی اتفاق نہیں رکھتے۔ مورخ الاصفحانی کے مطابق اس بند کے ٹوٹنے کا وقت ظہور اسلام سے چار صدی پہلے کا ہے، جس کے مطابق یہ واقعہ تیسری صدی عیسوی کا ہوسکتا ہے[1] کیونکہ آنحضرت ﷺ پر پہلی وحی چالیس سال اور چندہ ماہ کی عمر میں وارد ہوئی تھی، اس لحاظ سے یہ 611 عیسوی کا واقع بنتا ہے۔ مگر یاقوت الحمادی اس بند کے ٹوٹنے کا وقت حبشی دور کا بتاتا ہے، جو 340 عیسوی سے 378 عیسوی کا ہے۔[2] مولانا ابو الاعلیٰ مودودی یہ واقع 450-51 عیسوی کا بیان کرتے ہیں۔[3]

1- Al-Isfahni,s Annals, vol 8.

2 Yaqut al-hamawi: mu`a jam al-Buldan, vol 4. P383.

3 Tafhim ul quran, vol 4, Page 197. Commentary On Verses 15,16 Surra saba.

قوم سبا اور اس کی سلطنت

قرآن میں سیل العرم کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی بند توڑ سیلاب جس نے مارب بند (ڈیم) کو تباہ کر دیا تھا اور یہ وقت قوم سبا کے زوال کا وقت تھا۔ اس قوم نے ڈیڑھ سے دو ہزار سال تک حکمرانی کی تھی اور یہ ایک متمدن اور خوشحال سلطنت مانی جاتی تھی۔ تاریخ دان سبا قوم کا موازنہ اس وقت کی فونیشیائی تہذیب[1] سے کرتے ہیں اور ان دونوں میں مماثلت پاتے ہیں۔ فونیشیا ریاست 1500 تا 300 قبل مسیح میں بحیرہ روم کے مشرقی ساحل پر واقع تھی اور موجودہ ممالک لبنان، اسرائیل، غزہ، شام اور جنوب مغربی ترکی کے علاقوں پر مبنی تھی۔ یہ ایک انتہائی طاقتور، متمدن اور امیر قوم تھی۔

سبائی سلطنت کی تجارت اور زراعت کی اجارہ داری تمام خطہ میں کئی صدیوں تک قائم رہی۔ سورۂ سبا میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن کو ہم نے برکت عطا کی تھی نمایاں بستیاں آباد کر دی تھیں تا کہ ان راستوں پر امن کے ساتھ چلیں پھریں۔'' یعنی ان کے شہروں سے ''برکت والے شہروں'' یعنی شام وفلسطین[2] تک متواتر آبادیاں قائم کر دی تھیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم یمنی علاقہ سے شام تک کا تمام تجارتی راستہ انسانی آبادیوں سے پُر تھا اور ایک غیر آباد علاقہ میں غیر یقینی حالت میں سفر کرنے کے برعکس ان راستوں کے مسافر پر امن طور پر اپنی اگلی منزلوں کا تعین کر سکتے تھے۔

تاریخی اعتبار سے سبا جنوبی عرب کی ایک بہت بڑی قوم کا نام ہے جو چند بڑے قبائل پر مشتمل تھی۔ امام احمد بن جریر، ابی حاتم وترمذی نے یہ روایت رسول اللہ ﷺ سے منقول کی ہے کہ سبا عرب کے ایک شخص کا نام تھا جس کی نسل سے کئی قبیلے پیدا ہوئے تھے۔

---

1. Phoenician Civilization.
2. قران میں شام اور فلسطین کے علاقوں کو کئی جگہ برکت والی بستیاں کہا گیا ہے۔

قدیم تاریخی ذرائع میں اس قوم کا ذکر آٹھویں صدی قبل از مسیح سے بکثرت ملنا شروع ہوتا ہے، گو اس سے قبل بھی قوم سبا کا ذکر مختلف حوالہ جات میں پایا جاتا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملکہ سبا سے رابطہ اور اسے دعوت حق دینے کا ذکر قرآن اور بائبل میں ملتا ہے جو کہ ایک ہزار سال قبل از مسیح (965-926ق م) کا ہے۔ اس قوم کا قدیم تحریروں میں ذکر اسیریا سلطنت کے بادشاہ سارگون[1] دوئم کی جنگی فہرستوں میں بھی ملتا ہے، جس میں ٹیکس دہندگان کی تفصیل بیان کی جاتی تھی۔ اس ریکارڈ میں سبائی بادشاہ اِتھ عمارہ[2] کا نام بھی شامل تھا۔

آثار قدیمہ کی جدید تحقیقات کے سلسلے میں یمن سے تقریباً تین ہزار کتبات فراہم ہوئے ہیں جو اس قوم کی تاریخ پر اہم روشنی ڈالتے ہیں۔ اس کے ساتھ عربی روایات اور رومی و یونانی تواریخ کی فراہم کردہ معلومات کو بھی اگر جمع کر لیا جائے تو اچھی خاصی تفصیل کے ساتھ قوم سبا کی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔

ان معلومات کی رو سے اس کی تاریخ کے اہم ادوار یوں ہیں:

1- 650 قبل مسیح سے پہلے کا دور جو بعض مورخین کے مطابق 2500 ق م تک جاتا ہے کیونکہ اُر[3] (UR) کے کتبات جو اسی زمانہ سے منسوب ہیں ان میں اس کا ذکر سابوم کے نام سے کیا گیا ہے۔ اس کے بعد بابل اور آشور (اسیریا) کے کتبات میں اور اسی طرح بائبل میں بھی کثرت سے اس کا ذکر ملتا ہے۔ (مثال کے طور پر ملاحظہ ہو زبور، 15:72، یرمیا 20:60، ایوب 19:6)۔ یونان و روم کے مورخین اور جغرافیہ نویس تھیوفراسٹس (288 قبل از مسیح) کے وقت سے مسیح کے بعد کی گئی صدیوں تک کی تاریخ میں مسلسل اس کا ذکر

---

1. Sargon II, 702-705,Bc
2. Yith 1-Amara (It, Amara).
3. (Hebrew) (UR)

سبا قوم کی تحریریں۔ مارب کے کھنڈرات سے ملی ہیں

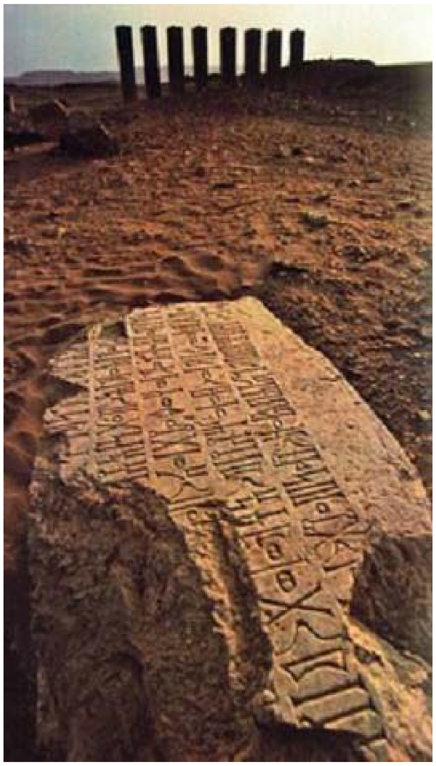

مارب شہر کے کھنڈرات یہ شہر سبا قوم کا دارالخلافہ تھا

مارب کے کھنڈرات

کرتے چلے گئے ہیں۔ اس قوم کے عروج کا وقت گیارہ سو برس قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کے ادوار میں ایک دولت مند قوم کی حیثیت سے قوم سبا کا شہرہ دور دور تک پھیل چکا تھا۔ آغاز میں یہ ایک آفتاب پرست قوم تھی، پھر جب اس کی ملکہ[1] حضرت سلیمان (965۔ 925 ق م) کے ہاتھ پر ایمان لے آئی تو قوی خیال ہے کہ اس کی غالب اکثریت مسلمان ہوگئی تھی لیکن بعد میں نہ معلوم کب اس قوم میں دوبارہ شرک اور بت پرستی نے زور پکڑ لیا اور اس نے المقہ (چاند دیوتا)، عشتر (زہرہ) ذات حمیم اور ذات بعدان (سورج دیوی) وغیرہ اور دوسرے دیوی دیوتاؤں کی

معبد المقہ (چاند دیوتا) کا مندر جسے ملکہ بلقیس کا مندر بھی کہا جاتا تھا

پوجا شروع کر دی تھی۔ المقہ اس قوم کا سب سے بڑا دیوتا تھا۔ یمن میں بکثرت ایسے کتباب ملے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سارا ملک ان دیوتاؤں اور خصوصاً المقہ کے

1۔ ملکہ کا نام بلقیس تھا تاہم وہ ملکہ سباء کے نام سے بھی جانی جاتی ہیں۔ عبرانی (Hebrew) زبان میں اسے ملکہ شیبا (Queen of Sheba) کہا گیا ہے۔

معبدوں سے بھرا ہوا تھا اور ہر اہم واقعہ پر ان کے شکریے ادا کیے جاتے تھے۔

1- 650 قبل از مسیح سے پہلے کے دور میں ملوک سبا کا لقب مکرب سبا تھا۔ اغلب یہ ہے کہ یہ لفظ 'مقرب' کا ہم معنی تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ بادشاہ انسانوں اور خداؤں کے درمیان اپنے آپ کو واسطہ قرار دیتے تھے، یا دوسرے الفاظ میں یہ کاہن بادشاہ (Priest-King) تھے۔ اس زمانہ میں ان کا پایۂ تخت صرواح تھا جس کے کھنڈرات آج بھی مارب سے مغرب کی جانب ایک دن کی راہ پر پائے جاتے ہیں اور خربیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی دور میں مارب کے مشہور بند کی بناء رکھی گئی اور وقتاً فوقتاً مختلف بادشاہوں نے اسے وسیع کیا۔

بت پرستی کے اس دور میں بھی قوم سبا میں ایک قلیل عنصر ایسا بھی تھا جو دوسرے معبودوں کو ماننے کی بجائے خدائے واحد کو مانتا تھا۔ موجودہ زمانہ کی اثری تحقیقات کے سلسلے میں یمن کے کھنڈرات سے جو کتبات ملے ہیں ان میں سے بعض کتبات اسی قلیل عنصر کی نشان دہی کرتے ہیں۔ 650 ق م کے لگ بھگ زمانے کے بعض کتبات بتاتے ہیں کہ مملکت سبا کے متعدد مقامات پر ایسی عبادت گاہیں بنی ہوئی تھیں جو ذسموی یا ذوسماوی (یعنی رب السماء) کی عبادت کے لیے مخصوص تھیں۔

بعض مقامات پر اس معبود کا نام ملکن ذسموی (وہ بادشاہ جو آسمانوں کا مالک ہے) لکھا گیا ہے۔ یہ عنصر مسلسل صدیوں تک یمن میں موجود رہا، چنانچہ 378 عیسوی کے ایک کتبے میں بھی الہ ذوسموی کے نام سے ایک عبادت گاہ کی تعمیر کا ذکر ملتا ہے۔ پھر 465 عیسوی کے ایک کتبے میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں۔ ''بنصرو ردا الہن بعل سمین وارضین'' (یعنی اس خدا کی مدد اور تائید سے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے)۔ اسی زمانہ کے ایک اور کتبے میں جو 458 عیسوی کا جانا جاتا

ہے اس خدا کے لیے رحمان کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اصل الفاظ یوں ہیں کہ ''بردا رحمنن'' یعنی رحمان کی مدد سے۔[1] قرآن حکیم میں سورہ سبا آیت 20 میں بھی اس تھوڑے سے گروہ کا ذکر آیا ہے اور اسے مومنین کہا گیا ہے۔

2- 650 ق م سے 115 ق م کے دور میں سبا کے بادشاہوں نے مکرب کا لقب چھوڑ کر ملک (بادشاہ) کا لقب اختیار کر لیا، جس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت میں مذہبیت کی جگہ سیاست اور سیکولرزم کا رنگ غالب ہو گیا۔ اس زمانے میں ملوک سبا نے صرواح کو چھوڑ کر مارب کو اپنا دار السلطنت بنایا اور اسے غیر معمول ترقی دی۔ یہ مقام سطح سمندر سے 3900 فٹ کی بلندی پر صنعاء سے 60 میل جانب مشرق واقع ہے اور آج بھی اس کے کھنڈرات شہادت دے رہے ہیں کہ یہ کبھی ایک بڑی متمدن قوم کا مرکز تھا۔

3- 115 ق م سے 300 عیسوی تک کا دور۔ اس زمانہ میں سبا کی مملکت پر حُمیر کا قبیلہ غالب ہو گیا جو قوم سبا کا ہی ایک قبیلہ تھا اور تعداد میں دوسرے تمام قبائل سے بڑا تھا۔ اس دور میں مارب کو اجاڑ کر زیدان پایہ تخت بنایا گیا جو قبیلہ حُمیر کا مرکز تھا، بعد میں یہ شہر ظفار کے نام سے موسوم ہوا۔ آج کل موجودہ شہر یریم کے قریب ایک مدور پہاڑی پر اس کے کھنڈرات ملتے ہیں اور اسی کے قریب علاقہ میں ایک چھوٹا سا قبیلہ حُمیر کے نام سے آباد ہے جسے دیکھ کر کوئی شخص تصور تک نہیں کر سکتا کہ یہ اسی قوم کی یادگار ہے جس کے ڈنکے کبھی دنیا بھر میں بجتے تھے۔ اسی زمانہ میں سلطنت کے ایک حصہ کی حیثیت سے پہلی مرتبہ لفظ یمنیت اور یمنات کا استعمال ہونا شروع ہوا اور رفتہ رفتہ یمن اس پورے علاقہ کا نام ہو گیا جو عرب کے جنوبی مغربی کونے پر عیر سے عدن تک اور باب المندب سے حضر موت تک واقع ہے۔ اسی

1۔ تفہیم القرآن، جلد چہارم صفحہ 194۔ تفسیر آیت 20 سورۂ سَبَا۔

دور میں سبائیوں کا زوال شروع ہوا۔

4- 300 عیسوی کے بعد سے آغاز اسلام تک کا دور۔ یہ قوم سبا کی تباہی کا دور ہے اس دور میں ان کے ہاں مسلسل خانہ جنگیاں ہوئیں، بیرونی قوموں کی مداخلت شروع ہوئی، تجارت برباد ہوئی، زراعت نے دم توڑا اور آخر کار آزادی تک ختم ہوگئی۔ زیدانیوں، حُمیریوں اور ہمدانیوں کے باہمی تنازاعت سے فائدہ اٹھا کر حبشیوں[1] نے یمن پر قبضہ کرلیا۔

340 عیسوی سے 378 عیسوی تک یمن پر حبشیوں کا قبضہ رہا پھر آزادی تو بحال ہوگئی مگر مارب کے مشہور بند میں رخنے پڑنے شروع ہو گئے یہاں تک کہ آخر 450 عیسوی یا 451 عیسوی میں بند کے ٹوٹنے سے وہ عظیم سیلاب آیا جس کا ذکر قرآن نے سورہ سبا آیات 15 تا 17 میں کیا ہے۔[2] آیت 19 میں اللہ نے ان کی نافرمانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ''انہوں نے اپنے اوپر خود ظلم کیا، آخر ہم نے انہیں افسانہ بنا کر رکھ دیا اور انہیں بلکل تتر بتر کر ڈالا'' یعنی سبا کی قوم ایسی منتشر ہوئی کہ اس کی پراگندگی ضرب المثل بن گئی۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے زوال نعمت کا دور شروع ہوا اور سیلاب نے ملک میں تباہی پھیلا دی، تو سبا قوم کے مختلف قبیلے اپنا وطن چھوڑ چھوڑ کر عرب کے مختلف علاقوں میں چلے گئے۔ غسانیوں نے اُردن اور شام کا رُخ کیا، اوس و خزرج کے قبیلے یثرب اور شام میں جا بسے، خُزاعہ نے جدہ کے قریب تہامہ کے علاقہ میں سکونت اختیار کی وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ سبا قوم کا نام بھی دنیا میں باقی نہ رہا صرف ان کا ذکر افسانوں ہی میں رہ گیا۔

عروج سبا کی وجہ

قوم سبا کا عروج دراصل دو بنیادوں پر قائم تھا، ایک زراعت اور دوسرے تجارت، انہوں

---

[1] حبشہ کے رہنے والے

[2] اس طوفان کے آنے کا زمانہ بعض مورخین نے دوسری صدی عیسوی بیان کیا ہے۔

مارب ڈیم کے بند کی دیواریں جن سے پانی کو روکا جاتا تھا

نے مارب کے اردگرد کے علاقہ میں زراعت کو خوب فروغ دیا اور آبپاشی کی خاطر شہر کے جنوب مغرب میں ایک عظیم الشان ڈیم تعمیر کیا تھا جو فنی لحاظ سے اس زمانہ کا آبی شہکار تھا[1]

جغرافیائی موزونیت کے مطابق مارب ڈیم یا سد مارب صحیح مقام پر تعمیر کیا گیا تھا۔ عرب جغرافیہ دان یاقوت الحماوی لکھتا ہے کہ ''قدرتی طور کوہ بلق[2] تین اطراف سے وادی عدانہ[3] کو گھیرے میں لیے ہوئے ایک جھیل بناتا تھا''۔ قریبی دریا کے علاوہ برساتی پانی کو بھی جھیل میں اکٹھا کیا جاتا تھا جس کا بہاؤ صرف ایک ہی طرف تھا۔ اس طرح انہوں نے ایک بہت بڑا آبی ذخیرہ اکٹھا کر رکھا تھا[4]

زراعت کے لیے بند سے نہریں نکالی گئی تھیں، جن کی بدولت اس قوم کی زرعی پیداوار میں تمام علاقہ میں اجارہ داری تھی۔ نہروں کو پانی پہنچانے کی خاطر ڈیم پر مضبوط دروازے[5] لگے ہوئے تھے۔ اس سرسبزی اور ہریالی کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ سبا میں دو باغوں سے تشبیہ دی ہے۔

مارب ڈیم کی اونچائی 16 میٹر، چوڑائی 60 میٹر اور لمبائی 620 میٹر تھی۔ اس ڈیم سے 9600 ہیکٹر یا 23,700 ایکڑ زمین کو سیراب کیا جاتا تھا۔ جنوبی سمت میں 5300 ہیکٹر یا 13000 ایکڑ اور مغربی سمت میں 4300 ہیکٹر یا 10.700 ایکڑ رقبہ سیراب ہوتا تھا۔

اس ڈیم کی ابتدائی تعمیر کا زمانہ مورخین نے 1750 قبل از مسیح سے 1700 ق م بیان کیا ہے۔

تجارت کے لیے اس قوم کو خدا نے بہترین جغرافی مقام عطا کیا تھا۔ جس سے اس

---

1 Donald Routledge Hill: A history of Engineering In Classical and Medieval Times. Chp 2. Routledge, 1996.

2 Balaq Mountain

3 Adhanah

4 Yaqut al-Hamawi: Muajam Al buldan. vol4. p282.

5 Sluice Gates.

نے خوب فائدہ اٹھایا۔ ایک ہزار برس سے زیادہ مدت تک یہی قوم مشرق اور مغرب کے درمیان تجارت کا واسطہ بنی رہی۔ ایک طرف ان کی بندرگاہوں میں چین کا ریشم، انڈونیشیا اور مالا بار کے گرم مسالے، ہندوستان کے کپڑے اور تلواریں، مشرقی افریقہ کے زنگی غلام، بندر، شتر مرغ کے پر اور ہاتھی دانت پہنچتے تھے اور دوسری طرف یہ ان چیزوں کو مصر اور شام کی منڈیوں میں پہنچاتے تھے جہاں سے روم و یونان تک یہ مال روانہ کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ خود ان کے علاقہ میں لوبان، عود، عنبر، مشک، مُرّ، قرفہ، قصب الذریرہ، سیلخہ اور دوسری خوشبودار چیزوں کی بڑی پیداوار تھی جنہیں مصر وشام اور روم و یونان کے لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔

اس عظیم الشان تجارت کے دو بڑے راستے تھے۔ ایک بحری، دوسرا بری، بحری تجارت کا اجارہ ہزار سال تک انہی سبائیوں کے ہاتھ میں تھا، کیونکہ بحر احمر کی موسمی ہواؤں، زیر آب چٹانوں، اور لنگر اندازی کے مقامات کا راز یہی لوگ جانتے تھے اور دوسری کوئی قوم اس خطرناک سمندر میں جہاز چلانے کی ہمت نہ رکھتی تھی۔ اس بحری راستے سے ہی یہ لوگ اردن اور مصر کی بندرگاہوں تک اپنا مال پہنچایا کرتے تھے۔

بری راستے عدن اور حضر موت سے مارب پر جا کر ملتے تھے اور پھر وہاں سے ایک شاہراہ مکہ، جدہ، یثرب، العلاء، تبوک اور ایلہ سے گزرتی ہوئی پیٹرا تک پہنچتی تھی۔ اس کے بعد ایک راستہ مصر کی طرف اور دوسرا راستہ شام کی طرف جاتا تھا۔ اس بری راستے پر، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے، یمن سے حدود شام تک سبائیوں کی نو آبادیاں مسلسل قائم تھیں اور شب روز کے تجارتی قافلے یہاں سے گزرتے تھے۔ آج بھی ان میں سے بہت سی نو آبادیوں کے آثار اس علاقے میں موجود ہیں اور وہاں سبائی اور حمیری زبان کے کتبے بھی ملتے ہیں۔

پہلی صدی عیسوی کے لگ بھگ زمانے میں اس تجارت پر زوال آنا شروع ہو گیا۔ مشرق

اوسط میں جب یونانیوں اور پھر رومیوں کی طاقت ور سلطنتیں قائم ہوئیں تو شور مچنا شروع ہو گیا کہ عرب تاجر اپنی اجارہ داری کے باعث مشرق کے اموال تجارت کی من مانی قیمتیں وصول کر رہے ہیں اور ضرورت ہے کہ ہم خود اس میدان میں آگے بڑھ کر اس تجارت پر قبضہ کریں۔ اس غرض کے لیے سب سے پہلے مصر کے یونانی الاصل فرمانروا بطلیموس ثانی (285۔ 246 ق م) نے اس قدیم نہر کو پھر سے کھولا جو 17 سو برس پہلے فرعون سہوستریس نے دریائے نیل کو بحر احمر سے ملانے کے لیے کھدوائی تھی۔ اس نہر کے ذریعہ سے مصر کا بحری بیڑا پہلی مرتبہ بحر احمر میں داخل ہوا۔ لیکن سبائیوں کے مقابلہ میں یہ کوشش زیادہ کارگر نہ ہوسکی۔ پھر جب مصر پر روم کا قبضہ ہوا تو رومی زیادہ طاقت ور تجارتی بیڑا بحر احمر میں لے آئے اور اس کی پشت پر انہوں نے ایک جنگی بیڑا بھی لا کر ڈال دیا۔ اس طاقت کا مقابلہ سبائیوں کے بس میں نہ تھا۔ رومیوں نے جگہ جگہ بندرگاہوں پر اپنی تجارتی نو آبادیاں قائم کیں، ان میں جہازوں کی ضروریات فراہم کرنے کا انتظام کیا اور جہاں ممکن ہوا وہاں اپنے فوجی دستے بھی رکھ دیئے، حتیٰ کہ ایک وقت وہ آ گیا کہ عدن پر رومیوں کا فوجی تسلط قائم ہو گیا۔ اسی سلسلہ میں رومی اور حبشی سلطنتوں نے سبائیوں کے مقابلے میں باہم ساز باز بھی کر لی، جس کی بدولت بالآخر اس قوم کی آزادی تک ختم ہو گئی۔

بحری تجارت ہاتھ سے نکل جانے کے بعد صرف بری تجارت سبائیوں کے پاس رہ گئی تھی۔ مگر بہت سے اسباب نے رفتہ رفتہ ان کی کمر توڑ دی۔ پہلے نبطیوں نے پیٹرا سے العُلا تک بالائی حجاز اور اردن کی تمام نو آبادیوں سے سبائیوں کو نکال باہر کیا۔ پھر 106ء میں رومیوں نے نبطی سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور حجاز کی سرحد تک شام و اردن کے تمام علاقے ان کے مضبوط ہاتھوں میں چلے گئے۔ اس کے بعد حبش اور روم کی متحدہ کوشش یہ رہی کہ سبائیوں کی باہمی کشمکش سے فائدہ اٹھا کر ان کی تجارت کو بالکل تباہ کر دیا جائے۔ اسی بنا پر حبشی بار بار یمن میں مداخلت کرتے

رہے۔ یہاں تک کہ آخرکار انہوں نے پورے ملک پر قبضہ کرلیا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ کے غضب نے اس قوم کو انتہائی عروج سے گرا کر اس گڑھے میں پھینک دیا جہاں سے پھر کوئی مغضوب قوم کبھی سر نہیں نکال سکی ہے۔ ایک وقت تھا کہ اس کی دولت کے افسانے سن سن کر یونان و روم والوں کے منہ میں پانی بھر آتا تھا۔ اسٹرابو[1] لکھتا ہے کہ یہ لوگ سونے اور چاندی کے برتن استعمال کرتے ہیں، اور ان کے مکانوں کی چھتوں، دیواروں اور دروازوں تک میں ہاتھی دانت، سونے چاندی اور جواہر کا کام بنا ہوا ہوتا ہے۔ پلینی[2] کہتا ہے کہ روم اور فارس کی دولت ان کی طرف بہی چلی جا رہی ہے، یہ اس وقت دنیا کی سب سے زیادہ مالدار قوم ہیں اور ان کا سرسبز و شاداب ملک باغات، کھیتیوں اور مواشی سے بھرا ہوا ہے۔ آرٹی میڈورس[3] کہتا ہے کہ یہ لوگ عیش میں مست ہو رہے ہیں اور جلانے کی لکڑی کے بجائے دار چینی، صندل اور دوسری خوشبودار لکڑیاں جلاتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے یونانی مورخین روایت کرتے ہیں کہ ان کے علاقے کے قریب سواحل سے گزرتے ہوئے تجارتی جہازوں تک خوشبو کی لپٹیں پہنچتی ہیں۔ انہوں نے تاریخ میں پہلی مرتبہ صنعاء کے بلند پہاڑی مقام پر وہ فلک شگاف عمارت (Skyscraper) تعمیر کی جو قصر غمدان کے نام سے صدیوں تک مشہور رہی ہے۔ عرب مورخین کا بیان ہے کہ اس کی 20 منزلیں تھیں اور ہر منزل 36 فٹ بلند تھی۔

یہ سب کچھ بس اسی وقت تک رہا جب تک اللہ کا فضل ان کے شامل حال رہا۔ آخرکار جب انہوں نے کفرانِ نعمت کی حد کر دی تو ربِ قدیر کی نظرِ عنایت ہمیشہ کے لیے ان سے پھر گئی اور ان

---

1. STRABO. (63 Bc) A Greek Geographer, Piiilosopher and Historian.
2. PLINY. The Elder, A Roman Author
3. ARTE MIDORUS DALDIANUS (2nd Century CE) Known From Five Volume Greek Work

کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔ جب اللہ کی نظرعنایت ان سے پھر گئی تو پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں یہ عظیم الشان بند ٹوٹ گیا اور اس سے نکلنے والا سیلاب راستے میں بند پر بند توڑتا چلا گیا، یہاں تک کہ ملک کا پورا نظام آب پاشی تباہ ہو کر رہ گیا۔[1]

ڈیم پر کندہ سب سے پرانی تحریریں جو پائی گئی ہیں، وہ اس کی تعمیر و مرمت سے متعلق ہیں۔ ان میں 760 سے 740 ق م کے حاکم وقت حاکم یادا عامر وتار اوّل کے نام کی ہے اس کے بعد 720-740 ق م کے حاکم یادا ال بین دوم سے منسوب ہے۔ اسی طرح 700 سے 680 ق م کے حاکموں کے نام بھی مرمت کے سلسلہ میں کندہ ملتے ہیں[2]

سعودی حکومت نے 31 مئی 2015ء کو یمن پر ہوائی حملے کئے جس کی وجہ سے اس پرانے تاریخی ڈیم کو سخت نقصان پہنچا تھا اور اقوام متحدہ کی ذیلی تنظیم برائے تعلیم، سائنس وتہذیب وتمدن (UNESCO) نے اس واقعہ کی شدید مذمت کی تھی۔

قوم سبا کی عسکری طاقت

عسکری لحاظ سے بھی سبائی قوم اپنے عروج کے دور میں انتہائی مضبوط اور طاقت ور تھی اور جزیرہ نما عرب کے علاوہ بابل اور شام کے علاقوں میں بھی ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کو اپنی فوجی طاقت پر ناز تھا جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعوتِ حق سبا کی ملکہ بلقیس کو ملی تھی تو اس نے اپنے امرا اور فوجی جرنیلوں سے مشورہ کیا

1۔ تفہیم القرآن، جلد چہارم صفحہ 197، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، تفسیر آیات 15 تا 19 سورہ سبا۔

2۔ Hommel,explorations 101 Bible Lands: (Philladeladelphia: 1903) 739 Yada' Amarwatar Son of Yada'el Zarih (760-740 BC) And Yada el Bayin II (700-680 Bc) Sourcc: Ocean Highways: Geo graphical Recorded C.R. Makham, Ocean High Ways, Geographical Review. Vol-1.

اور ان کی رائے بھی طلب کی تھی، جس کے جواب میں اس کے جرنیلوں نے کہا تھا کہ ''ہم طاقتور اور لڑنے والے لوگ ہیں، تاہم فیصلہ کا اختیار آپ کو ہے۔''

سعودی ہوائی حملہ سے پہلے

سعودی ہوائی حملہ کے بعد

مارب ڈیم کی دیوار سعودی حملہ کے بعد

مارب میں جدید ڈیم کی تعمیر

1986ء میں شیخ زاید بن سلطان النہیان حاکم متحدہ عرب امارات نے مارب کے قدیم تاریخی ڈیم کے کھنڈرات سے تین کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک نیا ڈیم یمن حکومت کو تحفہ کے طور پر بنا کر دیا ہے۔ شیخ زاید کا قبیلہ سترویں صدی عیسوی میں مارب کے علاقہ کی سکونت چھوڑ کر اپنے موجودہ علاقہ میں آباد ہوا تھا۔ اس ڈیم کا افتتاح خود شیخ زاید نے کیا تھا۔

موجودہ (جدید) ڈیم ابوظہبی کی مدد سے 1986ء میں تعمیر کیا گیا تھا

مصنف کا تعارف

علی حافظ مدینہ منورہ میں 1327ء ہجری (1909ء) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مدینہ کے مختلف سکولوں میں حاصل کی۔ اس کے بعد آپ مسجد نبوی کی درسگاہ میں داخل ہوئے جو اس زمانہ میں یونیورسٹی کا درجہ رکھتی تھی جہاں سے علماء کو کئی سالہ تعلیم کے بعد اسناد ملتی تھیں۔ آپ نے وہاں سے معلّمی کی سند حاصل کی۔

مصنف نے اپنی ملازمت کا آغاز مدینہ کے ڈائریکٹریٹ خزانہ سے شروع کیا۔ بعدازاں آپ محکمہ زراعت کے ڈائریکٹر اور مدینہ میونسپلٹی کے سربراہ متعین ہوئے اور 1385 ہجری (1965ء) میں اسی مقام سے اپنا ذاتی کاروبار شروع کیا۔

1356 ہجری (1937ء) میں اپنے بھائی عثمان حافظ کے ساتھ مل کر مدینہ اخبار کا اجراء کیا۔ ابتدا میں یہ اخبار ہفت روزہ تھا پھر ہفتہ میں دو روزہ ہوا اور اب یہ جدہ کا صفِ اول کا اخبار ہے۔ یہ اخبار پہلی بار 1382 ہجری (1962ء) میں جدہ سے شائع ہوا۔ دونوں بھائیوں نے مل کر 30 سال اس کی اشاعت جاری رکھی۔ اب یہ اخبار ادارہ مدینہ پریس کے زیر اہتمام شائع ہوتا ہے۔ دونوں برادران ابھی بھی تواتر کے ساتھ اس اخبار میں لکھ رہے ہیں۔

مصنف نے اپنے بھائی عثمان حافظ کے ساتھ مل کر جزیرہ نما عرب کے صحراؤں میں بدوں کے بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے 1356 ہجری (1937ء) میں کام شروع کیا اور اپنے پہلے سکول کی بنیاد مدینہ سے 83 کلومیٹر دور مساجید نامی گاؤں میں رکھی۔

آپ عرصہ دراز تک مدینہ میونسپل کونسل کے سربراہ اور مجلس شورہ کے رکن رہے۔

1394 ہجری (1974ء) میں سعودی مصنفین کانفرنس کے لیے آپ کا انتخاب ہوا جو شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی میں منعقد ہوئی۔ آپ کو وہاں طلائی تمغہ اور 'رائیڈ' کا خطاب ملا۔ آپ انٹرنیشنل پریس کانفرنس جو مسلم ورلڈ لیگ کے زیر اہتمام 1399 ہجری (1978ء) میں قبرص کے مقام پر منعقد ہوئی تھی، کے رکن تھے۔ اسی طرح آپ 1400 ہجری (1979ء) میں جکارتا میں منعقدہ، سلامی انفرمیشن کانفرنس کے بھی رکن تھے۔

آپ کے شائع شدہ کاموں میں، تاریخ مدینہ کے ابواب، جس کا پہلا ایڈیشن 1388 ہجری (1968ء) میں شائع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن 12 ربیع الاول 1405 ہجری (1984ء) میں چھاپا گیا جس میں مدینہ میں بعد کے ترقیاتی کاموں کی تفصیل بطور ایک تتمہ شامل کی گئی۔ آپ کی کتاب 'سوق عکاظ' مکتبہ الصغیرہ نے شائع کی تھی۔ ان کا مقالہ 'اسلام میں انسانی حقوق' ٹوکیو میں انٹرنیشنل پریس کانفرنس میں پڑھا گیا اور اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا۔ آپ کے متعدد مقالہ جات مختلف کانفرنسوں میں پڑھے جاتے رہے۔

سعودی حکومت کی طرف سے مصنف کی ملکی خدمات کے صلہ خاص طور پر پریس، نشرواشاعت، صحافت اور بلدیاتی امور کی ترقی میں آپ کے کردار کی قدر شناسی کی خاطر مختلف اوقات میں آپ کو گراں قدر انعامات سے نوازا گیا۔